دوسری عورت

رجنی پٹیل

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ

دوسری عورت

رجنی پٹیل

پاکستانی وقار عظیم ڈاٹ کام

القریش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

فون: 042-37652546 , 042-37668958

www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

انتساب:

ہر دور کے مہان لیکھک
سورگ باشی منٹو جی کے نام......!
جن سے میں کبھی نہیں ملی۔لیکن......
ان کو دیوتا اور گرومان کران کی پوجا کرتے
سمجھتے [illegible]

حن بٹیا

خوب سے خوب تر کتابوں کی اشاعت
جدت اور معیار کے ساتھ

بااہتمام......محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اوّل............... 2012ء
مطبع............... نیئر اسد پریس لاہور
کمپوزنگ............... کلائمکس گرافکس

بے ادبی

القریش پبلی کیشنز کے محمد علی قریشی سے میرے برادرانہ تعلقات خاصے پرانے ہیں۔ان کا ادارہ میرے تقریباً 15 ناول شائع کر چکا ہے۔اکثر ان کی جانب سے مجھے رجسٹرڈ پیکٹ وغیرہ موصول ہوتے رہتے تھے۔لیکن مورخہ 17 نومبر 2011ء کو جو زنی پیکٹ ملا، اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا محمد علی نے ''رجنی پٹیل'' کے گیارہ عدد افسانے پریس جانے سے پیشتر مجھے بھیجے تھے اور درخواست کی تھی کہ میں اس قیمتی مجموعے کا ''تعارف'' لکھ دوں۔اپنی تحریروں کے بارے میں اپنے قلم سے ''میاں مٹھو'' بننا اور بات ہے لیکن کسی اور کی تحریر پر قلم اٹھانا پہلا تجربہ تھا۔محمد علی سے دیرینہ تعلقات کے پیش نظر فرار کی گنجائش نہیں تھی۔اس کے علاوہ یہ بھی عرض کر دوں کہ میں خود بھی سعادت حسن منٹو کی تحریروں کا ازل سے اسیر ہوں۔معاشرتی ادب میں آج تک کوئی منٹو کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ رجنی پٹیل کے افسانے بھی نہ صرف معاشرتی ہیں بلکہ ان میں انسانی کرداروں سے وابستہ رِستے ہوئے ناسوروں کی جراحی نہایت ماہرانہ اور نفسیاتی انداز میں کی گئی ہے۔چنانچہ میں رجنی پٹیل کے بارے میں تعارف بہ عنوان ''بے ادبی'' لکھنے پر بہ خوشی آمادہ ہوگیا۔

پہلے یہ عرض کر دوں کہ منٹو مرحوم نے زندگی میں جو کچھ بھی لکھا، وہ خالصتاً معاشرتی کہانیاں تھیں، جنھیں کسی عنوان بھی ''فحش'' نہیں کہا جا سکتا۔زبردستی کسی پر فردِ جرم عائد کرنا قانون کے بھی خلاف ہے۔آج ہمارے معاشرے کا جو ماحول ہے، وہ بھی مختلف میڈیا کی رپورٹس کی روشنی میں ''فحش ترین'' ہی قرار دیا جائے گا۔5 اور 6 سال کی معصوم کلیوں کو جنسیاتی درندگی کا نشانہ بنانے والے ''جانور'' کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔دہشت گردی، آبرو ریزی، اغواء، بالجبر اور اجتماعی زیادتیوں کی حیا سوز خبریں آئے دن اخباروں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔مجرم ''چھومنتر'' ہو جاتا ہے۔قانون اپنی بے بسی اور بے سروسامانی کا راگ الاپتا رہتا ہے۔یہ سب منٹو مرحوم کی کہانیوں میں کہاں تھا؟ پھر اسے فحش نگار کیوں کہا جائے؟

میں یہاں کمال احمد رضوی کے ایک انٹرویو کا حوالہ دوں گا، جو روزنامہ ایکسپریس نے محترم ابن صفی کی برسی کے موقع پر اپنے سنڈے ایڈیشن میں مورخہ 18 جولائی 2010ء (صفحہ 6 اور 7) پر شائع کیا تھا۔آپ بھی بغور اس کا مطالعہ کرلیں۔

ایکسپریس: ''کہا جاتا ہے کہ منٹو آخری دور میں بہت زیادہ فرسٹریشن کا شکار ہو گئے تھے۔''

لمان احمد رضوی: ''منٹو جیسا افسانہ نگار دوبارہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ برصغیر کی تقسیم اور ہجرت کے بعد سے منٹو اپنے افسانوں کے مواد کشید کیا کرتے تھے۔ سیاہ حاشیئے، ٹوبہ ٹیک سنگھ، مودیل اور کھول دو جیسے دوسرے افسانے تقسیم کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ منٹو نے سوچا تھا کہ ان کا انڈیا میں بڑا نام ہے۔ اگر وہ پاکستان آگئے تو لوگ ان کی راہ میں بچھ جائیں گے۔ یہاں آکر پتا چلا کہ پاکستان قائداعظم کے آگے نہیں بچھا تو منٹو کے آگے کیا بچھے گا۔ پاکستان کے حالات اور یہاں کے لوگوں کی بدمعاشیاں دیکھ کر منٹو فرسٹریشن کا شکار ہو گئے تھے۔ انہوں نے جو توقعات پاکستان سے وابستہ کر رکھی تھیں، وہ پوری نہ ہوسکیں۔ ان کے افسانے بتاتے ہیں کہ اس وقت پاکستان کیسا ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے رضا کار ہجرت کر کے آنے والی بے سہارا لڑکیوں کی عصمت دری میں ملوث پائے گئے تھے۔ منٹو نے یہی کچھ تو اپنے افسانوں میں لکھا ہے۔ آج بھی پاکستان میں لڑکیوں کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے۔''

اس انٹرویو کے حوالے سے ایک سوال اب بھی تشنہ رہ جائے گا۔ ''موجودہ دور میں بھی کون سا کاروبار ہے جو آپ کے خیال میں فحش نہیں ہے؟''

رجنی پٹیل کے سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے ان کا ایک افسانہ ''کھڑی فصل'' کے عنوان سے سسپنس ڈائجسٹ کے غالباً مئی یا جون 2007ء کے شمارے میں پڑھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ ''کھڑی فصل'' کا گراف منٹو مرحوم کے افسانوں کے برابر نہیں تو قریب ترین ضرور تھا۔ یہ کہانی ایک ایسی معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کی ہے، جو باپ کی کھڑی فصل بچانے کی خاطر جھونپڑے سے نکل کر بنگلوں تک چاکری کرنے پہنچ جاتی ہے اور وہاں رہنے والی ''کھلاڑی'' لڑکیاں اس غریب کو ایسے ماہرانہ انداز میں استعمال کرتی ہیں کہ اس کے باپ کی ''کھڑی فصل'' تو بچ جاتی ہے لیکن اس کی اپنی فصل تیار ہونے سے پہلے ہی روندی جاتی ہے۔ کیا آپ اس ماہرانہ تحریر کو فحش کہیں گے جس کی معصوم ہیروئن ایک اہم فرض کی ادائیگی میں تجربہ کار لڑکیوں کی حرامزدگی کا اس طرح شکار ہوتی ہے کہ اس غریب کو خود اپنی بربادی کی اطلاع نہیں ہوتی؟

''کھڑی فصل'' کے بعد مجھے رجنی پٹیل کی دیگر کہانیوں کے سلسلے میں زیادہ نہیں بھٹکنا پڑا۔ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے برخوردار ثمر عباس نے مجھے نومبر 2006ء میں شائع ہونے والے پہلے افسانے ''ساجھے کی ہانڈی'' سے لے کر اگست 2010ء میں شائع ہونے والے آخری افسانے ''گھراگھاؤ'' کے تمام رسالے فراہم کردیئے۔ میں نے ایک ایک افسانے کو بار بار پڑھا۔ اکثر یہ بھی شبہ ہوا کہ کہیں یہ افسانے اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق میں نے ہی تو تخلیق نہیں کیے؟

بہرحال میں نے رجنی پٹیل کے تمام افسانوں کو دوبارہ غور سے پڑھا اس کی باریکیوں، گہرائیوں اور مثبت و منفی کرداروں میں بار بار ڈوبتا، اُبھرتا رہا۔ مجھے حیرت ہے کہ رجنی پٹیل نے پانچ سال میں گیارہ افسانے تخلیق کرنے کے بعد خاموشی کیوں اختیار کرلی؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پاکستان کے کچھ قارئین نے رجنی پٹیل کو فحش قرار دے دیا تھا اس لئے اس نے ہمارے لئے لکھنا بند کر دیا۔ اگر یہ سچ ہے تو انتہائی شرمناک ہے۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں بھی ''چشم بدور'' ایسے ان گنت لکھنے والے ہیں جو ''وہی وہانوی'' سے بھی زیادہ گھٹیا اور فحش کہانیاں لکھ رہے ہیں، ان پر کوئی ''قدغن'' کیوں نہیں لگائی جاتی؟

کیا اب تحریروں کے سلسلے میں بھی سرحدیں قائم کی جائیں گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہندوستان کے تمام بڑے نامور رائٹر کرشن چندر، بلونت سنگھ، منشی پریم چند، راجندر سنگھ بیدی اور دیگر بڑے بڑے شعراء کے شعری مجموعے بھی ہندوستانی ہونے کی چھاپ لگا کر اپنے شیلف سے نکال کر دریا برد کر دیں۔ مگر میرے نزدیک یہ رواداری اور انصاف نہیں ہوگا۔ یہ سراسر تنگ نظری ہوگی۔ مصنفین اور فنکاروں پر کسی ملک کی چھاپ لگانا درست نہیں!

اور وہ حضرات یا تنقید نگار جو منٹو، عصمت چغتائی، رجنی پٹیل کو فحش نگار قرار دیتے ہیں، وہ خود معیاری ادب تخلیق کر کے دکھائیں۔ صرف تنقید نگاری کوئی پیشہ نہیں۔ میں ایسی سوچ رکھنے والوں کو بھی ادب کا بدترین دشمن ہی قرار دوں گا۔

رجنی پٹیل کا قلم بلاشبہ منٹو اور عصمت چغتائی کی راہ پر گامزن ہے۔ ان کی کہانیاں ''گانٹھ، ''دوسری عورت''، ''ابھاگن''، ''اُترن''، ''کھڑی فصل'' اور ''گجرا'' نہایت چابک دستی سے بڑے ماہرانہ انداز میں بُنی گئی ہیں۔ آپ ''دوسری عورت'' کے افسانوی مجموعے کو بڑے فخر سے منٹو اور عصمت چغتائی کے ساتھ ایک ہی شیلف میں جگہ دے سکتے ہیں۔ یہ مجموعہ معاشرتی ادب میں ایک قابل قدر اضافے سے کم نہیں۔ اس میں شامل کہانیوں کے کرداروں کی نفسیاتی اُلجھنوں کی نہایت مہارت سے سرجری کی گئی ہے۔ اگر ان رِستے ناسوروں کو لاعلاج چھوڑ دیا جائے تو پھر مرض لاعلاج بھی ہو جاتا ہے، جس کا تعفن پورے ماحول اور معاشرے کے لئے نہایت خطرناک ہوگا۔ میں ایسا محسوس نہ کرتا تو ان ادبی کہانیوں کے سلسلے میں ''بے ادبی'' لکھنے کی جسارت کبھی نہ کرتا۔

انوار صدیقی

مورخہ 31 نومبر 2011ء

فہرست

ساجھے کی ہانڈی 7

اترن 19

کھڑی فصل 32

کچرا 61

گونج 98

دوسری عورت 140

ابھاگن 188

دراڑ 235

گانٹھ 288

الو کا پٹھا 304

گہرا گھاؤ 330

ساجھے کی ہانڈی

آتشی رنگی کی پٹیالہ شلوار......

لمبی چاک والی قمیض پر سونے کے تاروں سے ابھرا ہوا کام......

کامدانی سے جھلملاتا ہوا ڈوپٹا......

گوٹا کناری کے ساتھ......

گلے میں جڑاؤ گلوبند...... ماتھے پر ٹیکا......

کانوں میں کندن کے کام کا جھمکا...... پاؤں میں جھانجن...... مہندی رچے ہاتھوں میں ہیروں کی انگوٹھیاں...... ماتھے پر جگ مگ کرتی بندیا......

وہ سر سے پاؤں تک قیامت ہی قیامت نظر آرہی تھی۔ اس کے حسن جہاں داد کے سامنے ہر چیز ہیچ تھی لیکن غریب گھرانے کا چشم و چراغ تھی اس لئے اسے امید نہیں تھی کہ اس کی شادی بلونت سنگھ جیسے گھبرو جوان اور مالدار شخص سے بھی ہو سکتی تھی۔ بلونت کور کو اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا۔ دوسرے لڑکی والوں کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہا تھا کہ لکشمی ہاتھ سے نکل گئی......!

دلہن بنانے کے بعد لاجونتی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

''جلدی رام مت ہو جانا...... گانٹھ کا خیال رکھنا اگر جلدی کھل گئی تو پھر دھینگا مشتی کا سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔''

''چپ بے شرم'' وہ لجا گئی ''کوئی اور سن لے گا تو کیا کہے گا؟''

''دوسروں کی نہیں اپنی فکر کرو لاڈو......'' لاجونتی نے اس کے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ ''میری مان تو سہاگ رات ہی سے لگام کس کر رکھنا۔ ڈھیل دے دی تو بلونت شیر ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ

Pakistanipoint Waqar Azeem

ان پرشوں کا مطلب نکل جائے، تو پھر پٹھ پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔''

''وہ تو ویسے ہی شیر جیسا ہے......'' وہ روانی میں کہہ گئی، پھر لاجونتی کو دیکھ کر بولی۔ ''سچ بتا میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟''

اسی وقت باقی سکھیاں آ گئیں، تو کلونت کور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ہم جولیوں کے درمیان قہقہے گونجنے لگے۔ کلونت خاموشی سے سمٹی سمٹائی بیٹھی سب کی سنتی رہی۔ اس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ جو کچھ ہو رہا تھا۔ جو ہونے والا تھا وہ ایک سہانے خواب سے کم نہیں تھا۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگا کرتا۔ بڑے بڑے خاندان کی لڑکی والے بلونت پر دانت لگائے بیٹھے تھے انہیں امید نہیں تھی کہ لاٹری کلونت کے نام نکل آئے گی، لیکن جب ان دونوں کی بات پکی ہو گئی، تو دستور کے مطابق دل کے پھپھولے پھوڑنے کی خاطر جلی کٹی باتیں شروع ہو گئیں۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔

ایک لڑکی کی ماں نے کہا۔ ''اچھا ہوا جو کلونت کور بلونت کے پلے پڑ گئی۔ میری بیٹی کا معاملہ ہوتا، تو میں بلونت کو ناکوں چنے چبوا دیتی۔''

''شگون کے موقع پر بدشگونی کی بات اچھی نہیں ہوتی' لیکن میں نے سنا ہے کہ بلونت اچھے کردار کا مالک نہیں ہے۔ ادھر ادھر بھی منہ مارتا رہتا ہے' جس دن کسی برابر والے سے ٹکر ہو گئی' وہ ساری ہوا نکال کر رکھ دے گا۔'' دوسری نے دل کی بھڑاس نکالی۔

''سب بھاگ میں لکھے کی بات ہوتی ہے۔'' ایک بوڑھی خاتون نے اپنی رائے پیش کی۔

''بلونت اور کلونت کور کی جوڑی آسمانوں پر لکھ دی گئی تھی۔ اسے دھرتی پر کون ٹال سکتا تھا......؟''

کلونت اور اس کی ماں سب کی سنتیں اور چپ رہتیں۔ انہیں اپنی غربت کا احساس تھا، اس لئے کسی کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھیں' پھر خدا خدا کر کے ان کے سر سے بیٹی کا بوجھ اتر گیا۔ جس وقت کلونت اپنے نئے گھر کو سدھارنے لگی، اس روز اس کی ماں نے اسے گلے لگا کر کہا تھا۔

''کلونت...... ہماری عزت کا مان رکھنا، ورنہ دنیا والوں کو بات بنانے کا موقع مل جائے گا۔''

وہ گھر سے وداع ہونے کیلئے اٹھی، تو اس کی بے تکلف سہیلی روپا نے قریب آ کر مدھم لہجے میں سرگوشی کی۔ ''میں تجھے بلونت کے ایک ساتھی رگھبیر کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ اس سے ذرا بچ کر ہی رہنا۔''

کلونت نے روپا کو نظر بھر کر دیکھا، تو روپا چپ نہ رہ سکی۔

''ایک نمبر کا شرابی کبابی آدمی ہے۔ کسی سندر ناری کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکنے میں دیر نہیں لگتی۔ اس نے تیرے لئے بھی شادی کے کارن بڑے جتن کئے۔ بڑے چکر چلائے' لیکن اس کی دال نہیں گلی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بلونت کی دوستی کی خاطر درمیان سے ہٹ گیا۔''

''گالی تو نہ دے اسے......'' کلونت نے دبی زبان میں کہا۔

''گالی نہ دوں تو کیا اس کی شان میں اشلوک پڑھوں۔'' روپا بڑی حقارت سے بولی۔'' خبر نہیں سور کا جنا نو مہینے ماں کے پیٹ سے کس طرح ٹک کر لگا رہا......''

کلونت کو ہنسی آ گئی۔ اسے روپا کی کھری اور کڑوی باتوں میں مزہ آ رہا تھا۔

''میں دھوکا کھا چکی ہوں اس ماں کے خصم سے' اسی لئے تجھے بچ بچا کر رہنے کو کہہ رہی ہوں۔''

''میں سمجھی نہیں......؟'' کلونت پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔'' تیرے ساتھ کیا ہوا تھا......؟''

''جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' روپا نے جلے کٹے انداز میں کھسر پھسر کرتے ہوئے کہا۔'' ایک بار وہ اور اس کے دو ہٹے کٹے ساتھی مجھے مندر کا مفت پرساد سمجھ کر زبردستی اٹھا لے گئے تھے۔ میں نے لاکھ دہائیاں دیں، مگر وہ حرام کے جنے تو جیسے دیوانے ہو گئے تھے۔ میری ایک نہ چلی اور......''

''روپا......'' کلونت یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔'' کیا تو سچ کہہ رہی ہے......؟''

''تجھ سے اس سمے جھوٹ کیوں بولوں گی۔'' روپا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔'' یہ تو واہگرو کی کرپا تھی جو میری بات ویر سنگھ سے طے ہو چکی تھی، ورنہ برادری میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔ تھو تھو الگ ہوتی......''

''کیا ویر سنگھ کو خبر ہے ساری بات کی......؟'' کلونت نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہاں......'' روپا نے سرد آہ بھر کر کہا۔'' میں نے سہاگ رات کو چوسر کی بازی شروع ہونے سے پہلے سب کچھ کھل کر بتا دیا تھا۔ اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں تھا' بعد میں اسے معلوم ہوتا، تو میں چور بن جاتی۔''

''تیری بپتا سن کر وہ بھڑکا تو ہوگا؟'' کلونت نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''میں نے منع کر دیا تھا اسے۔'' روپا بولی۔'' عزت تو پہلے ہی چلی گئی تھی، اگر ویر سنگھ بھی دنگے فساد میں کام آ جاتا تو میری دنیا ہی اجڑ جاتی...... میرے سمجھانے بجھانے اور بنتی کرنے سے

وہ چپ تو ہو گیا، لیکن رگھبیر کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں شعلہ اگلنے لگتی ہیں......تو میری اپنی ہے اس لئے پہلے سے خبردار کر رہی ہوں" روپا نے اسے ڈولی میں بٹھاتے ہوئے کہا۔" میں نے تیرے بلونت سنگھ کے بارے میں بھی بہت باتیں سن رکھی ہیں......واہگرو تیری رکھشا کرے......"

❁❁❁

حجلہ عروسی میں سمٹی سمٹائی بیٹھی کلونت کور کے کانوں میں ابھی تک روپا کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی۔

اگر رگھبیر ساتھی ہے بلونت کا، تو وہ کب تک اس سے اپنا دامن بچا سکے گی......؟"

کیا اسے بلونت کی مرضی کا احترام کرنا ہوگا......؟

کیا وہ اتنا بے غیرت بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی عزت کو دوسرے کی گود میں ڈال دے گا......؟

اگر ایسا ہوا تو......؟

شراب کے نشے میں اپنے پرائے کا دھیان کسے رہتا ہے......!

لیکن......!

وہ بلونت کا کر بھی کیا سکتی تھی!

بڑی دیر تک گھونگھٹ میں سمٹی سمٹائی بیٹھی وہ آئندہ پیش آنے والے خطرے کے بارے میں منصوبے بناتی رہی، پھر دروازے پر آہٹ سن کر اپنے وجود میں کچھ اور سمٹ گئی، اس نے اوڑھنی کی اوٹ سے آنے والے کو دیکھا......وہ بلونت ہی تھا۔ بانکا سجیلا......گبرو جوان، لیکن نشے میں دھت......اس کے قدم بری طرح لڑکھڑا رہے تھے......جھومتا لہراتا وہ مہکتے پھولوں سے سجی سیج کی طرف آ رہا تھا، پھر جب وہ قریب آ کر "دھپ" سے بیٹھا تو کلونت کور کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ شراب کی ناگوار بدبو سانسوں کے ذریعے اس کے وجود میں اترنے لگی......بلونت اس کے اور قریب ہو کر سرسراتے لہجے میں بولا۔

" کلونت......میں جیت گیا......سب سالے ہار گئے۔ میں پرکھوں کی ساری جمع پونجی کا اکیلا وارث ہوں۔ تجھے پانے کے کارن میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔" بلونت نے اپنی قیمتی واسکٹ اتار کر ایک طرف اچھال دی۔ لہرا کر بولا۔ "تیرے گھر والوں کو پورے تیس ہزار دیئے تب کہیں جا کر سودا پٹا تیرا میرا......اب تو کیول میری رانی ہے۔ میرے جیون کی مہارانی......"

کلونت خاموش بیٹھی بلونت کی باتیں سنتی رہی۔ تیس ہزار والی بات سن کر اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ دوسری مجبور لڑکیوں کی طرح وہ بھی رسم و رواج کے بھینٹ چڑھا دی گئی تھی۔ بے زبان جانوروں کی طرح جو صرف چلاّ تو سکتے ہیں، لیکن دوسروں کو اپنے من کا حال سنانے کی شکتی نہیں رکھتے۔

بلونت نے واسکٹ کے بعد زری کی کامدار سینڈل بھی اتار کر ادھر ادھر اچھال دی، پھر کلونت کے بالکل قریب آ کر کسی تماش بین کی طرح جم کر مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کا گھونگھٹ آہستہ آہستہ اٹھا کر بولا۔

"تیرا جھڑوس ماما پکا بیوپاری نہیں ہے......" اس نے کلونت کے پنکھڑی جیسے گلابی شتابی اور گداز ہونٹوں پر انگلی پھیرتے ہوئے بڑے بازاری انداز میں مسکرا کر کہا۔ "تیس ہزار کی بولی سن کر اس کی باچھیں کھِل گئی تھیں۔ جلدی سے ہاں کر دی اس نے، تیرا باپ بھی جھٹ تیار ہو گیا۔ ان کی جگہ کوئی کھیلا کودا آڑھتی ہوتا تو پچاس ہزار سے بولی شروع کرتا۔ آسانی سے مٹھی پر ہاتھ بھی نہ رکھنے دیتا۔"

کلونت سمٹی سمٹائی بیٹھی بلونت کی بے وقت راگنی سنتی رہی، شراب کی بدبو سے اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے میری رانی......؟ آج تو اتنی چپ چپ کیوں ہے؟" بلونت نے منہ قریب لے جا کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "کل تک تو، تو سرسوں کے کھیت کی پگڈنڈی پر کسی الہڑ ہرنی کی طرح چھلانگیں مارتی اور کلیلیں کرتی پھرتی تھی۔ آج سہمی سہمی کیوں ہے......؟"

وہ بھلا اس بات کا کیا جواب دیتی، البتہ بلونت کی گرم گرم سانسوں نے اس کے اندر ایک انجانی سی کھلبلی ضرور مچا دی تھی، اس کے دل کی حرکتیں ڈانواڈول ہونے لگیں۔

"ہونٹ بند رکھنے سے کام نہیں چلے گا رانی جی۔" بلونت نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ "کچھ خبر ہے تجھے...... آج میری تیری سہاگ رات ہے...... جانتی ہے، کلونت...... سہاگ رات کیا ہوتی ہے......؟"

کلونت کسمسانے لگی۔ جیون میں پہلی بار اس کے اندر سلگتے جوالا مکھی کو کسی نے ہاتھ لگایا تھا۔ اس کے شریر پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس نے لجا کر بلونت سے دور ہونا چاہا، مگر اس کی گرفت کچھ اور سخت ہو گئی۔

''آہستہ......'' وہ بمشکل کہہ سکی۔ ''میرا دم گھٹ جائے گا۔''

''سہاگ رات کو دھرتی کی تمام ناریاں یہی کہتی ہیں...... پھر جانتی ہے کیا ہوتا ہے......؟''
بلونت نے کسی منجھے ہوئے اداکاری کی طرح کہا۔ ''ایک بار کلی چٹک کر پھول بن جائے، تو پھر سارے واویلے ختم ہوجاتے ہیں...... ایک گُر کی بات بتاؤں تجھے...... سمندر کی طرح عورت ذات کی گہرائی کا بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا......''

''تجھ کو کیسے پتا چلا......؟'' کلونت نے ڈرتے ڈرتے مدھم لہجے میں پوچھ ہی لیا۔

''پرانا تیراک ہوں میری رانی......'' بلونت مونچھوں پر تاؤں دے کر بولا۔ ''چڑھتے ندی نالوں اور سمندر میں ہزاروں بار غوطہ لگا چکا ہوں، لیکن کبھی تہ تک نہیں پہنچا۔ راستے سے ہی ہاتھ پیر مار کر واپس آ گیا...... اب تو میری رانی بن گئی ہے، تو بس میں تیرے ہی ساتھ موج میلہ کروں گا۔''

بلونت پرانا کھلاڑی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی جنبش آہستہ آہستہ بے باک ہوتی جارہی تھی۔ پوری حویلی میں اس کے ملازموں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد سب کچھ اس کا اپنا تھا۔ باقی کوئی حصہ دار نہیں تھا۔

کلونت کو اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔ وہ موم کی طرح تپش پا کر آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی۔ شراب کے بھبکے اب اسے برے نہیں لگ رہے تھے۔ اس کے نازک وجود میں ایک انجانی سے لہر بار بار اٹھ کر اس کے اپنے ساحل سے ٹکرا رہی تھی۔

پھر بلونت نے زبان سے اظہار کا طریقہ چھوڑ کر ہاتھوں کی جنبش کو زبان دے دی۔ ایسی مانوس زبان جس کے مشکل الفاظ کے مفہوم اور معنی سمجھنے کی خاطر کسی لغت یا ڈکشنری کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ وقت کی مدھم رفتار اور گرم گرم سانسوں کی تیز گفتار ہی تمام گتھیاں آسان کرتی چلی جاتی ہے۔

کلونت نئی نویلی دلہن تھی، لیکن تجربے کار سکھیوں نے اسے سہاگ رات کی تمام اونچ نیچ اور باریکیوں سے آگاہ کردیا تھا۔ یہی تو ایک جذبہ ہے، جس کیلئے کسی اتالیق کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ وہ ابھی انہی مسحور کن جذبوں کے تیز دھارے میں ڈبکیاں کھا رہی تھی۔ جب دروازے پر تیز دستک کی آواز سن کر ایک دم سہم سی گئی۔ جلدی سے سنبھل کر اپنے آپ کو خود اپنی ہی نظروں سے چھپانے لگی۔

''اس وقت کون رنگ میں بھنگ کرنے آ گیا......'' بلونت لڑکھڑاتا ہوا اٹھا، لاچے کو جیسے

تپسے بدن پراڑس کر دروازے پر پہنچ کر بولا۔

''اوئے کون ہے بھئی......؟ کیا قیامت آ گئی ہے جو دروازہ توڑا جا رہا ہے......'' اس نے ناخوشگوار آواز میں پوچھا۔

''اوئے یار......اتنی جلدی بھول گیا اپنے لنگوٹیا کو......'' باہر سے رگھبیر کی سرگوشی سنائی دی، تو بلونت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''میں شاید صحیح وقت پر آ گیا......'' رگھبیر بلونت کے جسم پر صرف لاچہ دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''اچھا ہوا جو آدھے راستے پر ہی تجھ سے ملاقات ہوگئی، ورنہ تو دوسرے کنارے لگ گیا ہوتا......؟ جھوٹ تو نہیں کہہ رہا ہوں؟''

''واہگرو کی سوگند میرے یار......یہ کلونت بھی ایک تیز نشہ ہے......مجھے تیرا دھیان ہی نہیں آیا۔''

''اب کیا ارادہ ہے......؟''

''بلونت زبان کا دھنی ہے۔'' وہ سینہ ٹھونک کر بولا۔ ''مرد کی زبان ایک ہوتی ہے۔''

''جانی......'' رگھبیر نے لوہا گرم دیکھ کر بھرپور وار کرنے کی ٹھانی۔ ''تیرے ہی کارن میں کلونت کے سلسلے میں ایک طرف ہو گیا تھا ورنہ......تو جانتا ہے کہ میرے لئے تیس اور پچاس میں کوئی فرق نہیں تھا......میں دوستی کا حق نبھانے کے کارن تیرے راستے سے ہٹ گیا......اب میری باری ہے۔''

''اچھا کیا جو تو نے عین وقت پر ٹو اکھٹکھٹا کر مجھے بیدار کر دیا ورنہ......میں تو کلونت کے نشے میں ہوش و حواس ہی کھو بیٹھا تھا۔''

''سچ بول رہا ہے نا......؟'' رگھبیر نے اسے تجسّس بھری نظروں سے گھورا۔ ''جُل دینے کی کوشش تو نہیں کر رہا......؟''

''دو پیگ خوشی میں زیادہ چڑھا گیا تھا' اس لئے تیرا دھیان ہی نہیں رہا لیکن......لیکن......''

بلونت نے سینہ پر ہاتھ مار کر موچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا......''مرد کی زبان ایک ہوتی ہے۔ بلونت نے تجھے جو بچن دیا تھا اس کو ضرور پورا کرے گا۔''

''وہ......وہ......مان تو جائے گی......'' رگھبیر نے سرسراتے انداز میں سوال کیا۔

''نہیں کیسے مانے گی سالی......تیس ہزار دے کر خریدا ہے۔ اسے......'' بلونت نے لہرا کر

کہا۔ "مٹکے کی شراب کی کوئی کمی نہیں ہے پٹیالہ میں۔ گلی کوچوں میں عام ملتی ہے مگر...... تاڑ سے تازی تازی نکلتی ہوئی نیرا کا سواد ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اسی لئے روکڑا خرچ کر دیا سالی پر...... تمام زندگی گلے کا ہار کون بناتا ہے...... مہینے دو مہینے موج میلا کر کے ادنے پونے کسی کو بھیڑ دوں گا۔ پاؤں کی جوتی کو سر پر رکھنا ہماری شان کے خلاف ہے۔"

"بعد کی بعد میں سوچتے رہنا میرے یار۔" رگھبیر نے مطلب کی بات کی۔ "اس وقت کیا پروگرام ہے؟"

"بات کیا کرنی ہے......" بلونت بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "ہم نے ہمیشہ بانٹ کر کھایا ہے۔ اس بار تیرا نمبر ہے تو، تو چلا جا اندر...... تیری واپسی کے بعد میں بھی ہاتھ تاپ لوں گا۔"

"بلونت......" رگھبیر نے کہا۔ "وہ پنڈت بلبیر سنگھ کی چھوری ہے۔ آسانی سے ہاتھ نہیں رکھنے دے گی۔"

"تو نے بھی بھلی کہی......" بلونت ہنس پڑا۔ "تو خوامخواہ پنڈت سے ڈر رہا ہے، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے...... راس پر گرفت مضبوط رہے تو منہ زور گھوڑی بھی بدکنے سے کتراتی ہے۔ تو اس میدان کا نیا کھلاڑی تو نہیں ہے؟"

"تو میرا مطلب نہیں سمجھا......"

"چل...... تو سمجھا دے......"

"دھرم کرم والوں سے جھگڑا مول لینا ٹھیک نہیں ہوتا...... کلونت کور پالتو نہیں...... جنگلی ہرنی ہے۔ اگر اس کی زبان کھل گئی، تو ریاست میں ہم دونوں کا بھرم خاک میں مل جائے گا۔"

"مرد ہو کر ہیجڑوں جیسی بات کر رہا ہے۔" بلونت غصے سے بپھر کر بولا۔ "کیا مجال ہے اس کی جو ہمارے کسی حکم سے انکار کر دے۔ ٹانگ پر ٹانگ جما کر چیر کر رکھ دوں گا سالی کو......"

"میں اپنی نہیں تیری عزت کی وجہ سے ہچکچا رہا ہوں، ورنہ یہ بات تو بھی جانتا ہے کہ رگھبیر جنگلی اور منہ زور سانڈنیوں کو بھی دم ہلانے کا موقع نہیں دیتا۔"

"پھر...... کلونت سے کیوں ڈر لگ رہا ہے تجھے......؟" بلونت سنگھ نے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "جا...... جلدی جا اندر...... ورنہ پھر یہ نہ کہنا کہ بلونت نے دوستی نہیں نبھائی۔"

رگھبیر نے ایک لمحہ انتظار کیا، پھر بڑی گرمجوشی سے بلونت سے ہاتھ ملا کر اندر چلا گیا۔ بلونت کا نشہ ٹوٹنے لگا تھا۔ وہ جماہی لیتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس کا ذہن بدستور کلونت کور کے

گداز جسم کے نشیب وفراز کے تصور میں ڈول رہا تھا۔ وہ اس وقت کو مغلظات گالیاں دے رہا تھا، جب اس نے رگھبیر سے کلونت کے سلسلے میں آدھے ساجھے کی بات کی تھی۔ قطار میں لگ کر باری باری چیک کیش کرانے کا وعدہ کر بیٹھا تھا۔

بلونت اپنے ٹوٹے ہوئے نشے کو جوڑنے کی خاطر ایک لمبا پیگ تیار کر رہا تھا' جب اس کے ذہن میں ایک حساس نکتہ بڑی تیزی سے ابھرا۔ اس نے رگھبیر کے ساتھ مردوں والی جو بات کی تھی، وہ بہتی ندی میں ہاتھ دھونے کی تھی، لیکن کلونت بہتی ندی تو نہیں تھی۔ اس پر بند باندھنے کی خاطر تو بلونت نے تیس ہزار کی رقم داؤ پر لگا دی تھی۔ شادی کے بعد کلونت صرف اس کیلئے وقف ہو چکی تھی۔ اس کے انگ انگ پر صرف اور صرف بلونت کیلئے ''مخصوص اور محفوظ'' ہونے کا ٹھپا لگ چکا تھا۔ وہ بکاؤ مال نہیں تھی' جس پر آدھے ساجھے کی شرط لاگو ہوتی۔

بلونت کچھ سوچ کر تیزی سے اٹھا۔ وہ اپنی ''حق حلال'' کی پونجی کو رگھبیر کے ہاتھوں خرچ ہونے سے بچانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ کلونت کو اس طرح سینت کر رکھے گا کہ کسی کی ''میلی نظر'' اس کے شریر کو گندہ نہ کر سکے...... لیکن بلونت سنگھ کو ''ہوش آنے'' میں دیر ہو چکی تھی۔ سامنے سے رگھبیر کو تیز تیز قدم مارتا اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے ذہن میں ایک لمحے کو ہزاروں وسوسے جاگ اٹھے۔

کیا کلونت کی مانگ کے سیندور کا شوخ رنگ پھیکا پڑ چکا......؟

کیا مخصوص اور محفوظ کی تختی جس پر تیس ہزار کی لاگت آئی تھی ٹوٹ پھوٹ گئی......؟

کیا چڑھتی ندی کا وہ بند رگھبیر کے منہ زور ریلے سے ٹوٹ گیا' جو بلونت نے بڑے ارمانوں سے باندھا تھا......؟

کیا حق حلال کی پونجی پر ڈاکا پڑ چکا تھا......؟

بلونت کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا' جب رگھبیر نے قریب آ کر اپنی بکھری بکھری سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بلونت...... اس نے شاید ہماری بات سن لی تھی...... وہ...... وہ......''

''کس کی بات کر رہا ہے......؟'' بلونت نے رگھبیر کو غصیلی نظروں سے گھورا۔

''کلونت بھاگ نکلی میرے یار۔'' رگھبیر نے بلونت کے بازو تھام کر اسے جھنجوڑا۔ ''میں نے کونا کونا جھانک لیا ہے۔ وہ حویلی میں نہیں ہے۔''

کلونت کے بھاگ جانے کی خبر سن کر ایک پل کو بلونت سنگھ کا ماتھا شکن آلود ہوا' لیکن پھر کسی خیال سے وہ دیوانہ وار قہقہے لگانے لگا۔ "تو شاید میری بات کو مذاق سمجھ رہا ہے؟" رگھبیر نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "بات کو سمجھنے کی کوشش کر...... تیری انمول ہرنی رسی تڑا کر کہیں چمپت ہوگئی ہے......"

"جائے گی کہاں سالی۔" بلونت نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ "پنڈت بلبیر کے سوا اس کا دوسرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"لیکن......"

"زیادہ جلدی نہ دکھا......" بلونت نے دل ہی دل میں کلونت کے بچ نکلنے پر واہگرو کا شکر ادا کرتے ہوئے سرد آواز میں جواب دیا۔ "جا...... کسی کمرے میں لمبی تان کر آرام سے سوجا...... باقی صبح دیکھا جائے گا......"

❀❀❀

دوسری صبح بلونت سنگھ دیر سے جاگا۔ رگھبیر منہ اندھیرے ہی اپنے کام پر نکل گیا تھا۔ بلونت کو خوشی تھی کہ اس کی امانت پر کوئی حرف نہیں آیا تھا۔ دن چڑھے وہ بن سنور کر سسرال گیا، تو یہ جان کر پریشان ہوگیا کہ کلونت کو رباپ کے گھر نہیں پہنچی۔

"پھر...... وہ اور کہاں جا سکتی ہے......؟" بلونت نے عقلی گھوڑے دوڑانے شروع کردیئے۔

چار روز بیت گئے۔ بلونت نے پورا علاقہ کھنگال ڈالا' لیکن اسے کلونت کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ پانچویں روز وہ اپنی حویلی میں بیٹھا دانت پیس رہا تھا کہ سلوچنا آ گئی۔ بلونت اپنے اکھاڑے میں سلوچنا کے ساتھ بھی کئی فری اسٹائل کشتی لڑ چکا تھا' پھر اس کا دل بھر گیا۔ سلوچنا بھی اپنی مرضی کی مالک تھی...... ایک ہی پنجرے میں بند رہنا اسے بھی پسند نہیں تھا۔ اس نے بلونت کی نگاہوں میں بیزاری کے رنگ دیکھے تو گالم گلوچ سے دل کی بھڑاس نکال کر کسی اور ٹہنی پر آشیانے کی تلاش میں پھر سے اڑ گئی۔

"تو......" بلونت سنگھ نے سلوچنا کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ "آج ادھر کا راستہ کیسے یاد آ گیا؟"

"تجھ سے پرانی آشنائی ہے نا...... اسی کارن تیری خیر خبر پوچھنے آ گئی......" سلوچنا نے

چہک کر جواب دیا۔

''میں جانتا تھا میری بلّو......'' بلونت نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر چبھتے لہجے میں کہا۔ ''میرے سوا کوئی اور تجھے پورا نہیں پڑ سکتا......''

''مولوی چراغ دین کے اکلوتے چھورے علم دین کو کبھی غور سے دیکھا ہے۔'' سلوچنا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''اپنے علاقے میں اس جیسا کوئی بانکا اور گبرو جوان اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔'' سلوچنا ہونٹوں پر زبان لہرا کر بولی۔ ''تجھ سے پہلے میں نے اسی پر جال ڈالنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ اپنی جگہ سے ذرا ٹس سے مس نہیں ہوا......دھرم کرم کی باتوں کے سوا سب کچھ پاپ سمجھتا تھا۔ بڑا نیک اور کھرا نوجوان تھا......''

''اب کون سا روگ چٹ کر گیا اسے؟'' بلونت نے برا سا منہ بنایا۔ ''سلوچنا کے منہ سے اسے علم دین کی تعریف اچھی نہیں لگی۔

''سنے گا تو تتیا لگ جائے گی تجھے۔ بھنبیری کی طرح ناچنے لگے گا۔'' اس بار سلوچنا نے بڑی معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔

''بلّے بلّے......'' بلونت نے اسے چڑانے کی خاطر نفرت سے کہا۔ ''میں بھی تو سنوں کہ آج باسی کڑھی میں ابال کیوں آ رہا ہے......؟''

''دل تھام کر سن......'' سلوچنا کولھوں پر ہاتھ جما کر بولی۔ ''علم دین کلثوم کو لے کر سرحد پار کر گیا ہے۔ جانے سے پہلے خود چراغ دین نے دونوں کے ملاپ کے بول پڑھے تھے۔ دعائیں دے کر رخصت کیا ہے۔ اب دنیا میں اس کا کوئی اور نہیں رہا، مگر وہ بہت خوش ہے۔ علم دین نے جو نیک کام کیا ہے اس پر چراغ دین کو پچھتاوا نہیں...... بڑا مان ہے......''

''کلثوم......؟'' بلونت نے یوں ہی پوچھ لیا۔ ''یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''اتنی جلدی بھول گیا، کلونت کور کو......؟'' سلوچنا ہاتھ نچا کر بولی۔ ''نیلامی میں سب سے اونچی بولی تو نے ہی تو لگائی تھی مرد بن کر......''

''کیا مطلب......؟'' بلونت سنگھ چونکا۔

''علم دین نے کوئی پاپ نہیں کیا...... بڑے پُن کا کام کیا ہے۔'' سلوچنا نے کہا ''کلونت کو بھی ساجھے کی ہانڈی بننا پسند نہیں تھا...... وہ خوشی خوشی اپنی مرضی سے کلونت کور سے کلثوم بن کر علم دین کے ساتھ نیا گھر بنانے کے کارن تیری پہنچ سے بہت دور نکل گئی۔ میں کیول یہی سماچار سنانے

آئی تھی تجھے......ست سری اکال......"

سلوچنا کے جانے کے بعد بلونت سنگھ کے تن بدن میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ وہ "مرد" تھا۔ اس کی مردانگی کا جنازہ اٹھنے کی خبر پٹیالہ میں پھیلتی یہ بات اس کی "غیرت" کو گوارا نہیں تھی۔ سلوچنا کا ایک ایک جملہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔ اسی رات اس نے اپنے گرگوں کو بلا کر بڑی خاموشی سے ایک آخری فیصلہ کر ڈالا۔

دوسرے دن مولوی چراغ کی ادھڑی ہوئی لاش چیڑ کے درختوں کے جنگل میں پڑی پائی گئی اور سلوچنا جسم میں سانپ کا زہر پھیل جانے کی وجہ سے واہگرو کو پیاری ہوگئی...... ان دونوں کی موت کا آپس میں کیا سمبندھ تھا؟ یہ راز جاننے کی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی......!

پاکستانی وقار اعظم ڈیو ائٹ ڈاٹ کام

اُترن

مدھ پردیش میں بالاگھاٹ کی وہ نواحی بستی ڈیڑھ لاکھ کی آبادی پر مشتمل تھی، جہاں بھانت بھانت کے لوگ آباد تھے۔ بڑے بڑے ساہوکار بھی تھے۔ درمیانے درجے کے منشی بھی تھے اور نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کی بھی بھرمار تھی۔

اسی بستی میں گنیش دیوتا کے پرانے مندر کے عقبی چبوترے پر رمیش چندر جو چندرا کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا' اپنے چار موالی دوستوں کے ساتھ بیٹھا ان جھونپڑے نما کچے پکے مکانوں کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں سیٹھ ساہوکاروں کی سیوا کرنے والی نوکرانیاں اور اسی طبقے کے چھوٹے لوگ آباد تھے۔

چندرا چوبیس سال کا ایک گبرو جوان تھا۔ چوڑے چکلے سینے پر اگے ہوئے گھرے سیاہ بال. اس کی اجلی رنگت کی وجہ سے دور ہی سے نظر آتے تھے۔ وہ انسانوں کے اس گروہ کا نمائندہ تھا، جس میں قمیض کے بٹن بند رکھنے کا رواج نہیں ہوتا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بھی آدم خور شیر کی طرح چمکتی تھیں۔ دراز قد' گٹھا ہوا بدن' بڑے بڑے گھونگھریالے بال اور کسرتی جسم کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی نڈر اور بے خوف بھی تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو شریف انسان اور جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھنے والی شریف لڑکیاں اس کا راستہ کترا کر گزرنے کی عادی بھی نہ ہوتیں۔ چندرا کو غم جہاں کے علاوہ غمِ روزگار کی بھی کوئی فکر لاحق نہیں تھی۔ اس لئے کہ اس کے علاقے کے بیشتر دکاندار بڑی پابندی سے اس کا ماہانہ بھتہ ادا کرنے کے عادی بن چکے تھے۔

شروع شروع میں چندرا کو علاقے میں اپنی دھاک بٹھانے میں خاصی دشواری ہوئی تھی۔ ایک دو آدمیوں کو تشدد کا نشانہ بنا کر ہسپتال تک پہنچانا پڑا تھا۔ کئی بار آنکھیں لال پیلی کر کے کھٹکے

سے کھلنے والا رام پوری چاقو بھی نکالنا پڑا تھا۔ تین چار دکانوں کے تالے بھی اندھیری رات میں توڑنے پڑے تھے' پھر جب سکھیا' کپور' نرل اور گنیش جیسے آوارہ لڑکے بھی اسے استاد ماننے لگے، تو چندرا کی دہشت بھی بڑھ گئی۔ بھتے کی رقم بھی پابندی سے ملنے گی۔ سیٹھ ساہوکار بھی اس کے سائے سے پناہ مانگنے لگے۔

چندرا میں جہاں دس برائیاں تھیں' وہاں کچھ اچھائیاں بھی تھیں۔ اس نے کبھی چوری یا ڈاکے کی کوئی واردات نہیں کی تھی۔ کسی بندے کو پھڑکانے (جان سے مارنے) کے سلسلے میں بھی اس نے ہمیشہ محتاط انداز اختیار کر کے قتل جیسی سنگین واردات سے اپنا دامن بچا رکھا تھا۔ کسی مظلوم پر ظلم کرنا اس کے سنہری اصولوں کے سخت خلاف تھا۔ شراب اور جوئے جیسے دھندوں میں پڑ کر اس نے اپنی صحت اور شہرت کو داغدار کرنے کی غلطی بھی نہیں کی۔ غریبوں کے ساتھ وہ اور اس کے حالی موالی ہمیشہ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ پولیس اور قانونی معاملات سے بھی چندرا نے خود کو بہت سینت کر رکھا تھا۔ گنگولی کے سلسلے میں اسے ایک بار تھانے تک ضرور لے جایا گیا تھا، اس لئے کہ کبھی گنگولی بھی اس کی چنڈال چوکڑی کا پانچواں نمائندہ تھا۔

گنگولی جو ہمیشہ اپنے نام کو توڑ مروڑ کر ''گن'' اور ''گولی'' سے تعبیر کرتا تھا' ایک بار خود کو پکڑے جانے سے بچانے کی خاطر پستول کا استعمال کر بیٹھا تھا۔ وہ موقع واردات سے فرار ہونے میں تو کامیاب ہو گیا تھا، مگر بعد میں گرفتار ہو گیا۔ اسے ایک سال کی سزا بھی کاٹنی پڑی تھی۔ بات اگر ہوائی فائرنگ کی نہ ہوتی، تو شاید وہ پھانسی بھی چڑھ جاتا۔ بہر حال' چندرا کو بھی پولیس نے لوگوں کے بیان پر دھر لیا تھا' لیکن بعد میں اسے محلے والوں کے بیان کی روشنی میں ''باعزت'' رہائی مل گئی۔

اس واردات کے بعد چندرا نے گنگولی کو اپنی پارٹی سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی باقی چار ساتھیوں نے بھی گنگولی سے دوستی ترک کر دی تھی۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ہی چندرا میں کچھ برائیاں بھی تھیں۔ وہ ہر بری لڑکی اور عورت کو برے کام کیلئے استعمال میں لانے کا شوقین تھا۔ حسن پرست تھا' اس لئے سندر لڑکیوں کو دیکھ کر اس کی رال بھی ٹپکتی تھی' لیکن اس نے کبھی شریف لڑکی کی عصمت پر ''شب خون مارنے'' کی غلطی نہیں کی تھی۔ ماہانہ بھتہ وصول کرنے کی خاطر اسے جو کچھ کرنا پڑا وہ اس کی ضرورت تھی۔ ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اس کے دو وقت پیٹ بھرنے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اسے ملازمت

نہیں مل سکتی تھی اور کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر کے مالک کی بات بے بات پر ڈانٹ پھٹکار اور جھڑکیاں سنتا' شاید اس کی مردانگی کو بھی قبول نہیں تھا۔ دو وقت کا تندور بھرنے کی خاطر اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا۔ اس نے ''دادا گیری'' کو بطور پیشہ اپنا لیا تھا۔ اس کام میں کسی ڈگری یا سرٹیفکیٹ کی بھی کوئی چنتا نہیں ہوتی۔

چندرا کی دادا گیری کی مہورت بھی بستی کے ایک بڑے جگادری پنڈت شری نرنجن لال کے شبھ (مبارک) ہاتھوں نکلی تھی' جس میں اس کی اکلوتی بیٹی سندری کانتا کی ''اٹھتی جوانی'' کا دخل بھی شامل تھا۔

اس دن قسمت کی دیوی بھی چندرا پر مہربان تھی۔ اس نے رات گئے گھر لوٹتے وقت کانتا کو عین اس وقت رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا جب بستی کے ایک ساہوکار کا جوان بیٹا نریندر کمیٹی کے پارک میں لکروندے کی باڑ کی اوٹ میں چھپا کانتا سے اس کی ''جوانی کا خراج'' وصول کر رہا تھا۔ چندرا نے نریندر کو تو ہاتھ پاؤں جوڑنے' اپنی قیمتی گھڑی اور بٹوے میں موجود ساری رقم دینے کے بعد چھوڑ دیا تھا' لیکن کانتا بری طرح پھنس چکی تھی۔ چندرا نے اس موقع پر دور کی سوچ بچار کے بعد کانتا کی تمام بنتی اور موٹے موٹے آنسو بہانے کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔ اسے پکڑ کر سیدھا پنڈت نرنجن لال کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا' جو اپنی برادری کے پجاریوں کے سامنے ہمیشہ اونچے سروں میں بولنے کا عادی تھا۔

کانتا نے رو دھو کر اور مختلف طریقوں سے خود کو نردوش اور چندرا کو پاپی ثابت کرنے کا ڈھونگ رچانے کی کوشش کی' لیکن تجربہ کار پنڈت کانتا کی مسکی ہوئی چولی اور چہرے کی اڑتی ہوئی رنگت دیکھ کر معاملے کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ کانتا کے جانے کے بعد نرنجن لال نے بھی چندرا کے آگے ہاتھ باندھ کر اپنے بھرم' بھرم کی لاج رکھنے کی بنتی کی تو چندرا نے ایک دھرماتما کی پشت پناہی کو اپنے بھوش (مستقبل) کے تحفظ کی خاطر قبول کرتے ہوئے زبان بند رکھنے کا وچن دے دیا۔ یوں نریندر اور پنڈت کو مٹھی میں کر لینے کے بعد چندرا کو کھل کھیلنے کا موقع بھی مل گیا۔ وہ دونوں چندرا کی نیک نامی کے گن گانے کے ساتھ ساتھ آڑے وقتوں میں اس کی حمایت بھی کرتے رہے۔ جواب میں چندرا نے بھی ''کچھ دو اور کچھ لو'' کے اصول کو اپنا کر دوبارہ کبھی نریندر اور کانتا کے رنگ میں بھنگ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ آہستہ آہستہ چندرا کو اپنی دھاک بٹھانے کا موقع ہاتھ آ گیا تو اس کے جیون میں بھی ہینگ پھٹکری ملائے بغیر رنگ چوکھا آنے لگا۔ چار ہٹے کٹے چیلے

اور مل گئے تو اس کا جتھا بھی پورا ہو گیا۔

کانتا کا خون منہ لگ جانے کے بعد چندرا نے بستی کی کچھ بدنام عورتوں اور لڑکیوں سے سمبندھ بھی گانٹھ لیا۔ اس کے حالی موالی بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے لگے، لیکن چندرا کے من میں جو ہلچل بسنتی نے پیدا کر رکھی تھی اس نے چندرا کی راتوں کی نیند بھی اڑا رکھی تھی۔ بسنتی سیٹھ ساہوکاروں کے گھر میں برتن دھونے اور جھاڑ پونچھ کا کام کرنے والی ایک عام سی غریب لڑکی تھی، لیکن نیلی چھتری والے نے اسے جو رنگ روپ دان کیا تھا اس نے صرف چندرا ہی کو نہیں، بہت سارے نوجوانوں کو بھوکے جانوروں کی طرح زبان لپلپانے پر اکسا دیا تھا، لیکن چندرا کی بسنتی میں بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ کر کسی نے پیش قدمی کی بھول نہیں کی۔ خونخوار لکڑ بھگے بھی اس وقت کی راہ تک رہے تھے کہ پہلے شیر اپنا پیٹ بھر لے۔ بھوک مٹا لے پھر بعد میں وہ بھی اپنا حصہ وصول کرتے رہیں گے۔

وقت کے ساتھ ساتھ دوسروں کے علاوہ چندرا کے حالی موالیوں کی اشتہا بھی بڑھ رہی تھی۔ بسنتی جب تنگ چولی اور پنڈلیوں تک اونچا لہنگا پہن کر کولہے مٹکاتی، بل کھاتی، اپنی بھرپور اور الہڑ جوانی کے جلوے لٹاتی ان کے سامنے سے بے نیاز گزر جاتی تو سب کے سینوں پر سانپ لوٹ کر رہ جاتے۔

بستی کی دوسری لڑکیوں کی طرح بسنتی بھی چندرا کو پسند کرتی تھی، لیکن اس نے ہم جولیوں کی زبانی چندرا سے متعلق جو کہانیاں سن رکھی تھیں اس نے اسے محتاط کر رکھا تھا۔ سب سے پہلے روپا نے اسے خبردار کیا تھا۔

"چندرا سے بچ کر رہنا۔ وہ تیری گھات میں تاک لگائے بیٹھا ہے۔ جس دن تو اس کے ہتھے چڑھ گئی وہ اور اس کے ساتھی تجھے کچی کیری کی طرح بھنبھوڑ کر رکھ دیں گے۔"

"تجھے کیسے اندازہ ہوا کہ چندرا میرے پیچھے پڑا ہے؟" بسنتی نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "میں تو ہر روز گنیش دیوتا کے مندر کے راستے سے ہو کر گزرتی ہوں۔ چندرا اور اس کے ساتھ وہیں ڈیرا جمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ پر مجھے تو کسی نے کبھی کچھ نہیں کہا۔"

"تو ابھی نہیں سمجھے گی ان باتوں کو۔" روپا نے کسی جہاندیدہ عورت کی طرح دیدے مٹکا کر جواب دیا۔ "ابھی چندرا تجھے نگاہوں نگاہوں میں تول رہا ہے۔ کھوج رہا ہے کہ تو کتنے پانی میں ہے ورنہ تیرے جوبن کے نکھار نے تو اسے دیوانہ کر رکھا ہے۔"

''کیا مطلب؟'' بسنتی نے روپا کو سوالیہ نظروں سے گھورا۔
''چندرا میں بس ایک گن اچھا ہے جو وہ ابھی صرف نگاہیں سینکنے پر گزارا کر رہا ہے۔'' روپا نے مدھم آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا عادی ہے۔ ٹھہرے ہوئے پانی پر کنکری اچھالنا پاپ سمجھتا ہے۔''
''میں اب بھی نہیں سمجھی۔'' بسنتی نے جواب دیا۔ پھر جب روپا نے اس کے کانوں میں اپنے جملوں کی وضاحت کی تو بسنتی کسی چھوئی موئی کے پودے کی طرح خود اپنے وجود میں سمٹنے لگی۔ اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہوگئیں۔ کچھ دیر تک وہ پلکیں جھپکاتی روپا کو عجیب نظروں سے گھورتی رہی' پھر بولی۔
''تجھے ان باتوں کی خبر کیسے لگی؟''
''تجھے میری باتوں پر وشواس نہیں آتا تو کسی دن راستے میں رک کر خود چندرا سے اس کے من کا حال معلوم کر لے۔''
اس دن کے بعد سے بسنتی نے کئی بار پلکوں کی جھکی جھکی اوٹ سے روپا کی بات کی تصدیق کی تھی۔ جب بھی وہ مندر کے چبوترے کے سامنے سے گزرتی' چندرا اسے ٹکٹکی باندھے گھورتا رہتا۔ اس کے چاروں ساتھی بھی دل تھام کر رہ جاتے۔ بسنتی کسی دیوی کی طرح اس کے سامنے سے گزر جاتی۔ چندرا کسی بھگت کی طرح دیوی کے حسن سراپا ناز کی پوجا کرتا رہتا۔ نہ تو اس نے کبھی بسنتی کا راستہ روکنے کی کوشش کی' نہ ہی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی خاطر کوئی جملہ کسا' لیکن سکھیا' نرمل' کپور اور گنیش ہر بار بسنتی کی لشکارا مارتی جوانی کو دیکھ کر اس طرح حسرت بھری نظریں اٹھا کر آکاش کی طرف دیکھتے جیسے بھگوان سے پوچھ رہے ہوں کہ ''بلی کے بھاگوں چھینکا کب ٹوٹے گا؟ کب تک وہ ندی کنارے کھڑے ہو کر اس میں ڈبکی لگانے کے سپنے دیکھتے رہیں گے؟''

✿✿✿

آج تیسرا روز تھا جب چندرا اور اس کے ساتھی بسنتی کا درشن کرنے سے مایوس ہو رہے تھے' پھر جب سورج کافی چڑھ گیا تو کپور نے دبی زبان میں چندرا سے کہا۔
''گرو! مجھے تو ایسا جان پڑتا ہے کہ بسنتی بیمار ہوگئی ہے ورنہ تین روز تک بلاوجہ چھٹی کرنے والی بات سمجھ میں نہیں آتی۔''
''یہی بات ہوگی۔'' گنیش نے کپور کی ہاں ہاں میں ملائی۔ ''یہ سیٹھ ساہوکار سالے ایک نمبر

کے کنجوس مکھی چوس ہوتے ہیں۔ کام والی ایک دن سے زیادہ شکل گم کرلے تو اس کی پگار کاٹنے میں دیر بھی نہیں کرتے۔ گندی گندی گالیاں گھلوے میں سناتے ہیں۔"

"استاد!" گنیش خاموش ہوا تو سکھیا نے اپنا نمبر بڑھانے کی خاطر کہا۔ "تم کہو تو لپک کر بسنتی کی خیر خبر لے کر آ جاؤں؟"

"زیادہ چتر چالاک بننے کی کوشش مت کر!" چندرا نے اسے جھڑک دیا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تین دن سے تیرے اندر کیا کھلبلی ہو رہی ہے۔ ایک بات کان کھول کر سن لے! اگر تو نے کبھی بسنتی کو میلی نظروں سے دیکھنے کی کوشش کی بھی تو ہیجڑا بنا کر رکھ دوں گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ کیا سمجھا؟"

"سمجھ گیا استاد! سکھیا نے کان کو ہاتھ لگا کر مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میرا مطلب وہ نہیں تھا جو تم......"

"بکواس بند کر!" چندرا نے اسے دوبارہ جھڑکا۔ "میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں جو تیرے من کا چور بھی نہ پکڑ سکوں۔"

سکھیا سہم کر ایک طرف دبک گیا۔ کچھ دیر چبوترے پر سناٹا طاری رہا پھر نرمل نے ہمت کر کے کہا۔ "چندرا! تین روز پہلے ڈاکٹر کیلاش کی دھرم پتنی بھی ترلوک سدھار گئی ہے۔"

"پھر؟" چندرا نے نرمل کو جو اس کے نائب کی حیثیت اختیار کر چکا تھا' سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"بسنتی سب سے زیادہ ڈاکٹر اور اس کی پتنی کے گھر کا خیال رکھتی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ بھی مرنے والی کا سوگ منا رہی ہو۔"

چندرا کچھ سوچنے لگا تو سکھیا نے دبی زبان میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دھرم پتنی کی موت کے بعد تو ڈاکٹر کیلاش کا گھر اور جیون دونوں سُونا ہو گیا ہوگا۔ جوڑی بچھڑ جانے کے بعد اب اس بڑھاپے میں کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟"

"بس رہنے دے اپنی ہمدردی۔" گنیش نے سکھیا گھورا۔ "ڈاکٹر بھی ایک نمبر کا جھڑوس ہے۔ دو سندر سندر نرسیں رکھ چھوڑی ہیں اس نے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے ایک کے ساتھ اشارے بازی کرتے دیکھا ہے۔ کون جانے اندر ہی اندر پیچ بھی لڑاتا ہو۔ ہوسکتا ہے اسی دکھ میں اس کی لگائی نے دنیا سے رشتہ توڑ لیا ہو۔"

''تو سچ کہہ رہا ہے گنیش؟'' چندرا نے پرخیال انداز میں استفسار کیا۔

''تم کو میری بات کا وشواس نہ ہو استاد تو جب کہو اس کا ٹینٹوا دبا کر تمہارے سامنے گھسیٹ لاؤں۔'' گنیش نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اگر وہ کھوسٹ اپنی زبان سے اپنے پاپی ہونے کا اقرار نہ کرے تو جو چور کی سزا وہ میری۔''

''سنا تو میں نے بھی یہی ہے کہ ڈاکٹر اس عمر میں بھی دانہ چگنے کیلئے ادھر ادھر منہ مارتا رہتا ہے۔'' نرمل نے بھی گنیش کی بات کی تصدیق کی تو چندرا کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ کسی خیال کے تحت وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے کاٹنے لگا۔ اس کے ذہن میں بسنتی کا خیال تصور ہچکولے کھانے لگا۔

''اگر ڈاکٹر لنگوٹ کا کچا ہے تو پھر بسنتی کو اس کے گھر نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' شبے کا زہر چندرا کے وجود میں آہستہ آہستہ اترنا شروع ہوا۔ ''بسنتی کو اگر ڈاکٹر کیلاش سے ہمدردی نہیں تو پھر اس نے تین روز کا سوگ کیوں منایا؟ ایک گھر کے کارن اس نے باقی گھروں پر بھی نہ جانے کا فیصلہ کیوں کیا؟ دال میں کہیں نہ کہیں کچھ کالا ضرور ہے؟ جنس مخالف پر اپنی جوانی کا سکہ جمانے کی خاطر بازاروں میں ہنومانی کشتے اور فولادی گولیاں جگہ جگہ کھلے عام فروخت ہو رہی تھیں۔ کیلاش تو پھر ایک مستند ڈاکٹر تھا۔ اس کے پاس تو ایسے ہزاروں نسخے اور انجکشن ہوں گے، جس کے بل بوتے پر خود کو وقتی طور پر جوان بنا کر بڑھاپے کی آڑ میں گلچھرے اڑا رہا ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس کی گھر والی نے اپنے حق پر پڑنے والے ڈاکوں پر واویلا کیا ہو اور ڈاکٹر نے سلو پوائزن (SLOW POISON) دے کر اسے خاموشی سے رام رام ست ہے کر دیا ہو؟''

چندرا کے ذہن میں شکوک نے سر ابھارا تو رقابت کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ اب تک وہ بسنتی سے زیادہ سندر تتلیوں کو اپنے بازوؤں میں دبوچ چکا تھا۔ چھوٹے بڑے گھرانے کی متعدد حسین لڑکیاں اس کا پہلو گرمانے کی خاطر بے چین رہتی تھیں، لیکن چندرا نے کبھی ڈال پر لہراتی ''کچی کلی توڑنے'' کی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی یہی سمجھاتا تھا کہ پھول جب تک شاخ پر لہراتا ہے دور ہی دور سے اس کا نظارہ کرو۔ ڈال سے ٹوٹ کر بازار میں آ جائے پھر تمہارا اس پر پورا پورا ادھیکار ہے۔ چاہے اسے لگن منڈپ میں سجاؤ۔ حجلہ عروسی کی شوبھا بڑھانے کی خاطر استعمال کرو۔ چتا پر چڑھاؤ یا پھر من چاہے تو اس کا رس چوس کر گھورے پر پھینک دو۔

چندرا ابھی تک اپنے اصول پر کاربند تھا، لیکن بسنتی کے سلسلے میں اس کے اندر رقابت کے

جوالا مکھی سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنے لگا۔

"کس وچار میں گم ہو گئے گرو؟" کپور نے دبی زبان بھی چندرا کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے سوال کیا تو وہ اس طرح چونکا جیسے کسی نے اسے اندھیرے کنویں میں گرتے گرتے اچانک پیچھے سے دامن پکڑ کر گھسیٹ لیا ہو۔ اس کے سندر مکھ پر پسینے کے قطرے کندن کی طرح چھب دکھانے لگے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"تمہاری اطلاع کیلئے ایک اور بات بتا دوں۔" گنیش نے لوہا گرم دیکھ کر جلتی پر تیل چھڑکنے کا موقع ضائع نہیں کیا۔ سرسراتے لہجے میں بولا۔ "آج کل تو کانتا رانی بھی ڈاکٹر کے تجربے سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔"

"بے پر کی تو نہیں اڑا رہا؟" چندرا کے بجائے نرمل نے گنیش کو سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے؟" گنیش نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "پیاسا کنویں کے پاس نہیں جائے گا تو اور کہاں جائے گا؟"

"دو دن حاجت نہ ہو تو منش کا پیٹ بھی پھولنے لگتا ہے۔ بازار سے بروک لیکس (BROOK LAX) کی ٹکیاں خرید کر کے پیٹ ہلکا کرتا ہے۔ روپا رانی جو بار بار پیر بھاری کرتی ہے' اس کا بوجھ تو کوئی کھلاڑی دائی یا ڈاکٹر ہی دور کر سکتا ہے۔"

"بند کرو بکواس!" چندرا غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نرمل' کپور اور گنیش کی باتوں کو سن کر اس کی کنپٹیاں پھڑ پھڑانے لگی تھیں۔ اندر ہی اندر راکھ میں دبے انگاروں کی طرح سلگنے لگا' پھر کچھ کہے سنے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا مندر سے دور چلا گیا۔ اس کے چاروں ساتھیوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ کندھے اچکا کر حیرت کا خاموش اظہار کیا پھر وہ بھی اپنی اپنی راہ ہو لئے۔

❀❀❀

چندرا نے گنیش دیوتا کے پرانے مندر کی سمت جانا چھوڑ دیا۔ اس نے خود کو بستی کے خلاف کوئی اشتعالی قدم اٹھانے سے روکنے کی خاطر وہ راستہ ہی ترک کر دیا جہاں آگ اور پٹرول کا ساتھ کوئی دھماکہ کر سکتا تھا۔ وقت گزارنے کی خاطر اس نے دوسری پھلجھڑیوں سے کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ سنگی ساتھیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بھی کمی کر دی۔ وہ اپنی فطرت سے واقف تھا۔ یہ بھی سمجھتا تھا کہ ایک بجھتی ہوئی چنگاری بھی بارود کے ڈھیر پر گری تو دھماکے سے سب کچھ جل کر خاک

ہو جائے گا۔

بسنتی اس کا پیار تھی' دل کی ٹھنڈک تھی۔ وہ اس کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ دوست یاروں کی زبان پر تالے بھی نہیں ڈال سکتا تھا' اس لئے اس نے خود کو اپنی سرگرمیوں سمیت محدود کرلیا تھا۔ طیش اور غصے کی حالت میں وہ بسنتی کے سلسلے میں کوئی غلط قدم اٹھا لیتا تو خود اپنی نظروں میں بھی گر جاتا۔ سارے اصول دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ تالیاں بھی ایک ہاتھ سے بجنی شروع ہو جاتیں۔ وہ گرو ہو کر اگر اپنے آدرش سے منہ پھیر لیتا۔ سارے نیم توڑ دیتا تو اس کے حالی موالی بھی بے لگام ہو جاتے' پھر بستی میں کسی کمزور عورت کی عزت محفوظ نہ رہتی۔ گنگولی کو بھی اس کے خلاف انگلی اٹھانے کا موقع مل جاتا۔ آج وہ صرف بدمعاش مشہور تھا کل بستی والے اس کو آوارہ' بدچلن اور عیاش کے نام سے پکارتے تو اس کے لئے سینہ تان کر چلنا مشکل ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ بسنتی کا پیار بھی رسوا ہو جاتا۔ پیار جو گنگا جل کی طرح پوتر اور صاف ہوتا ہے۔

اس وقت بھی جب چندرا' سلوچنا کے اجلے بدن سے گنگا اشنان کر رہا تھا تو بسنتی کا دھیان ایک پل کو اسے تڑپا گیا۔ سلوچنا کی آنکھوں کی مستی بسنتی کا جل بھری آنکھوں سے ملتی تھی۔

''میں سمجھ رہی ہوں چندرا جانی کہ اس سمے تیرے اندر کیا اتھل پتھل ہو رہی ہے۔'' سلوچنا نے کسمسا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''کیا سمجھ رہی ہے تو؟'' چندرا نے چونک کر ایک لمحے کو اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ یوں جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

''بازی پوری کر لے پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' سلوچنا نے مچل کر چندرا کے بازوؤں میں سمٹنے کی کوشش کی' لیکن چندرا کا سارا نشہ جھاگ کی مانند بیٹھ چکا تھا۔ وہ سلوچنا کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا۔ اس کی سوالیہ نظریں بدستور سلوچنا کو زخمی درندے کی طرح گھور رہی تھیں۔

''تو نے ایک بار کہا تھا نا کہ میرے سندر نین......''

سلوچنا نے مستی کے عالم میں انگڑائی لے کر جملہ پورا کرنے کی کوشش کی' لیکن چندرا کا بھرپور تھپڑ اس کے گال پر پڑا تو ساری جان سے کانپ اٹھی۔

''کنجری!'' چندرا کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں۔ خوفناک انداز میں غرا کر بولا۔

''خبردار جو تیری گندی زبان پر کسی کا نام بھی آیا۔ سن رہی ہے' میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

سلوچنا بھنا کر رہ گئی۔ ایک تو چندرا نے اسے منزل کے قریب لا کر اس وقت پیاسا چھوڑ دیا تھا جبکہ ساحل دو چار ہاتھ لب بام رہ گیا تھا' پھر بسنتی کی خاطر اس کے گدرائے گالوں پر طمانچہ بھی جڑ دیا تھا۔ وہ تڑپ کر چارپائی سے نیچے اتری۔ جلدی جلدی گندے بدن کو اجلے کپڑوں سے ڈھانپا۔ منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتی دروازے تک تیز تیز قدم اٹھاتی گئی۔ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح کنڈی کو ایک جھٹکے سے کھولا' پھر ایک پل کو رکی' پلٹ کر چندرا کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔ زخمی آواز میں بولی۔

''جس کے کارن تو نے سلوچنا کو آج کنجری کہا ہے اب وہ بھی ستی ساوتری نہیں رہی۔ ساری بستی دیکھ رہی ہے کہ آج کل وہ ڈاکٹر کی چٹ پٹ ہو جانے والی گھر والی کے بدن کی اترن اپنے شریر پر سجائے مٹکتی پھر رہی ہے۔''

''سلوچنا!'' چندرا گرج اٹھا لیکن سلوچنا اس کی پوری بات سنے بغیر نفرت سے زمین پر تھوک کر کمان سے نکلے تیر کی طرح بل کھاتی کھلے دروازے سے باہر نکل گئی' مگر جاتے جاتے جو گندی گالی سنا کر گئی تھی وہ کسی کالے ناگ کے زہر کے مانند چندرا کے پورے وجود میں پھیل چکا تھا۔

دوسری صبح بسنتی کام پر جانے کیلئے پرانے مندر سے گزرنے لگی تو چندرا کو اپنے راستے میں سینہ تانے کھڑا دیکھ کر کسی معصوم فاختہ کی طرح سہم کر رک گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' چندرا کے ساتھ اسے دور دور تک نہیں نظر آئے۔

چندرا کی آنکھوں میں رقابت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ شیر کا شکار کوئی مریل گیدڑ ہڑپ کر جائے' یہ اس کی غیرت کو منظور نہیں تھا۔ بسنتی کے جسم پر بنارسی کام کی چھوٹے بوٹوں والی پرانی ساڑھی لپٹی دیکھ کر سلوچنا کے کہے ہوئے تلخ جملے گرم آندھی میں اڑنے والے ذرات کے مانند اس کے پورے وجود میں چبھنے لگے۔ عام حالات میں بسنتی کے سندر جسم پر بنارسی ساڑھی اور اسی رنگ کی پھنسی پھنسی تنگ انگیا دیکھ کر شاید وہ خوشی سے دیوانہ ہو جاتا' لیکن اس وقت چندرا کو بسنتی کا وجود اپنی غیرت کے بارود پر سلگتی چنگاری محسوس ہو رہا تھا۔ وہ غصے میں بھرا بسنتی کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ اس کے اندر جو لاکھی کا لاوا پھوٹ پڑنے کو بے چین تھا۔

بسنتی کچھ دیر اپنی جگہ سہمی سمٹی کھڑی رہی' پھر ہولے ہولے قدم اٹھاتی چندرا کے قریب جا کر مدھم لہجے میں بولی۔ ''آج تجھے میرا راستہ روکنے کا دھیان کس طرح آ گیا؟'' اس کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔ پیار جھلک رہا تھا۔

''تیرے شریر پر یہ کس کی اترن ہے؟'' چندرا نے بسنتی کے لب و لہجے پر غور نہیں کیا۔ رقابت کی آگ اسے رہ رہ کر جھلسا رہی تھی۔

''ڈاکٹر بابوئی سورگ باشی دھرم پت......تت......''

بسنتی اپنا جملہ پورا نہ کر سکی۔ اس کی توقع کے خلاف چندرا کا بھرپور تھپڑ اس کے پھول جیسے گال پر پڑا تو وہ ایک لمحے کو چکرا کر گرتے گرتے بچی' پھر اس نے خود کو سنبھال کر چندرا کی سرخ سرخ آنکھوں میں دور دور تک جھانکتے ہوئے کپکپاتی آواز میں تھم تھم کر مدھم آواز میں پوچھا۔

''چندر! تو نے مجھے......تھپڑ مارا......اپنی......بسنتی کو؟''

''سچ سچ بتا! تیرے شریر پر چم چم کرتی یہ ساڑھی کس کے شریر کی اترن ہے؟'' چندرا نے کرخت اور نفرت بھری آواز میں سوال کیا۔

''یہ......یہ اترن میری منہ بولی ماتا کی ہے۔'' بسنتی کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

چندرا کو ایسا لگا جیسے اس کی ساری مردانگی یکلخت زنگ آلود ہوگئی ہو۔ جیسے کسی نے تپتے ہوئے سرخ توے پر یکے بعد دیگرے پانی کے کئی چھینٹے مار کر اس کے اندر کی حدت کو دھویں میں تحلیل کر دیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے بسنتی کے سراپا کو بس دیکھتا رہ گیا۔

''چندر!'' بسنتی نے لرزتی کانپتی آواز میں بڑے وشواس سے نظریں جھکا کر کہا۔ ''اگر تجھے بھی ایک ماتا کے شریر کا لباس اس کی دو ٹکے کی بیٹی کے شریر پر اچھا نہیں لگا تو میں......میں تیرے کارن اسے اتار دوں گی۔''

''میرے کارن' کیوں؟'' چندرا نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں اب پہلی جیسی گھن گھرج نہیں تھی۔

''اس لئے......اس لئے کہ م......میں......تجھے اپنے من مندر کا دیوتا سمجھ کر نہ جانے کب سے پوجنے کی بھول کر رہی ہوں۔''

''بسنتی!'' چندرا ریشم کی طرح اچانک ہی نرم پڑ گیا۔ اس کی نظریں بسنتی کے سندر وجود پر کسی بھنورے کے مانند منڈلانے لگیں۔ دھیمے انداز میں بولا۔ ''لیکن......تو......تو نے......''

''تو نے بھی تو پہلے کبھی مجھے پیار سے اپنا سمجھ کر تھپڑ نہیں مارا؟'' بسنتی نے نظریں اٹھا کر شکوہ کیا۔ ''کبھی اس طرح میرے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنا ادھیکار جمانے کی بھول بھی

نہیں کی؟"

چندرا کے اندر آندھیوں کا طوفان ابھرنے لگا۔ کچھ سوچ کر آہستہ سے بولا۔ "میں نے کئی لوگوں سے سنا ہے کہ وہ...... وہ...... ڈاکٹر کیلاش...... بھلا مانس نہیں ہے۔"

"میں بھی جانتی ہوں چندر!" بسنتی نے پھر اسے بڑے خلوص سے صرف چندر کے نام سے مخاطب کیا۔ "میری منہ بولی ماتا بھی ڈاکٹر کے اسی روگ کو آخری سانس تک من ہی من میں چھپائے اس دھرتی سے سدھار گئی اور تو...... تو ابھی تک وہی راگ الاپ رہا ہے۔" بسنتی تڑپ کر بولی۔ "چندر! تو نے یہ کس طرح وچار کر لیا کہ کوئی پاپی پتا بھی کبھی اپنی پتری کے ساتھ شریر کا بندھن گانٹھ سکتا ہے؟" بسنتی اور بپھر گئی۔ "تجھے گنیش دیوتا کی سوگند! مجھے سچ سچ بتا دے کہ کس حرام کے جنے نے تیرے من میں بسنتی کے خلاف زہر بھرا ہے۔ میں اس کا خون پی جاؤں گی۔"

چندرا جواب میں پتھر کی مورتی بن گیا۔ وہ اُس ایک پل کو گندی گندی گالیاں بکنے لگا' جب سلوچنا کے ایک جملے نے اس کے اندر نفرت اور رقابت کے خطرناک جذبوں کا بیج بونے کی کوشش کی تھی۔

"چپ کیوں ہے چندر؟" بسنتی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "تو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟"

"مجھے شما کر دے بسنتی!" چندرا نے بسنتی کو پیار بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

"چندر!" بسنتی نے چندرا کو پہلی بار تیز لہجے میں مخاطب کیا۔ "شما تو میں نے گنگولی کو بھی کر دیا تھا' جس نے دو دن پہلے اکیلے میں میرا ہاتھ تھام کر یہی گندی گالی دی تھی' جو آج تو دے رہا ہے۔ اگر روپا اور وجنتی نہ آ جاتیں تو میں بھی لٹ جاتی۔"

"گنگولی!" چندرا کے وجود سے جیسے زہریلے کنکھجورے لپٹ گئے۔ گنگولی کا نام سن کر اس کی غیرت میں یکلخت خطرناک ابال آ گیا۔ "اس ماں کے خصم نے تیرا ہاتھ نہیں تھاما' اپنا موت کو آواز دی تھی۔" چندرا غصے میں بھرا جانے کے ارادے سے پلٹا تو بسنتی نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تجھے میری سوگند چندرا!" اس نے رندھی ہوئی آواز میں بنتی کی۔ "میرے کارن تو بھی اس پاپی کو شما کر دے۔ گندگی میں پتھر مارنے سے جو کیچڑ اچھلے گی وہ ہمارے اجلے دامن کو بھی داغدار کر دے گی۔"

''میرا راستہ کاٹنے کا دھیان من سے نکال دے بسنتی!'' چندرا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بڑے خونخوار لہجے میں کہا۔ ''تو نہیں سمجھے گی ان باتوں کو۔ آج چندرا نے نظریں جھکا کر چپ سادھ لی تو کل اس...... کو میرے سامنے نظریں اٹھانے کا حوصلہ بھی مل جائے گا۔ سینہ تان کر چلنا شروع کر دے گا۔''

''غصہ تھوک دے چندر!'' بسنتی نے ہاتھ جوڑ لئے۔ ''اگر تجھے کچھ ہو گیا تو پھر میں بھی......''

''آگے کچھ مت کہنا بسنتی!'' چندرا تڑپ کر چیخا۔ ''میں غیرت مند ہوں۔ کائر اور بزدل نہیں ہوں۔ میں نے گنگولی کی پاپی آنکھوں کو چہرے سے نکال کر اپنے پیروں تلے نہ روندا تو میری ماں کا دودھ بھی میرے اوپر حرام ہو جائے گا۔''

چندرا آندھی اور طوفان کی طرح پلٹ کر پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا بستی کی طرف چلا گیا۔ بسنتی کے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہونے لگیں۔ بڑی دیر تک وہ اپنی جگہ سہمی سمٹی کھڑی کچھ سوچتی رہی' پھر گھر کی سمت واپس لوٹ گئی۔

اسی شام یہ خبر پوری بستی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ کسی دشمن نے گنگولی کو اس کی دونوں آنکھوں سے محروم کر دیا۔ خود گنگولی نے بھی پولیس کو یہی بیان دیا تھا کہ وہ حملہ آور کو نہیں دیکھ سکا۔ شاید اسے اپنا جیون اپنی آنکھوں سے زیادہ پیارا تھا۔

پھر پندرہ دن بعد بسنتی اور چندرا کے لگن کی مہورت بھی بستی کے جگادری پنڈت شری نرنجن لال ہی کو اپنے شبھ ہاتھوں سے نکالنی پڑی تھی۔

❁❁❁

کھڑی فصل

چار پانچ جوڑوں کی پوٹلی سنبھالے وہ سٹیشن سے باہر نکل کر سفید رنگ کی لمبی سی چمچماتی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تو اسے یوں لگا جیسے وہ دھرتی سے چھلانگ مار کر نیلے آکاش تک پہنچ گئی ہو۔

گاڑی نے سٹیشن کے ہجوم سے نکل کر کشادہ سڑک پر دوڑنا شروع کیا تو وہ پھٹی پھٹی نظروں سے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ ہر چیز اس کیلئے بالکل نئی اور انوکھی تھی۔ گاؤں میں اس نے اپنی سکھیوں سے شہر کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن کھلی نظروں سے وہ پہلی بار ایسا سپنا دیکھ رہی تھی جس نے اس کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اونچی اونچی شاندار عمارتیں' کوٹھی' بنگلے' جگمگ کرتے بڑے بڑے شاپنگ مال' ایک سے ایک خوبصورت گاڑیاں' آزادی سے گھومتی ہوئی خوش پوش' سندر سندر لڑکیاں اور لڑکے۔ سب کچھ اسے عجیب سا لگ رہا تھا' جب اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے چاچا گوپال کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

‘‘شہر میں ایک بات کا خیال رکھنا لاڈو! یہاں بسنے والے گاؤں سے بڑے مختلف ہوتے ہیں اور......’’

‘‘کیا یہاں بھی لوگ مجھے ماں اور بابا کی طرح لاڈو کے نام سے پکاریں گے؟’’ لاڈو نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

‘‘نہیں پگلی!’’ گوپال اس کی انوکھی منطق سن کر مسکرا دیا۔ ‘‘وہ تو صرف میں تجھے پیار سے لاڈو کے نام سے پکاروں گا۔ باقی سب تو تجھے لاجونتی یا پھر لاجو کہیں گے۔’’

‘‘چاچا!’’ لاڈو نے اطمینان کا سانس لے کر پوچھا۔ ‘‘کیا یہاں سب کے پاس ایسی ہی چم چم کرتی گاڑی ہے جیسی تم ہانک رہے ہو؟’’

''بیڑا غرق!'' گوپال قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''یہ بیل گاڑی نہیں جسے ہانکا جاتا ہے۔ یہ گاڑی ہے جسے ڈرائیو کیا جاتا ہے۔''

''یہ تیری اپنی ہے ناں؟'' لاڈو نے نرم سیٹ پر خود کو قدرے اچھال کر ہچکولا کھاتے ہوئے سوال کیا۔

''کیوں دیوانوں جیسی باتیں کر رہی ہے؟'' گوپال نے کہا۔ ''میں جہاں نوکری کرتا ہوں یہ ان صاحب لوگوں کی گاڑی ہے۔ ہم جیسے نوکر چاکر تو بس میں یا پھر کرائے کی سواریوں میں سفر کر کے گزارا کرتے ہیں۔''

''چاچا! مجھے یہاں نوکری تو مل جائے گی ناں؟'' لاڈو نے یکلخت سنجیدگی اختیار کر لی۔

''ابھی تو سٹیشن سے نکل کر گھر بھی نہیں پہنچی اور نوکری کی چنتا تجھے لگ گئی۔''

''تو نہیں جانتا چاچا!'' لاڈو نے اداس لہجے میں جواب دیا۔ ''بابا ابھی تک بیاج بھی ادا نہیں کر سکا۔ اصل تو اپنی جگہ باقی ہے۔ زمیندار کا منشی ہر مہینے بابا پر پاگل کتے کی طرح غراتا ہوا آ جاتا ہے۔ اس بار کہہ گیا تھا کہ اگر فصل تیار ہونے سے پہلے ایک ایک دھیلا چکتا نہ کیا تو زمیندار کے مسٹنڈے کھڑی فصل کے ساتھ ہماری زمین پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ منشی کی نظر تو ہمارے مکان پر بھی لگی ہوئی ہے۔''

''میں سب جانتا ہوں لاڈو!'' گوپال نے سانس بھر کر کہا۔ ''تو چنتا مت کر۔ ایشور نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے یہاں تیری نوکری کی بات پکی کر لی ہے۔ ہمارے سیٹھ صاحب بڑے دیالو اور بھلے مانس ہیں۔ تو ایک مہینے وہاں من لگا کر کام کر لے تو میں ان سے ایڈوانس بھی مانگ لوں گا۔ اوپر والے کی دیا سے سب ٹھیک ہو جائے گا...... تو دو چار روز آرام کر لے پھر میں تجھے سیٹھ صاحب کی کوٹھی پر لے جا کر ان کی گھر والی سے بھی ملوا دوں گا۔ مالک کی طرح وہ بھی دل کی بہت نرم ہیں۔ تو نے ان کا من موہ لیا تو پھر تمام دلدّر دور ہو جائیں گے۔ دو لڑکیاں بھی ہیں سیٹھ صاحب کی۔ ارملا اور نرملا۔'' گوپال' لاڈو کو تفصیل بتانے لگا۔ ''ارملا بڑی نیک اور سیدھی سادی لڑکی ہے' لیکن نرملا چھوٹی ہونے کے کارن کچھ نت کھٹ اور چلبلی ہے۔ ماں باپ کی لاڈلی بھی ہے۔ گھر میں نوکر چاکر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ دونوں لڑکیوں کی سیوا کرے گی اور دھیان سے کام کرے گی تو تیرا دل بھی بہل جائے گا۔''

''کیا سیٹھ جی کا کوئی لڑکا نہیں ہے؟''

"نرملا کے بعد بھگوان نے سیٹھانی کی گود ہری تو کی تھی لیکن دو سال بعد اس کا دیہانت ہو گیا۔ نیلی چھتری کے مالک کے آگے کس کا زور چلتا ہے۔"

"چاچا!" لاڈو نے کسمسا کر مدھم آواز میں پوچھا۔ "مجھے سب کی سیوا کرنے کے بعد ہر ماہ کتنے پیسے ملیں گے؟"

"تجھے کیا کھوج ستا رہی ہے؟" گوپال سپاٹ آواز میں بولا۔ "میں تیرا سگا ہوں کوئی غیر نہیں۔ تو اپنے کام سے کام رکھنا۔ مالک اور مالکن کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر بیٹھنا۔ رات دن تجھے انہی کے بیچ رہنا ہے اس لئے اپنی زبان کو لگام دیئے رکھنا۔ باقی میں جانوں اور تیرا بابا۔"

گوپال چاچا کا روکھا جواب سن کر لاڈو نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ گوپال چاچا اور اس کے بابا کے درمیان کوئی خونی سمبندھ نہیں تھا' لیکن دونوں کے بیچ گہری دوستی بڑی پرانی تھی۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے رہے تھے۔ اگر بات وشواس اور بھروسے کی نہ ہوتی تو بابا اسے تنہا شہر میں گوپال چاچا کے حوالے بھی کبھی نہ کرتا!

لاڈو کی عمر صرف تیرہ سال تھی' لیکن گاؤں کی کھلی فضا میں خالص گھی کھا کر بے فکری سے پلی بڑی تھی' اس لئے کاٹھی کے اعتبار سے وہ اپنی عمر سے دو تین سال بڑی ہی لگتی تھی۔ دن بھر کھیتوں میں ہم عمر سکھیوں کے ساتھ ہرنی کی طرح کلیلیں کرتی پھرتی۔ ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی تھی' اس لئے کوئی کہنے سننے والا بھی نہیں تھا۔ ماں کی بات وہ ایک کان سے سنتی' دوسرے کان سے اڑا دیا کرتی۔ باپ کے لاڈ پیار نے اسے منہ زور بھی بنا دیا تھا' پھر ایک روز اسے اس کی سب سے چہیتی سہیلی چمپا نے تنہائی میں کچھ ایسی باتیں بتا دیں جسے سن کر لاڈو ہکا بکا رہ گئی۔ چمپا اس سے عمر میں پانچ سال بڑی تھی۔ زیادہ تجربے کار تھی۔

"تو سچ کہہ رہی ہے چمپا؟" پہلی بار اس نے بڑی سنجیدگی سے چمپا کو وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"ہاں لاڈو! میں تجھ سے جھوٹ کیوں بولوں گی؟"

"پر...... بابا یا ماں نے تو مجھے یہ بات کبھی نہیں بتائی کہ رگھوبیر سے میری بات پکی ہو چکی ہے۔" لاڈو نے خلا میں دور تک جھانکتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی یہ بات دو روز پہلے ماں نے بتائی ہے۔" چمپا نے لاڈو کی معلومات میں اضافہ

کیا۔ ''یہ بھی سنا ہے کہ چاچا تجھے نوکری چاکری کیلئے شہر بھیج رہا ہے۔ منشی نے زمیندار کا قرضہ چکانے کی خاطر تیرے بابا پر بڑا دباؤ جو ڈال رکھا ہے۔''

''شہر کی بات چھوڑ لیکن یہ رگھو......'' لاڈو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیوں؟'' چمپا نے اسے چٹکی بھری۔ ''کیا رگھو بیر تجھے پسند نہیں ہے؟''

''تجھے پسند ہے؟'' لاڈو نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''برائی کیا ہے اس میں۔ اچھا خاصا ہٹا کٹا گبرو جوان لگتا ہے۔''

''تو پھر تو کر لے اس کے ساتھ لگن۔'' لاڈو نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔ ''تو بھی تو سانڈنی بنی کسی کھونٹے سے بندھنے کیلئے بیاکل رہتی ہے۔''

''شہر جا کر اپنی چمپا کو بھول مت جانا۔'' چمپا نے اس کی بات کا برا ماننے کے بجائے پیار سے لپٹا کر کہا۔ ''تیری یہی کھٹی میٹھی اور کڑوی کسیلی باتیں تو مجھے بہت یاد آئیں گی۔''

''میں کون سا سارا جیون بتانے جا رہی ہوں۔'' لاڈو کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ ''سال دو سال میں للیتا' راگنی' بیلا اور سندھیا کی طرح میں بھی بابا کیلئے کچھ دھن دولت جمع کر کے واپس آ جاؤں گی۔ میرا کوئی بھائی ہوتا تو یہ سیوا میری جگہ اسے کرنی پڑتی۔''

''ایک گر کی بات بتا رہی ہوں تجھے۔'' چمپا نے ادھر ادھر دیکھ کر بڑی رازداری سے کہا۔ ''شہر جا کر جہاں بھی کام کرنا اپنی آنکھیں کھلی ہی رکھنا۔''

''کیوں؟''

''سنا ہے کہ وہاں کے مرد ایک نمبر کے چنٹ اور بڑے دھوکے باز ہوتے ہیں۔ پہلے تو سیدھی سادی لڑکیوں سے پریم کا ڈھونگ رچاتے ہیں پھر اپنا مطلب نکل جانے کے بعد طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔''

''تجھے کس نے بتائیں یہ باتیں؟'' لاڈو کے اندر کا تجسس جاگ اٹھا۔

''میں نے سوگند اٹھائی ہے اس لئے اس کا نام نہیں لوں گی۔'' چمپا نے کھرا جواب دیا تو لاڈو اس کے اور قریب کھسک گئی۔

''چل نام نہ بتا' یہ تو اگل دے کہ اس نے بتایا کیا تھا؟''

''رام رام! میرے تن بدن میں تو کہتے ہوئے بھی سنسنی دوڑ جاتی ہے۔'' چمپا دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔ ''بتانے والی نے یہی کہا تھا کہ شہر کے نوجوان مسٹنڈے پہلے تو مکڑی کی طرح

جال بن کر بڑے مکر سے شکار پھنساتے ہیں' پھر کپڑے کی طرح اچھی طرح نچوڑنے کے بعد جیون کی الگنی پر لٹکا کر بھول جاتے ہیں۔"

"جس نے تجھے یہ بات بتائی کیا اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا؟" لاڈو نے چمپا کو ہلکا سا ٹھونگا مارتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

"نہ ہوا ہوتا تو مجھے جھوٹ کیوں بتاتی؟" چمپا نے کہا۔ "وہ تو اس غریب کے بھاگ اچھے تھے کہ گاؤں آتے ہی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا ورنہ...... غبارے میں بھرتی ہوا سب کو نظر آ جاتی...... بھگوان کوڑھی کرے اس کم ذات کو جس نے پاپ کا بیج بویا تھا۔"

لاڈو اتنی بھولی بھی نہیں تھی کہ چمپا کی دی ہوئی مثال کا مطلب نہ سمجھتی' لیکن اس کے بعد اس نے اس موضوع پر دوسری کوئی بات نہیں کی۔ کچھ دیر چمپا کے ساتھ بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی' پھر اٹھ کر گھر واپس آ گئی۔ اس رات اس نے سپنے میں پہلی بار پنگھٹ پر کپڑا دھوتے رگھوبیر کو ایک درخت کی اوٹ سے چوری چوری اپنی طرف تانکا جھانکی کرتے دیکھا تو لجا کر رہ گئی۔ ایک لمحے کو وہ چونکی پھر دوبارہ کروٹ لے کر اپنے خوابوں میں گم ہو گئی۔

گاڑی اچانک رکی تو لاڈو خوابوں کی وادیوں سے نکل کر اپنی دنیا میں واپس آ گئی۔

"چل اتر جلدی سے۔" گوپال چاچا نے نیچے اترتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "تجھے کوارٹر میں چھوڑ کر ابھی مجھے سیٹھ صاحب کو لینے ان کے دفتر بھی جانا ہے۔"

لاڈو جلدی سے کپڑوں کی گٹھری کو سنبھالتے ہوئے نیچے آ گئی۔ اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ ایک نیم پختہ سڑک کے دونوں طرف بنے ہوئے ایک کمرے پر مشتمل کھولی نما چھوٹے چھوٹے کوارٹروں کے درمیان کھڑی تھی۔ گوپال نے گاڑی روک کر اپنے کوارٹر کا تالا کھولا تو لاڈو خاموشی سے سر جھکائے اس کے ساتھ اندر چلی گئی' جہاں گھٹن کا احساس بھی اسے بڑی شدت سے ہوا تھا۔

"اب تو کچھ دیر آرام کر لے۔ اس کے بعد اٹھ کر کوارٹر کو اندر سے بھی دیکھ لینا۔ اس کمرے کے باہر چھوٹا سا کچا آنگن ہے۔ ساتھ ہی رسوئی بھی ہے' جہاں کھانے پینے کا سامان دھرا ہے۔ من چاہے تو اپنے لئے چائے بھی بنا لینا' لیکن ایک بات کا دھیان رکھنا۔ جب تک میں واپس نہ لوٹوں کوارٹر کی کنڈی لگائے رکھنا۔ ویسے تو سب میرے جان کار ہیں' لیکن احتیاط پھر بھی ضروری ہے۔"

گوپال اسے ضروری ہدایت دے کر چلا گیا تو لاڈو نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی'

پھر کوارٹر کو پوری طرح گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں ایک آدمی کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی' لیکن کمرا صرف ایک تھا' جس میں ایک ہی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ لاڈو کے ذہن میں بے شمار سوالات گڈمڈ ہونے لگے' لیکن سفر کی تکان کی وجہ سے کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے تھکے تھکے انداز میں چارپائی پر گر کر آنکھیں موند لیں۔ گاؤں کی کھلی فضا' ماتا پتا سے دوری کا احساس اور سکھیوں کی پیاری پیاری باتیں کچھ دیر اس کو ستاتی رہیں' پھر نیند کا ایک جھونکا آیا اور اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر وقتی طور پر ہر فکر سے بے نیاز کر گیا۔

گوپال رات گئے گھر واپس لوٹا تو گرما گرم کچوری کے ساتھ آلو کی بھجیا اور آم کا اچار بھی ساتھ تھا۔ لاڈو بھاگ کر رسوئی سے دو پلیٹیں لے آئی۔ دونوں نے ایک ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا۔

''تجھے میرے پیچھے ڈر تو نہیں لگا؟'' گوپال نے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' وہ کھٹے اچار کا چٹخارا لیتے ہوئے بولی۔

''میں نے سیٹھ صاحب سے تیرے آنے کا ذکر کر دیا تھا۔ انہوں نے فون پر سیٹھانی کو بھی خبر کر دی' پھر جانتی ہے کیا ہوا؟''

''کیا ہوا؟''

''سیٹھانی نے تجھے کل صبح ہی سے بلایا ہے۔''

''اچھا۔'' لاڈو نے خوشی کا اظہار کیا' پھر سنجیدگی سے پوچھا۔ ''چاچا! مجھے وہاں کام کیا کرنا ہوگا؟''

''اس کا فیصلہ سیٹھانی تجھے دیکھ بھال کر کرے گی۔ پر تو گھبراتا نہیں۔ من لگا کر جو کہا جائے وہ کرنا۔ ایشور کی کرپا ہوئی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

گوپال دن بھر کا تھکا ماندا آیا تھا' اس لئے کھانا کھا کر اس نے چادر اٹھائی اور کمرے سے باہر جا کر چھوٹے سے ورانڈے میں ٹوٹے پھوٹے تخت پر ٹانگیں پسار کر سو گیا۔ لاڈو نے سکون کا سانس لیا' وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کہیں اسے ایک ہی جھلنگی چارپائی پر گوپال چاچا کے ساتھ سونا پڑا تو وہ کس طرح انکار کر سکے گی۔

دوسرے دن گوپال چاچا ڈیوٹی پر گیا تو لاڈو بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ سویرے سویرے ہی اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر اچھے کپڑے پہن کر تیار ہو گئی تھی۔ راستے بھر اس کا دل ڈانواں ڈول ہوتا رہا۔

طرح طرح کے وسوسے اس کے ذہن کو پریشان کرتے رہے' لیکن جب وہ محل نما کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد سیٹھانی کے سامنے پیش ہوئی تو اس نے خود کو بہت سنبھال لیا تھا۔ سیٹھانی اسے پہلی ہی نظر میں بہت اچھی اور پیاری لگی۔ بالکل گاؤں کی موسی چتر اوتی کی طرح' جو چھوٹے بڑے سب سے ٹوٹ کر پیار کرتی تھی۔ دل سے چاہتی تھی۔ سب کے دکھ درد میں شریک رہتی تھی۔

"نام کیا ہے تیرا؟" سیٹھانی نے پہلا سوال کیا تو اس نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔

"لاجونتی...... لیکن گوپال چاچا' ماں اور بابا لاڈو کہہ کر پکارتے ہیں۔" وہ روانی میں کہہ گئی۔

"پہلے بھی کہیں کام کیا ہے؟"

"نہیں۔" لاڈو نے سہم کر جواب دیا' پھر مجسم التجا بن کر بولی۔ "لیکن آپ جو کام بھی کہیں گی میں نا نہیں کروں گی۔"

سیٹھانی کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ ایک بنی سنوری جوان اور سندر سی لڑکی سامنے آ گئی۔ اس نے ایک نظر لاڈو کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر ماں سے بولی۔

"یہ کون ہے؟"

"گوپال گاؤں سے لایا ہے۔" ماں نے ارملا کو بتایا۔ "اس کے کسی تگے والے کی بیٹی ہے۔"

"تمہارا نام لاڈو ہے نا۔" ارملا نے براہ راست لاجونتی کو مخاطب کیا۔ اس کے انداز سے پیار ہی پیار چھلک رہا تھا۔

"جی' نام تو میرا لاجونتی ہے پر وہ چاچا......"

"ٹھیک ہے' میں تمہیں لاجو کہوں گی' پیار سے۔" ارملا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "اب تو ٹھیک ہے۔"

لاڈو اثبات میں سر کو جنبش دے کر رہ گئی۔

"ماں! لاجو صرف میرا کام کرے گی آج سے...... ڈن!"

لاڈو کا دل خوشی سے جھوم اٹھا' لیکن وہ "ڈن" کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔

"یہ میری بڑی بیٹی ارملا ہے۔" سیٹھانی نے تعارف کرایا۔ "چھوٹی کا نام نرملا ہے اور......"

"تمہیں صرف میرے تمام کام کرنے ہیں اور بس۔"

ارملا نے گویا فیصلہ سنا دیا' پھر لاڈو کی قسمت جاگ اٹھی۔

ارملا سے ہاتھ تھام کر بے تکلفی سے اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی۔ ایک پیارا مگر قیمتی جوڑا اسے پہننے کو دیا۔ جب نہا دھو کر وہ چم چم کرتے لباس میں خود بھی چمچماتی ہوئی لجاتی' شرماتی دوبارہ ارملا کے سامنے سر جھکائے آئی تو ارملا نے اپنی خوشی کے اظہار میں کوئی کنوتی نہیں کی۔ مسکرا کر بولی۔

''بیوٹی فل! بڑی سندر اور پیاری لگ رہی ہو لاڈو' آئی مین لاجو!''

''آپ مجھے پیار سے لاڈو کہیں تو بھی چلے گا۔'' لاڈو معصومیت سے بولی۔

''اور کوئی پرش ذات لاڈو کہے تو؟'' ارملا نے اسے کھوجنے کی کوشش کی۔

''تو...... تو مجھے اچھا نہیں لگتا' اس لئے کہ وہ......'' وہ اس کے آگے اپنا معنی نہ بتا سکی۔ نظریں جھکا کر رہ گئی۔

''ٹھیک کہا تم نے۔'' ارملا نے بے تکلفی سے جواب دیا پھر کھل کر اسے اپنے ضروری کام سمجھانے لگی۔

لاڈو کا پہلا تجربہ بے حد کامیاب رہا۔ ارملا اسے بالکل اپنی اپنی سی لگی۔ اس کے رکھ رکھاؤ سے لاڈو کو کسی اجنبیت یا غیریت کا احساس نہیں ہوا۔ دو تین گھنٹوں میں وہ اس طرح ارملا سے گھل مل گئی جیسے برسوں سے جانکاری ہو۔ ارملا نے اسے سرونٹ کوارٹر کے بجائے اپنے کمرے کے قریب ہی ایک کشادہ سائیڈ روم میں جو بطور اسٹور استعمال ہو رہا تھا' رہنے کی جگہ دے دی تو لاڈو خوشی سے پھولی نہیں سمائی' ورنہ گاؤں سے چلتے وقت تو چمپا نے یہ کہہ کر بری طرح ڈرایا تھا کہ ''لاڈو رانی! ملازموں کے کوارٹر میں بھانت بھانت کے نوکر چاکر رہتے ہیں۔ ان سے بچ کر رہنا۔ تو نے ایک کو بھی ڈھیل دی تو پھر سب پیچ لڑانا شروع کر دیں گے' پھر گدھ کی طرح تیرے شریر کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالیں گے۔ سانجھے کی ہنڈیا بن کر رہ جائے گی......'' ارملا کی مہربانی نے جیسے اسے اپنا بنا لیا تھا' لیکن اس کے بعد جب نرملا سے اس کی پہلی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

''یہ کپڑے اس جنگلی کو کس نے دیئے ہیں؟'' اس نے لاڈو کو گھورتے ہوئے ارملا سے پوچھا۔ ''کون ہے یہ؟ تمہارے روم میں کیا کر رہی ہے؟''

''گوپال گاؤں سے لایا ہے اسے۔'' ارملا نے بتایا۔ ''میں نے اسے کام کیلئے رکھ لیا ہے۔ کپڑے بھی میں نے ہی دیئے ہیں۔''

''اتنے لاڈ پیار سے رکھو گی تو چار دنوں میں اس دیہاتن چھوکری کا دماغ خراب ہو جائے

گا۔" نرملا نے ناک بھوں چڑھائی۔ "اپنی اوقات بھول جائے گی۔"

"بری بات ہے نرملا!" ارملا نے بہن کو ٹوکا۔ "آخر ہم گوپال کو بھی تو گوپال چاچا کہتے ہیں۔"

"وہ اور بات ہے۔" نرملا نے برا سامنہ بنا کر لاڈو کو تنقیدی نظر سے گھورا پھر کندھے اچکاتی واپس لوٹ گئی۔

"تم نرملا کی کسی بات کا برا نہ منانا۔" ارملا نے لاڈو کو سمجھایا۔ "اسے ڈیڈی ممی کے لاڈ پیار نے سر چڑھا کر رکھا ہے لیکن دل کی بری نہیں ہے۔"

"آپ چنتا نہ کریں۔" لاڈو نے سہمی سہمی آواز میں کہا۔ "میں اپنے کام سے کسی کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ گوپال چاچا نے مجھے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔"

"میں بھی تو سنوں اور کیا سمجھایا ہے؟" ارملا نے بوجھل فضا میں اپنی آواز کی مٹھاس کا رس گھولنے کی کوشش کی۔

"یہی کہ مالک لوگ پیار کرتے ہیں تو سخت سست کہنا بھی ان کا ادھیکار ہوتا ہے۔" نہ جانے کس خیال سے لاڈو کی خوبصورت آنکھیں چھلک اٹھیں۔ ارملا کے پاؤں تھام کر رندھی آواز میں بولی۔ "میں وچن دیتی ہوں کہ سب کی سیوا من لگا کر کروں گی۔ کسی کے سامنے نظریں اونچی کرنے کی بھول بھی نہیں کروں گی۔"

"پگلی!" ارملا نے گھسیٹ کر اسے اپنے پیروں سے لپٹا لیا۔ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔ "پریشان مت ہو میں سمجھا دوں گی نرملا کو۔ کوئی تجھے کچھ نہیں کہے گا۔"

پھر وقت کے ساتھ ساتھ لاڈو کے ساتھ نرملا کے برتاؤ میں بھی تناؤ اور کھنچاؤ کی کیفیت بتدریج کم ہونے لگی۔ لاڈو نے بھی خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسے نرملا دل سے بھلی نہیں لگی تھی۔ بڑی خودسر اور خود کو لئے دیئے رہنے کی عادی تھی۔ دوسرے نوکر چاکر بھی اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ سیٹھ اور سیٹھانی کے لاڈ پیار نے اسے سر چڑھا کر رکھا تھا۔ وہ زمین کے بجائے آکاش پر قدم رکھ کر چلنے کی عادی تھی۔ جو اس کے من میں آتا وہی کرتی۔ ارملا کے مقابلے میں فیشن بھی ضرورت سے کچھ زیادہ کرتی۔ اس کی گاڑی بھی الگ تھی جسے وہ خود چلاتی۔ ڈرائیور صرف گاڑی کی دیکھ بھال اور صفائی کرنے کی حد تک محدود تھا البتہ کبھی کبھی ارملا اسے پچھلی سیٹ پر بٹھا کر اپنے ساتھ بھی لے جایا کرتی، خاص طور سے کالج جاتے

وقت۔

دس پندرہ دن خاموشی سے بیت گئے' پھر ایک دن جب ارملا ماں کے ساتھ شاپنگ کیلئے بازار گئی ہوئی تھی تو نرملا نے لاڈو کو اپنی ادھیڑ عمر کی ملازمہ اوشا کے ذریعے اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ اپنے قیمتی اور نرم گرم بستر پر بڑی بے ترتیبی کی حالت میں اوندھی لیٹی کوئی انگریزی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ لاڈو نے رسالے پر ایک انگریز عورت کی نیم عریاں تصویر چھپی دیکھی تو شرما گئی۔ خود نرملا بھی اس طرح لیٹی تھی کہ ڈھیلے ڈھالے لباس نے سرک سرکا کر اس کی گول گولی گوری پنڈیوں کو گھٹنے تک بے نقاب کر رکھا تھا۔ بڑے گلے کی قمیص کے اندر سے اس کا جسم بھی جھانک رہا تھا۔ لاڈو کو ایک پل کیلئے اپنا گلا خشک ہوتا محسوس ہوا۔ اس کا دل چاہا الٹے قدموں واپس لوٹ جائے' لیکن نہ جانے نرملا کو اس کے آنے کی بھنک کس طرح مل گئی تھی۔

''کیا کر رہی تھی؟'' اس نے رسالہ ایک طرف پھینک کر لاڈو کو کسی جنگلی بلی کی طرح گھورا۔

''وہ......وہ......ارملا بی بی کا کمرا جھاڑ پونچھ......رہی تھی۔'' لاڈو تھوک نگل کر بولی۔

''کیا ارملا گھر پر نہیں ہے؟'' نرملا نے سپاٹ آواز میں سوال کیا۔

''وہ......وہ......مالکن کے ساتھ بازار گئی ہیں۔ دیر سے آنے کا کہہ گئی تھیں۔''

''یہ کیا وہ......وہ لگا رکھی ہے۔'' نرملا نے اسے درشت آواز میں ڈانٹا پھر قریب بلا کر بولی۔

''تیرا اصلی نام کیا ہے؟''

''جی......وہ......لاجونتی۔'' لاڈو دوبارہ گڑبڑائی تو نرملا بے اختیار ہنس دی۔

''مجھ سے کوئی بھول ہوگئی؟'' لاڈو نے سہم کر پوچھا۔

جواب میں نرملا اس کو ایسی تنقیدی نظروں سے گھورنے لگی جیسے کوئی ماہر قصائی قربانی کا بکرا خریدتے وقت اس کے جوڑ پٹھوں کی جانچ پڑتال کر رہا ہو۔ لاڈو نے گھبرا کر نظریں نیچی کر لیں۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''لاجونتی کا مطلب جانتی ہے؟'' کچھ دیر بعد نرملا کی سرسراتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا' نرملا کے گداز ہونٹوں پر معنی خیز تبسم کھیل رہا تھا۔

''لاجونتی ایک پودا ہوتا ہے۔'' لاڈو نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

''چھوئی موئی کا سندر سندر لچکدار پودا جو کسی کے ہاتھ لگانے سے شرما کر اپنے ہی اندر سمٹ جاتا ہے۔'' نرملا نے تفصیل سے بتایا۔ ''میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟''

''نہیں، میرے پرکھوں نے بھی یہی مطبل (مطلب) بتائے تھے۔'' لاڈو نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''تجھے بھی کبھی کسی نے ہاتھ لگایا ہے؟ کبھی تو بھی لجا کر کمٹی سمٹائی ہے یا بس نام کی لاجونتی ہے؟'' نرملا کی بادام جیسی بڑی بڑی آنکھوں میں گلابی تیرنے لگی۔ پنڈا سرخ ہونے لگا۔

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' لاڈو گڑبڑا کر رہ گئی، پھر جلدی سے سنبھل کر بولی۔ ''میرا مطبل یہ تھا بی بی جی کہ میں تو لڑکی ہوں۔ پودا تو پودا ہوتا ہے۔''

''مذاق کر رہی تھی میں۔'' نرملا اپنے بالوں کو ایک جھٹکے سے پشت کی جانب اچھالتی ہوئی بستر سے فرش پر آ گئی اور سنجیدگی سے بولی۔ ''کیا گھر میں تو ارملا کے سوا کسی اور کا کام نہیں کرتی؟''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' لاڈو نے سہم کر جواب دیا۔ ''مالکن اور سیٹھ صاحب بھی جو حکم دیتے ہیں میں وہ بھی کرتی ہوں۔''

''اگر میں تجھے کوئی حکم دوں تو؟'' نرملا کی پیشانی پر آڑی ترچھی ریکھائیں ابھرنے لگیں۔

''آپ کا کام تو میں سر کے بل کروں گی۔ آپ حکم دے کر دیکھیں۔'' لاڈو نے اپنا من مار کر زبردستی بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

''ادھر آ، میرے قریب۔''

نرملا کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ لاڈو قدم سنبھالتی اس کے قریب چلی گئی۔ نرملا اسے تیز نظروں سے گھورتی رہی، پھر اس نے پلٹ کر بستر پر پڑے پرس میں سے سو کا ایک کرارا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''لے اسے رکھ لے۔''

''یہ......'' لاڈو پھٹی پھٹی نظروں سے نوٹ دیکھنے لگی۔ ''اتنے ڈھیر سارے پیسوں کا بھلا میں کیا کروں گی؟''

''یہ میری طرف سے انعام ہے پگلی!'' نرملا نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا پھر اچانک اسے اپنی بانہوں کے حصار میں پوری طرح جکڑ کر بولی۔ ''میں بھی تجھے ارملا سے کم پیار نہیں کرتی۔ اور ایک بات بتاؤں۔ تو خود بھی کسی لاجونتی کے پودے سے کم نہیں ہے، سندر سندر، کومل کومل اور نازک نازک سی۔''

لاڈو کو یوں لگا جیسے اس کے کان بج رہے ہوں۔ جیسے وہ کھلی آنکھوں سے کوئی سندر سپنا دیکھ

رہی ہو۔ جیسے وہ اس وقت دھرتی پر نہ کھڑی ہو' نیلے آکاش کی بلندیوں پر اندر سبھا کی پریوں کی طرح اڑ رہی ہو۔ نرملا بڑی دیر تک اسے بھینچتی رہی' پھر اس کے دونوں بازو تھام کر الگ کرتے ہوئے شوخی سے بولی۔

"خبردار جو تو نے رقم یا میرے پیار کی بات کسی اور سے کی۔ دوسرے نوکر چاکر سر پر چڑھیں' میں اسے برداشت کرنے کی عادی نہیں ہوں اور ہاں' ارملا کے سامنے اگر میں تجھے سخت سست کہوں تو برا نہ منانا۔ سمجھ رہی ہے نا میرا مطلب؟"

لاڈو نے کچھ نہ سمجھنے کے باوجود اقرار میں گردن ہلائی اور سو کے نوٹ کو خاموشی سے گریبان کے اندر اڑس لیا۔

"کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑے تو مجھ سے مانگ لینا" نرملا نے پھر سنجیدگی اختیار کر لی۔ "میں نے گوپال سے تیرے شہر آ کر نوکری کرنے کا کارن معلوم کر لیا ہے۔ میں دوسروں کیلئے کیسی بھی ہوں پر تیری سہایتا ضرور کروں گی۔ کوئی چنتا مت کر۔ یہ سمجھ لے کہ تو نے اپنی کھڑی فصل میرے پاس گروی رکھ دی ہے۔ کوئی غم نہ پال۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... مگر ایک شرط پر۔ تو اپنی اور میری بات کسی اور سے نہیں کرے گی۔"

پھر نرملا بے نیازی سے منہ پھیر کر لہراتی بل کھاتی غسل خانے میں چلی گئی۔ معصوم لاڈو کا دل بھر آیا۔ نرملا کے کہے ہوئے آخری جملے اس کے کانوں میں رس گھول گئے۔ نرملا اسے کسی سندر ناری کے روپ میں کوئی "اوتار" ہی نظر آ رہی تھی' جو اس پر دیا کرنے کو تن من دھن سے اچانک آمادہ ہو گئی تھی۔

❁❁❁

دو مہینے اس طرح بیت گئے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ اس عرصے میں معصوم اور بھولی بھالی لاڈو نے اپنی کھڑی فصل بچانے کی خاطر دن رات دل لگا کر محنت کی تھی۔ ارملا کے پیار نے اسے ماں باپ سے دوری کا ایک ذرا احساس نہیں ہونے دیا لیکن نرملا...... لاڈو دو ماہ گزرنے کے بعد بھی نرملا کو پوری طرح نہیں سمجھ سکی تھی۔ وہ پل پل رنگ بدلنے کی عادی تھی۔ ایک بار تو اس نے بالکل معمولی سی بات پر ارملا کی موجودگی میں اسے اتنا بھرپور تھپڑ مارا تھا کہ وہ چکرا کر رہ گئی تھی۔ خاموشی سے آنسو پونچھتی سر جھکائے مجرم بنی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"نرملا' لاڈو کے جانے کے بعد ارملا نے بہن کو سرزنش کی۔ "تم نے لاڈو کو تھپڑ کیوں مارا؟"

''اس نے میری گہری سرخ رنگ کی لپ اسٹک پر اعتراض کیوں کیا تھا؟'' نرملا نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''اعتراض نہیں کیا تھا لاڈو نے۔ اس غریب نے تو تمہیں صرف اتنا بتانے کی کوشش کی تھی کہ گاؤں میں لڑکیاں لپ اسٹک کے بجائے مسّی کی دھڑی لگاتی ہیں ہونٹوں پر۔ اس میں بری بات کیا تھی؟''

''کل وہ کہے گی کہ گوبر لگالو تو کیا میں اس کی بات مان لوں گی؟ شٹ!'' نرملا بھنا کر بولی۔ ''تم نے اسے منہ چڑھا رکھا ہے تو اپنے پاس سنبھال کر رکھو۔ میں ان اجڈ اور دیہاتی گوارنوں کو پاؤں کی جوتی کے برابر نہیں سمجھتی۔'' نرملا منہ بنا کر تیزی سے بل کھاتی ارملا کے کمرے سے باہر آ گئی۔

لاڈو اس دن جی بھر کر روئی تھی' لیکن دوسرے ہی دن اس کے دل کا سارا بخار جیسے چھومنتر ہو گیا۔ ارملا کے بازار جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ نرملا نے اوشارانی کے ذریعے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا۔ لاڈو سہمی سہمی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو نرملا ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے تولیہ ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔

لاڈو کسی مجرم کی طرح اس کے سامنے جا کر گردن جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

''ناراض ہے مجھ سے؟''

نرملا کی پیار بھری آواز لاڈو کے کان میں گونجی تو اس نے حیرت سے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ نرملا کے گداز ہونٹوں پر بڑا جذباتی تبسم رقص کر رہا تھا۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اس کا جوان جسم غضب ڈھا رہا تھا۔ لاڈو جواب دیتے ہوئے ہچکچائی تو نرملا نے مصنوعی غصے سے اسے حکم دیا۔

''ادھر آ...... میرے قریب۔''

لاڈو گھر کی ملازمہ تھی انکار نہ کر سکی۔ ہولے ہولے قدم اٹھاتی قریب گئی تو نرملا نے آگے بڑھ کر اسے دونوں بانہوں میں سمیٹ لیا۔ جس گال پر تھپڑ مارا تھا اسے زور سے چوما تو لاڈو کے تن بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ دھوپ چھاؤں کا وہ کھیل اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''آپ...... آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟'' اس نے سہمی سہمی آواز میں نرملا سے پوچھا۔

''نہیں تو'' نرملا نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔

''پھر آپ نے کل مجھے ایک ذرا سی بات پر......''

''تھپڑ کیوں مارا تھا؟'' نرملا نے اسی کے انداز میں منہ بسورتے ہوئے کہا پھر معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''میں نے امتحان لیا تھا تیرا۔ اتنی جلدی بھول گئی...... میں نے تجھے سمجھایا تھا کہ اگر کبھی نرملا کے سامنے سختی کروں تو برا نہ ماننا اور تو منہ پھلا کر بیٹھ گئی پگلی۔'' نرملا نے اس کے گدرائے گدرائے گالوں پر چٹکی لے کر لاڈ کرتے ہوئے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ ''کل میں نے تیرا امتحان لیا تھا۔ آج رزلٹ سنانے کیلئے بلایا ہے۔''

''رزلٹ؟'' لاڈو نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہوتا ہے؟''

''امتحان کا نتیجہ ہوتا ہے دیہات کی چنچل بلبل!'' نرملا' لاڈو کے سراپا کو تنقیدی نظر سے گھورتے ہوئے بولی۔ ''تو اول نمبر میں پاس ہوگئی۔ ایک دم فرسٹ کلاس۔''

''سچ!'' لاڈو نے خوشی کا اظہار کیا پھر شوخی سے بولی۔ ''گاؤں میں کوئی بچہ امتحان میں پاس ہو جائے تو اس کے ماں باپ اسے ڈھیر سارا پیار کرتے ہیں۔ دعائیں دیتے ہیں۔ نئی سلیٹ اور تختی کے علاوہ اس کے نئے نئے کپڑے بھی سلواتے ہیں۔ آپ مجھے کیا دیں گی؟''

''ٹھینگا!'' نرملا نے اسے منہ چڑھا کر کہا' پھر ہاتھ پکڑ کر غسل خانے کی جانب گھسیٹتے ہوئے بولی۔ ''چل آج تو میری پیٹھ کا میل اتار دے۔ پہلے بوڑھی اوشا یہ خدمت انجام دیتی تھی' لیکن آج سے تو یہ کام کرے گی۔ اوشا کے ہاتھ میں اب دم خم نہیں رہا۔''

لاڈو کا دل ایک دم ہی تیز تیز دھڑکنا شروع ہوگیا۔ اسے گاؤں کی برسات یاد آگئی' جب وہ کھیتوں میں جا کر ہم عمر سکھیوں کے ساتھ نہاتی تھی۔ بارش میں کپڑے شریر سے چپک جاتے تو وہ اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے کو طرح طرح سے چھیڑتی تھیں۔ عجیب عجیب مثالیں دیتیں۔ ایک دوسرے کے چٹکیاں بھرتیں۔ کبھی پھسلن کی وجہ سے کچی زمین پر گر کر کیچڑ میں لوٹ پوٹ ہو جاتیں۔ جھوٹ موٹ کا بیاہ کرنے کا ناٹک کھیلنا شروع کر دیتی تھیں۔ ایک بار چمپا نے اس کے ساتھ ایسا ہی ناٹک رچایا تھا تو وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی تھی' لیکن شہر میں......؟

''کس وچار میں گم ہوگئی میری فاختہ!'' نرملا نے بائیں آنکھ جھپکا کر پہلی بار لاڈو کو مردانہ انداز میں مخاطب کیا تو لاڈو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس دن پہلی بار وہ غسل خانے میں کسی کی پیٹھ ملنے اور رگڑ رگڑ کر نہلانے کے تجربے سے گزر رہی تھی۔

لاڈو کو رہ رہ کر لاج آ رہی تھی' لیکن اس کی چور نظریں بار بار نرملا کے اجلے شریر کی سندرتا پر

پھسلتی رہیں۔

''ایک بات پوچھوں لاڈو؟'' نرملا نے گنگناتے ہوئے پوچھا۔

''پوچھیے۔'' لاڈو نے اپنی بکھری بکھری سانسوں پر قابو پاتے ہوئے سنبھل کر کہا۔

''کبھی تجھے کسی نے اس طرح نہلایا ہے؟''

''نہیں۔'' وہ شرما کر بولی۔'' گاؤں میں تو ہم صرف بارش میں یا پھر پنگھٹ اور کنویں کے آس پاس درختوں کی آڑ میں چھپ چھپا کر اشنان کرتے ہیں۔ وہاں اپنا میل اپنے ہی ہاتھوں اتارنے کا رواج ہے۔''

''اور اگر کوئی تجھے چھپ کر دیکھ رہا ہو تو؟''

تو......تو بھگوان کرے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں۔'' لاڈو نے غصے سے کہا۔

نرملا بڑی دیر تک لاڈو کے جواب پر دل کھول کر بے باک انداز میں ہنستی رہی' پھر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔

''سنا ہے تیرے گاؤں میں لڑکیوں کی شادی بہت چھوٹی عمر میں ہو جاتی ہے؟''

''ٹھیک سنا آپ نے۔''

''تیری بات بھی کہیں پکی ہوئی؟''

نرملا کے اس اچانک سوال پر لاڈو کو یکلخت رگھوبیر یاد آ گیا جو اس کو چھپ چھپا کر دیکھا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ لگن پکی ہونے والی بات بھی اسے شہر آنے سے قبل چمپا نے بتائی تھی' لیکن لاڈو کو رگھوبیر کے ساتھ بات چیت کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔'' میرے شہر چلے آنے کے بعد کہیں رگھوبیر نے کسی اور کے ساتھ ٹانکا نہ کر لیا ہو؟'' لاڈو نے من ہی من میں سوچا۔ بڑا گبرو جوان نکل رہا تھا۔

گاؤں کی کئی قد نکالنے والی لڑکیاں اسے دیکھ کر سسکاریاں بھرنے لگتی تھیں۔ سلونی سب سے آگے آگے تھی۔ رام پیاری اور چار فٹ کی ٹھگنی آشارانی بھی رگھوبیر کو دیکھ کر ایک دوسرے کو کہنیاں مارنے لگتیں۔

''تو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟ کہاں کھو گئی؟'' نرملا نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا تو لاڈو نے اپنے من کا چور چھپاتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بولا۔

''اپنا گاؤں' ماں اور بابا یاد آ رہے تھے۔''

"گاؤں کی سگی! سارا مزہ کرکرا کردیا۔" نرملا جھلا کر کھڑی ہوئی اور تولیہ جسم پر لپیٹتی غسل خانے سے باہر آ گئی۔ نہ جانے لاڈو نے ایسا کیا کہہ دیا تھا کہ نرملا کا اچھا بھلا گنگناتا موڈ خراب ہو گیا' لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سکھاتے ہوئے نرملا کی نظر لاڈو پر پڑی تو اس نے جلدی سے پلٹ کر شیشے کی گول میز سے پرس اٹھا کر اس میں سے سو سو کے دو نوٹ نکالے پھر لاڈو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ تیرا آج کا انعام ہے' لیکن اگر تو نے کسی سے کہا تو پھر جانتی ہے کیا ہوگا؟"

"زوردار تھپڑ! شائیں سے۔" لاڈو نے مسکرا کر جواب دیا' پھر جلدی سے نوٹوں کو مٹھی میں چھپا لیا۔ وہ اس آئے دن ملنے والے انعام کی عادی ہو چکی تھی۔

"اب جا باہر! ارملا آ گئی تو میری تیری دوستی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

لاڈو نے کسی فرمانبردار شاگرد کی طرح جلدی سے گردن ہلائی' پھر قدم بڑھاتی اپنے کمرے میں آ گئی' جہاں اس نے سب سے پہلے نوٹوں کو اسی جگہ چھپا کر رکھا تھا جہاں نرملا کی نوازشیں پہلے بھی جمع کرتی رہی تھی' پھر اس نے کچھ دیر ستانے کی خاطر بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ اس کی نظروں کے سامنے بڑی دیر تک نرملا کا غسل خانے والا گداز جسم منڈلاتا رہا' جس سے دل کو موہ لینے والی بھینی بھینی اور سوندھی سوندھی خوشبو پھوٹ رہی تھی' پھر باہر سے بڑی مالکن کی لمبی گاڑی کی مانوس آواز سنائی دی تو وہ جلدی سے اٹھ کر ہرنی کی طرح چوکڑی بھرتی باہر آ گئی۔

❁❁❁

ایک دن لاڈو کو تنہائی میں گوپال سے ملنے کا موقع ملا تو اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"چاچا! مجھے یہاں نوکری کرتے دو ماہ سے اوپر ہو گئے۔"

"پھر؟" گوپال نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ "کیا یہاں تیرا من نہیں لگ رہا؟"

"میرا مطلب یہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا ہے۔" لاڈو کے دل کی بات زبان پر آ گئی۔ "اب تو گاؤں میں فصل پکنے کا سمے بھی قریب آ رہا ہوگا۔ زمیندار کے منشی نے کہا تھا کہ اگر اصل کے ساتھ اس بار بیاج کی رقم بھی نہ ملی تو۔"

"سمجھا۔" گوپال نے اس کی بات کاٹ کر بڑے اطمینان سے کہا۔ "تو اب کسی بات کی چنتا مت کر۔ اوپر والے نے میرے دوست کی بپتا سن لی ہے۔ تو اتنی سی عمر میں اپنے ماتا پتا کے کام

آ گئی۔ یہ سب ایشور کی کرپا ہے۔''

''م...... میں...... سمجھی نہیں چاچا؟'' لاڈو نے معصومیت سے سوال کیا۔ '' کیا زمیندار نے کچھ سے اور دے دیا ہے؟''

''نہیں۔ اب زمیندار یا اس کے منشی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہی۔ تیرے بابا نے چار بڑوں کے بیچ بیاج کے ساتھ ساتھ اصل کی کچھ رقم بھی منشی کے منہ پر ماردی ہے۔ نیلی چھتری والے نے چاہا تو دو تین ماہ میں اصل بھی ادا ہو جائے گا۔''

''لیکن اتنی ڈھیر ساری رقم آئی کہاں سے؟'' لاڈو حیرت سے آنکھیں پٹپٹانے لگی۔

'' کچھ پیسے ارملا بی بی کی سفارش پر مالکن نے دان پن کر دیئے اور......'' گوپال چاچا کچھ کہتے کہتے رک گیا تو لاڈو کے من میں پھر کھل بل شروع ہو گئی۔

''اور کیا؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔ ''تو بات کرتے کرتے چپ کیوں ہو گیا؟''

''لاڈو پتر! میں اب جو بات تجھے بتانے لگا ہوں اس کو کسی اور کے سامنے زبان سے نہ نکالنا۔'' گوپال نے ادھر ادھر دیکھ کر بڑی رازداری سے کہا۔ ''منش جو سوچتا ہے۔ کسی کے بارے میں دوسروں کو سنی سنائی باتوں پر جو کان دھرتا ہے وہ کبھی بھی سچ نہیں ہوتا۔ شاید مجھ سے بھی یہی بھول ہو گئی تھی۔ پر سچ یہ ہے کہ میں نے چھوٹی بی بی کے بارے میں جو سنا تھا وہ صحیح نہیں تھی۔ وہ تو بڑی دیالو اور دوسروں کے دکھ درد بانٹنے والی لڑکی ہے۔ نٹ کھٹ ضرور ہے مگر اجلے اور صاف دل کی مالک ہے۔''

''تو کس کی بات کر رہا ہے؟''

''نرملا بی بی کی۔'' گوپال نے شرمندگی سے جواب دیا' پھر بدستور مدھم آواز میں بولا۔ ''اس نے ایک دن مجھ سے تیرے بارے میں نوکری کرنے کا کارن پوچھا تھا۔ میں نے جھوٹ بولنے کے بجائے سچ سچ بتا دیا۔ جانتی ہے اس سچ کا نتیجہ کیا نکلا؟''

'' کیا؟'' لاڈو کا تجسس بڑھنے لگا۔

اس نے مجھے چوری چھپے دو ہزار کی رقم دی تھی' تیرے بابا کا قرض چکتا کرنے کے لئے اور بھی دینے کو کہا ہے' پرنتو...... یہ بھی کہا تھا کہ اس بات کی خبر کسی کو کانوں کان نہ لگنے پائے۔ تجھے بھی نہیں۔''

''اگر اس نے دیا کی ہے تو پھر اس میں چھپانے والی کون سی بات ہے؟'' لاڈو نے

معصومیت سے پوچھا۔

''تو نہیں سمجھے گی ان باتوں کو۔'' گوپال چاچا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''جو رقم اس نے دان کی ہے وہ اپنے جیب خرچ سے بچا کر دی ہے اور جو لوگ دیا کرتے ہیں وہ اپنی جھوٹی بڑائی کے لئے بھرے بازار میں کھڑے ہو کر ڈنکا نہیں بجاتے۔ چھوٹی بی بی نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر زبان بند رکھنے کو کہا ہوگا۔ اب تو اس کا ڈھنڈورا نہ پیٹنے لگنا۔ زبان کو تالا ڈال کر رکھنا ورنہ میرا مان...... اور وشواس بھی جاتا رہے گا۔

لاڈو نے گوپال چاچا کو چپ رہنے کا وچن دیا پھر نرملا کے بارے میں سوچنے لگی جو اچانک ہی اس کی نظروں میں کسی اونچے سنگھاسن پر بیٹھی کسی مہان دیوی کی طرح مسکراتی نظر آ رہی تھی۔

✿✿✿

وقت کا پنچھی اپنے پنکھ پھیلائے ہوا کے دوش پر اڑتا رہا۔

لاڈو کی نظروں میں نرملا ایک دیوی کا روپ دھار کر آئی تو ان کے بیچ فاصلے بھی آہستہ آہستہ گھٹنے لگے۔ پہلے لاڈو نرملا کی طرف جاتے ہوئے کتراتی تھی' اب اس کے کمرے کی صفائی بھی اپنا دھرم سمجھنے لگی۔ نرملا کے کالج جاتے ہی وہ اس کے کمرے میں جا کر تمام بکھری ہوئی چیزوں کو ایک ایک کر کے سمیٹتی۔ روندا ہوا بستر بڑے سلیقے سے دوبارہ ترتیب دیتی۔ ایک ایک چیز کو اس کی جگہ جھاڑ پونچھ کر رکھتی۔ قالین کی صفائی بھی پورے لگن سے کرتی۔ سنگھار میز کے آئینے کو خوب رگڑ رگڑ کر چمکاتی۔ غسل خانے کو اچھی طرح دھوتی۔ کمرے سے جاتے جاتے ایک ایک چیز کو تنقیدی نظر سے دیکھتی' پھر جب پوری طرح مطمئن ہو جاتی تو ہنستی مسکراتی چوری چوری کمرے سے باہر آ جاتی۔

ادھیڑ عمر کی ملازمہ اوشا رانی دور بیٹھی لاڈو کی دلچسپی کو غور سے دیکھتی رہتی۔ نرملا کے کمرے کی صفائی اور دیکھ بھال اسی کے ذمے تھی' لیکن لاڈو نے سارا کام خود سنبھال لیا تھا اور اوشا سے ہاتھ باندھ کر بنتی کی تھی کہ وہ نرملا کو نہ بتائے کہ اس کے کمرے کی صفائی کون کرتا ہے' مگر ایک دن اس کی چوری پکڑی گئی۔

لاڈو کمرے کی صفائی میں پوری طرح مگن تھی۔ اوشا دیوار سے ٹیک لگائے بیتے دنوں کا کوئی سندر سپنا دیکھ رہی تھی' جب اچانک نرملا کالج سے جلدی واپس آ گئی۔ ایک پل کے لئے اس کی تیوری پر بل پڑ گئے' پھر وہ مسکراتی ہوئی دبے قدموں آگے بڑھی اور ''ہاؤ'' کر کے لاڈو کو پوری طرح

اپنے گداز بازوؤں کے حصار میں دبوچ لیا۔

''ہائے دیا۔'' لاڈو اس اچانک افتاد سے اتنی سہم گئی کہ اس کا دل جال میں پھنسے کسی بے زبان پنچھی کی طرح دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے پلٹ کر نرملا کو دیکھا تو گھبرا گئی۔

''یہ کیا کر رہی ہے تو؟'' نرملا نے اسے اپنے شکنجے سے آزاد کرتے ہوئے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔

''وہ...... میں اوشا موسی سے گھر کی صفائی کی ٹریلنگ (ٹریننگ) لے رہی تھی۔'' لاڈو نے خوبصورت جھوٹ گھڑنے کی کوشش کی۔

لاڈو اور نرملا کی آواز سن کر اوشا بھی ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ سہمی سہمی نظروں سے نرملا کو دیکھنے لگی۔

''سچ بتا اوشا؟'' نرملا نے اوشا کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''تیری یہ حرام خوری کب سے جاری ہے؟''

''پانچ چھ روز سے......''

''موسی نردوش ہے چھوٹی بی بی!'' لاڈو درمیان میں بول پڑی۔ ''کوئی سزا دینی ہے تو مجھے دیں۔ موسی کو تو میں نے کمرے کی صفائی کرنے سے روکا تھا۔''

نرملا نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک اوشا کو ناراض نظروں سے تکتی رہی، پھر ''گٹ آوٹ'' کا آرڈر سنایا تو اوشا چپ چاپ سر جھکائے کمرے سے چلی گئی۔

''میری بات کا وشواس کریں۔'' لاڈو نے بڑی عاجزی سے دوبارہ صفائی پیش کی۔ ''غلطی میری تھی۔ موسی تو منع کر رہی تھی، لیکن میں نے اس غریب کو مجبور کر دیا تھا۔''

''تو...... تو اپنی غلطی مان رہی ہے؟'' نرملا نے لاڈو کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

لاڈو نے زبان کے بجائے سر ہلا کر اپنا دوش قبول کر لیا۔ ''میں نے تجھ سے کہا تھا ناں کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ نوکر چاکر سر پر چڑھنے لگیں۔''

''جی۔'' لاڈو معصومیت سے بولی۔ ''مجھے یاد ہے۔''

''پھر بھی تو نے غلطی کی۔ جان بوجھ کر...... کیوں؟''

لاڈو نے نرملا کو سنجیدہ دیکھا تو کسی بے گناہ مجرم کی طرح نظریں جھکا لیں۔

''اگر میں تجھے اس بھول کی کوئی سزا دوں تو؟''

''آپ اوشا موسی کو شما کر دیں۔'' لاڈو کے من کی نرمی آنسو بن کر اس کی دراز پلکوں پر کپکپانے لگی۔ ''میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' نرملا نے مسکرا کر لاڈو کے گدرائے گالوں پر زور کی چٹکی بھری۔ ''چل' جلدی سے تیار ہو جا۔ آج میں سزا کے طور پر تجھے اپنے ساتھ گھمانے لے چلوں گی۔ اسی کارن کالج سے جلدی چھٹی کر آئی ہوں۔''

لاڈو نے حیرت سے نرملا کو دیکھا' پھر وہ ایک دم ہی ڈالی پر مہکتی کسی کچی کلی کی طرح کھل اٹھی' اٹھلا کر بولی۔ ''آپ تیار ہوں۔ میں فٹافٹ نیا جوڑا پہن کر آتی ہوں۔''

''چلی کہاں باؤلی!'' نرملا نے اس کا ہاتھ تھام کر بے تکلفی سے کہا۔ ''آج میں اپنے ہاتھوں سے تیرا بناؤ سنگھار کروں گی۔ تو اپنا نہیں' میرا جوڑا پہن کر چلے گی۔''

''لیکن میں......اور آپ کا......'' لاڈو کو اپنے کانوں پر وشواس نہیں آیا۔

''خبردار جو تو نے زبان چلائی۔ دوں گی ایک زور کا تھپڑ۔'' نرملا نے اسے گھور کر پیار سے غصہ کیا۔ ''تو سزا بھگتنے کا وچن دے چکی ہے۔''

''آپ کی ہر سزا تو میں خوشی خوشی سہمت (برداشت) کرلوں گی' لیکن بڑی مالکن اور بڑی دیدی......''

''بند کرو بکواس!'' نرملا ایک پل کو تلملا اٹھی۔ ''جب تو میرے ساتھ چل رہی ہے تو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیا سمجھی؟''

''آپ کی بات اور ہے چھوٹی بی بی لیکن......'' لاڈو نے نرملا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''مری کیوں جا رہی ہے پگلی!'' نرملا نے اس بار مسکرا کر اسے بتایا کہ بڑی مالکن اور ارملا کہیں نیوتے (دعوت) پر گئی ہیں اور رات گئے تک ان کی واپسی ہوگی تو لاڈو نے سکون کا سانس لیا۔

اس روز زندگی میں پہلی بار لاڈو کو ایسے مرحلوں سے گزرنا پڑا جو اس کیلئے بالکل انوکھے بھی تھے اور قابل رشک بھی۔ نرملا نے اسے اپنے ہاتھ سے بناؤ سنگھار کر کے اپنا ایک بھڑکیلا جوڑا پہنا کر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا کیا تو لاڈو خود اپنے آپ کو پہلی نظر میں نہیں پہچان سکی۔ میک اپ کے کمال نے اس کی سندرتا کو جو نیا روپ دیا تھا وہ لاڈو کیلئے بالکل انوکھا اور حیرت انگیز تھا۔ اس کی

دراز پلکیں کسی لوشن لگانے کے بعد بل کھا کر کمان کی طرح اور بھی سندر ہو گئی تھیں۔ پپوٹوں پر چمکتا سرمئی رنگ بڑا بھلا لگ رہا تھا۔ گالوں پر لگی ہلکی سرخی نے انہیں قندھاری انار بنا دیا تھا۔ ہونٹوں کے گداز پر لگی لپ اسٹک کو دیکھ کر لاڈو کو ایسا ہی لگا جیسے کسی نے پکی ہوئی تیار جنگل جلیبی کو درمیان سے کھول کر مکھ پر سجا دیا ہو۔ اس کا رنگ' اس کا روپ ایک ذرا سی دیر میں کیا سے کیا بن گیا تھا' پھر اس کی نظر لباس پر پڑی تو وہ سچ مچ لاجونتی کے مانند شرما کر اپنے وجود میں سمٹنے لگی۔ لاڈو کا بدن نرملا کے مقابلے میں زیادہ تندرست اور بھاری تھا اس لئے نرملا کا لباس اس کے بدن کے انگ انگ سے جیسے چپک کر رہ گیا تھا۔ وہ کسمسا کر رہ گئی' پھر اس نے سوچا۔ ''اگر اس رنگ روپ میں کہیں رگھو بیر مجھے چھپ چھپا کر دیکھ لے تو اس کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ چکرا کر گر پڑے گا زمین پر۔''

لاڈو اپنے سپنوں میں ڈول رہی تھی' جب نرملا نے پوچھا۔

''سچ بتا جنگلی کبوتری! کیسا لگ رہا ہے اب تجھے؟''

''آپ نے تو کمال کر دیا' پر ایک بات آپ نے نہیں سوچی۔'' لاڈو شوخی سے بولی۔ ''اگر جنگلی کبوتری کو دیکھ کر آکاش پر اڑتا ہوا کوئی نٹ کھٹ شکرہ (HAWK) پر پھیلا کر جھپٹ پڑا اور اپنے پنجوں میں دبوچ کر لے گیا تو؟''

نرملا نے کچھ سوچ کر اسے معنی خیز نظروں سے گھورا تو خود لاڈو بھی اپنی کہی بات کا مطلب بھانپ کر شرم سے پانی پانی ہو گئی' پھر نرملا نے بھی جلدی جلدی تیار ہو کر خود کو آئینے میں کئی زاویوں سے دیکھا اور لاڈو کے ساتھ باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''ہم کہیں سیر کو جا رہے ہیں؟'' کھلی فضا میں آ کر لاڈو نے پوچھا۔

''پہلے مجھے اپنی ایک سہیلی سے ملنا ہے' پھر وہاں سے نبٹ کر میں تجھے بازار لے چلوں گی' جہاں آج تجھے اپنی من پسند چیزیں خریدنی ہوں گی۔ کیا سمجھی؟'' نرملا بڑی فیاضی سے بولی۔

''میرے پاس تو آپ سب کا دیا پہلے ہی بہت کچھ ہے اور لے کر کیا کروں گی؟''

''پھر بحث کی تو نے۔'' نرملا نے اسے شرارت سے گھورا۔ ''بھول گئی میرا تھپڑ؟''

راستے بھر نرملا لاڈو کے ساتھ بڑی اپنائیت سے ہنستی بولتی رہی' پھر اس نے کار ایک آسمان سے باتیں کرتی ہوئی بلڈنگ کے پارکنگ میں لے جا کر روکی۔ لاڈو خود کو سنبھالتی بڑی احتیاط سے نیچے اتری۔ اتفاق سے اس وقت لفٹ خالی مل گئی۔ نرملا نے اندر داخل ہو کر ایک بٹن پر ہاتھ رکھا تو

لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا؟'' لاڈو نے گھبرا کر پوچھا۔ ''دروازہ کس نے بند کر دیا اور یہ اتنا چھوٹا سا کمرا کس کا ہے؟''

''یہ اڑن طشتری ہے پگلی!'' نرملا ہنس کر بولی۔ ''ابھی یہ ہم دونوں کو اڑا کر بہت اوپر پہنچا دے گی۔''

لاڈو نے کوئی جواب نہیں دیا' لیکن دو منٹ بعد جب لفٹ کا دروازہ دوبارہ کھلا اور وہ نرملا کے ساتھ باہر آئی تو یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی کہ وہ زمین سے خاصی بلندی پر ایک خوبصورت اور کشادہ راہداری (گیلری) میں کھڑی تھی' جہاں فرش پر قیمتی قالین بچھا تھا۔ دیواروں پر بھانت بھانت کی تصویریں خوبصورت فریم میں لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کمرے کے بند دروازوں کی قطار تھی' جس پر پیتل کی تختی پر مختلف نمبر اور نام لکھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف صاف شفاف شیشے سے باہر کی دنیا کسی خواب جیسی سندر سندر نظر آ رہی تھی۔

لاڈو ہر چیز کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتی نرملا کے ساتھ قدم ملاتی چلتی رہی' پھر نرملا ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ اس نے گھنٹی کا سفید بٹن دبایا تو ایک خوبصورت سی لڑکی نے دروازہ کھولا۔ اس کی عمر نرملا سے چار سال زیادہ لگ رہی تھی۔

''میں تمہاری ہی راہ تک رہی تھی۔'' دروازہ کھولنے والی لڑکی نے نرملا کو اندر آنے کا اشارہ کیا' پھر لاڈو کو تنقیدی نظر سے دیکھ کر بولی۔ ''کیا یہی تمہاری لاجونتی ہیں؟''

''ہاں' یہی ہے میری آسامی بلی۔'' نرملا نے لاڈو کا تعارف کرایا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ میرا نام کانتا رائے ہے۔'' کانتا نے بڑی نزاکت سے لاڈو کو گلے لگایا۔ اس کے سندر شریر سے بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

لاڈو کو سب کچھ بڑا انوکھا مگر اچھا اچھا سا لگا۔ نرملا اور کانتا پرانی سکھیوں کی طرح گھل مل کر باتیں کرنے لگیں۔ کبھی کبھی لاڈو بھی ہوں' ہاں میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتی۔ اس کی نظریں کمرے کی خوبصورت سجاوٹ پر پھسل رہی تھیں جب کانتا نے اسے براہ راست مخاطب کیا۔

''اپنا ہی گھر سمجھ کر آرام سے بیٹھو لاجو رانی! میرے سوا یہاں کوئی اور نہیں رہتا۔''

''جی۔'' لاڈو نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کچھ جل پانی کا بندوبست بھی ہے یا کیول باتوں میں ٹرخاتی رہو گی؟'' نرملا نے بے تکلفی

سے کہا۔ ''گھر سے چلتے سے پانی بھی پینا بھول گئی۔ صبح کے ناشتے کے بعد تھوڑی بہت پیٹ پو
بھی نہیں کی۔''

''کیا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر آئی ہے؟'' کانتا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''سمجھا کر یار!'' نرملا نے تڑ سے جواب دیا' پھر سینڈل اتار کر صوبے پر پاؤں پسا کر بیٹھے
ہوئے بولی۔ ''چل اور کچھ نہیں تو پینے ہی کیلئے کچھ لا دے۔''

کانتا ہنستی مسکراتی اٹھ کر اندر چلی گئی تو نرملا نے لاڈو کو سمجھایا۔

''یہاں کوئی الٹی سیدھی گنوار پنے کی بات نہ کر بیٹھنا ورنہ میری ناک کٹ جائے گی۔''

''آپ چنتا نہ کریں۔ میں سوچ بچار کئے بنا کوئی بات زبان سے نہیں نکالوں گی۔'' لاڈ
فرمانبرداری سے بولی۔

''ایک بات کا اور دھیان رکھنا۔ یہ شہر ہے' یہاں کھانڈ کی لسی یا گنے کا رس پینے کو نہیں ملتا
بھانت بھانت کے جوس ملتے ہیں' جن کا مزہ کڑوا کسیلا اور کھٹا میٹھا بھی ہوتا ہے۔'' نرملا نے بتایا
''پھل فروٹ کے جوس کے ڈبے بھی ملتے ہیں۔''

لاڈو خاموش بیٹھی ایک ایک نکتے کو ذہن نشین کرتی رہی۔ کانتا کچھ دیر بعد مشروب کی ٹرا
گھسیٹتی کمرے میں داخل ہوئی' جس پر رنگ برنگے شربت کے گلاس اور کھانے کیلئے اسنیکس بھ
موجود تھے۔ نرملا نے سب سے پہلے لپک کر ایک گلاس اٹھا لیا اور اسے غٹا غٹ خالی کر
دوسرے کی طرف لپکی تو کانتا کھلکھلا کر ہنس دی' پھر اس نے ایک گلاس اٹھا کر لاڈو کے سامنے ر
اور دوسرا ہاتھ میں لئے اپنے صوفے پر آ گئی۔

''ارے ہاں۔'' نرملا نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے کانتا کی طرف غور سے دیکھا۔ ''دنیش
کیا رہا؟ ابھی تک آشا اور نراشا کی سولی پر لٹکا رکھا ہے یا اس غریب کو کوئی آخری جواب بھی دیا؟

''کل اس نے اپنی ایک نئی تصویر بھی بھیجی ہے مجھے۔'' کانتا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اور تو نے اسے سینے سے لگا کر چھپا رکھا ہے۔ مجھے بھی دکھا' کہاں ہے دنیش کی تصویر؟''
جواب میں کانتا نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے البم سے ایک تصویر نکال کر نرملا کے حوالے کی
لاڈو سے بولی۔

''کیا بات ہے لاجو! تم نے ابھی تک جوس نہیں لیا۔''

''جی...... لیتی ہوں۔'' لاڈو نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔ پہلا گھونٹ حلق کے

اترا تو اس کو ہلکی سی کڑواہٹ کا احساس ہوا۔

''گریپ فروٹ کا ہے اس لئے ہو سکتا ہے تمہیں تھوڑا کڑوا لگے۔'' کانتا نے اسے منہ بنا دیکھ کر کہا۔ ''لیکن صحت کیلئے بہت فائدہ مند ہے۔ تم کو اچھا نہ لگے تو دوسرا گلاس اٹھالو۔''

نرملا تصویر دیکھنے میں مگن تھی' اس لئے لاڈو نے زبردستی مسکرا کر ''ٹھیک ہے۔'' کہا پھر جلدی جلدی تین چار گھونٹ حلق کے نیچے اتار گئی۔ جانے کیسا جوس تھا' جس کے آدھے گلاس ہی نے اس کے پورے شریر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

''رہنے دیں اسے۔'' کانتا نے بڑے پیار سے لاڈو کا گلاس ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھ دیا' پھر ٹرالی سے دوسرا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''یہ لے کر دیکھیں۔ اس میں مالٹے کے جوس جیسا سواد ملے گا تمہیں۔''

لاڈو نے نگاہوں نگاہوں میں کانتا کا شکریہ ادا کیا' پھر دوسرا گلاس ہونٹوں سے لگا کر دو تین گھونٹ لئے تو جیسے اسے سکون میسر آ گیا۔ تلخی کی شدت بتدریج کم ہونے لگی۔

''غضب کی تصویر ہے یار!'' نرملا نے کانتا کو دیکھ کر کہا۔ ''تیری جگہ میں ہوتی تو ہاں کرنے میں اتنی دیر نہ لگاتی۔ کسی انڈین فلم کا بڑا گریس فل رومانٹک ہیرو لگ رہا ہے۔ آسامی بھی موٹی اور مالدار ہے اور کیا چاہئے تجھے؟''

''ابھی میں نے دنیش کو ویٹنگ لسٹ پر رکھا ہے۔'' کانتا نے گلاس کا جوس ختم کرتے ہوئے شوخی سے جواب دیا۔

''لاڈو رانی ادھر آ!'' نرملا نے بڑے بے تکلف انداز میں لاڈو کو اپنے پاس بلا کر دنیش کی تصویر دکھا کر سوال کیا۔ ''سچ بتا۔ تجھے یہ کیسا لگ رہا ہے؟ خبردار جو جھوٹ بولا۔''

''اچھا بھلا تو ہے۔'' لاڈو نے نرملا کا دل رکھنے کو مسکرا کر کہا لیکن نہ جانے کیوں تصویر والا اسے اپنے سیدھے سادے گبرو جوان رگھوبیر سے زیادہ سندر نہیں لگا۔

ہنسی مذاق کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ نرملا اور کانتا کے بے حد اصرار پر لاڈو کو بھی شربت کے دو گلاس حلق کے نیچے اتارنے پڑے' پھر وہ بھی دونوں کے ساتھ بے تکلف ہو کر اسنیکس سے لطف اندوز ہونے لگی۔ اس کی جھجک بڑی تیزی سے دور ہو رہی تھی۔ شاید ماحول کے رنگ نے اسے بھی اپنے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔

''کھانا کب کھاؤ گی؟'' کانتا نے گفتگو کے دوران نرملا سے پوچھا۔

"نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔" نرملا کسی ربر کی گیند کی طرح صوفے سے اچھل کر کھڑی ہوگئی' پھر لاڈو کا ہاتھ تھام کر دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں کھانے کی میز سجی ہوئی تھی۔

کانتا نے ٹیبل پروسنے میں دیر نہیں لگائی' پھر سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہوگئے۔ گھر سے نکلتے سے لاڈو کو ایک ذرا بھوک نہیں تھی' لیکن اب اس کا من چاہ رہا تھا کہ جلدی جلدی سب کچھ چٹ کر جائے۔

"سچ بتانا لاجونتی؟" کانتا نے کچھ دیر بعد لاڈو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں یہاں آکر اجنبی اجنبی سا تو نہیں لگ رہا؟"

"پہلے ذرا لاج آرہی تھی' اب نہیں۔" لاڈو نے خمار آلود لہجے میں بے باکی سے جواب دیا تو نرملا کے ہونٹوں پر بھی بڑا معنی خیز تبسم جاگ اٹھا۔

سب کے ساتھ کھانا ختم کر کے لاڈو بھی اٹھی تو اس کا پیر لڑکھڑا گیا۔ جانے کیوں نیند کا خمار اس کے معصوم وجود پر بڑی تیزی سے حاوی ہو رہا تھا۔ سر بھاری اور بوجھل بوجھل سا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" نرملا نے بڑی اپنائیت سے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نیند سی محسوس ہو رہی ہے۔" لاڈو جمائی لیتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔ "گھر چلیں......"

"یہ بھی اپنا ہی گھر ہے۔" نرملا نے کانتا کو اشارہ کیا تو دونوں نے ہاتھ تھام کر لاڈو کو اس خواب گاہ تک پہنچا دیا جس کی ہر چیز بڑی خواب ناک سی لگ رہی تھی۔

لاڈو بے سدھ ہو کر مسہری پر لیٹ گئی۔ اچانک اسے کیا ہو گیا تھا؟ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"چنتا مت کرو لاجونتی!" کانتا نے اس کے قریب بیٹھ کر سر سہلاتے ~~ہوئے~~ کہا۔ "ایک دو...... گھنٹے آرام کرلو۔ تمہاری ساری تھکن دور ہو جائے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن اس سے پہلے تو......"

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا۔" اس بار نرملا نے اسے سمجھایا۔ "تو نے پہلی بار اتنا رچ (RICH) بھوجن کیا ہے اس لئے چکر آ گیا ہوگا۔ آنکھ بند کر کے آرام سے لیٹی رہ۔ سب آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

نرملا اور کانتا اسے خواب گاہ میں چھوڑ کر چلی گئیں تو لاڈو نے پھر اپنے ڈوبتے ذہن پر زور

ڈالنے کی کوشش کی، لیکن بوجھل ہوتے پپوٹوں اور نیند کے خمار کا کارن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ خوابوں کی وادی میں ہچکولے کھانے لگی۔ ادھر کچی نیند میں اسے سہانے سہانے سپنے نظر آتے رہے۔ اس نے سپنوں میں رگھوبیر کو یاد کرنے کی کوشش کی، لیکن نگاہوں کے سامنے اس تصویر کا چہرہ ڈولنے لگا جو کچھ دیر پہلے نرملا نے دکھائی تھی۔ لاڈو نے بوجھل پلکوں کے درمیان جھری پیدا کرنے کی ایک آخری کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ اسے اپنا انگ انگ ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ کتنی دیر تک سوئی اسے کچھ یاد نہیں رہا۔ دوبارہ جاگی تو سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے سونے سے پہلے تھا، البتہ لباس کچھ بے ترتیب ہو گیا تھا۔ بال شاید سوتے میں الجھ گئے تھے۔ چہرے کا میک اپ بھی کہیں کہیں سے خراب نظر آ رہا تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ نرملا اور کانتا ایک ساتھ خواب گاہ میں آ گئیں۔

''بھگوان کی بڑی کرپا کہ تیری نیند تو پوری ہوئی۔'' نرملا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''کوئی ایسا بھی گھوڑے بیچ کر سوتا ہے؟ ابھی شاپنگ کیلئے بازار بھی چلنا ہے۔''

''ناراض کیوں ہو رہی ہے؟'' کانتا نے نرملا کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''جا! تو جا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ۔ میں ابھی لاجونتی کو دوبارہ ایک دم ٹھیک ٹھاک کر کے لاتی ہوں۔''

نرملا کے جانے کے بعد کانتا نے لاڈو کو بڑے پیار سے دوبارہ سنوارا، پھر جب وہ نرملا کے ساتھ جانے لگی تو کانتا نے بڑے پیار سے پوچھا۔ ''دوبارہ تمہارے درشن کب ہوں گے لاجو رانی؟''

''نہ بابا نا!'' نرملا کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔ ''اگر دوسری بار یہ گھوڑوں کے بجائے گدھے بیچ کر سوگئی تو میں کیا کروں گی؟''

اس روز نرملا نے بازار لے جا کر لاڈو کو اس کی پسند کی کئی چیزیں دلائیں۔ نقلی سونے کے کنگن، گلے میں پہننے کا گلوبند، کانوں کے جھمکے، پیروں میں چھن چھن کرنے والی گھنگھرو والی سندر پازیب، دلہنوں جیسا سرخ کام دار جوڑا، سہاگ کے روز پہننے والی ہری ہری چوڑیاں۔ لاڈو اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی رہی۔

''اب تجھے کیسا لگ رہا ہے؟'' گھر واپس آتے وقت نرملا نے پوچھا۔

''ابھی تک سر بھاری بھاری سا ہو رہا ہے۔'' لاڈو نے حقیقت نہیں چھپائی۔

''چنتا مت کر! میں گھر چل کر تجھے ایک دو گولیاں دوں گی۔ اسے دو تین دن خاموشی سے کھا

لینا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پر...... مجھے ہوا کیا تھا؟'' لاڈو نے بھولپن سے دریافت کیا۔

''دوبارہ میرے ساتھ کہیں چلنا تو کھانے پینے کا دھیان رکھنا۔'' نرملا نے بے پروائی سے کہا تو لاڈو گردن ہلا کر خاموش ہو گئی۔ کسی انجانے جذبے کے تحت اس نے پہلی بار نرملا کو دبی زبان میں رگھوبیر کے بارے میں بتایا تو نرملا نے اسے نظریں گھما کر عجیب نظروں سے دیکھا پھر جانے کیوں بے اختیار ہنسنے لگی۔

❁❁❁

نرملا نے غلط نہیں کہا تھا۔ لاڈو نے دو تین دن گولیاں کھائیں تو وہ پھر سے بھلی چنگی ہو گئی۔ ساری دبدھا دور ہو گئی۔ کئی دنوں تک اس کی اور نرملا کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ صبح گھر سے نکلتی۔ دوپہر کو کچھ دیر آ کر کمرا اندر سے بند کر کے سو جاتی، پھر شام کو کسی سہیلی سے ملنے کا کہہ کر چلی جاتی۔ بڑی مالکن اور ارملا اپنے اپنے کاموں میں اس قدر مصروف تھیں کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ لاڈو کب نرملا کے ساتھ بن سنور کر باہر گئی؟ کب واپس آئی؟ لاڈو نے بھی نرملا کے سمجھانے پر زبان نہیں کھولی۔ نرملا نے اسے بازار سے چم چم کرتے جو گہنے اور سرخ جوڑا دلوایا تھا وہ اس نے گھر آتے ہی اپنے کپڑوں کے بیچ سینت کر رکھ دیئے۔ اس نے سوچا تھا کہ گاؤں میں فصل کٹنے والے دن وہ نئے نئے گہنے پہن کر ساری سکھیوں کو حیران کر دے گی۔ جب وہ بن سنور کر مٹکتی چٹکتی گردن اونچی کئے سامنے آئے گی تو سب کی ہیکڑی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ رگھوبیر کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

کچھ دنوں بعد جب گوپال چاچا نے اسے ''کھڑی فصل'' کی خوشخبری سنائی تو وہ خوشی سے جھوم جھوم اٹھی۔

گوپال چاچا نے اترا کر سرگوشی کی۔ ''میں نے مالک اور مالکن سے تجھے فصل کٹنے کے موقع پر گاؤں ساتھ لے جانے کی چھٹی بھی لے لی ہے۔ ایک اچھی خبر اور بھی ہے۔ سنے گی تو بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہو جائے گی۔ من میں لڈو پھوٹنے لگیں گے۔''

''جلدی سے بتا دے نا چاچا!'' وہ پیار سے مچل کر بولی۔ ''کیوں ترسا ترسا کر بتا رہا ہے؟''

''تیرے بابا نے تیری اور رگھوبیر کی مہورت بھی نکلوا لی ہے۔ فصل کٹنے کے بعد تیری اور رگھو کی......''

''چاچا!'' اس نے گھور کر گوپال چاچا کو دیکھا پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پلٹی۔ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی اندر آ گئی۔

ایک ہفتے بعد گاؤں واپس جانے کی خوشی نے جیسے لاڈو کو ہفت اقلیم کی دولت بخش دی تھی۔ پاؤں زمین پر نہیں لگتے تھے۔ اس کا من چاہتا کہ سے پلک جھپکتے میں گزر جائیں۔ وہ پر لگا کر اڑنے لگے۔ گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ وہ واپسی کی تیاری میں مگن تھی' جب ایک دن نرملا نے اسے کمرے میں بلا کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''سنا ہے تو گاؤں واپس جا رہی ہے؟''

''ہاں' وہ بابا کی فصل تیار ہو گئی ہے ناں۔ جب فصل کٹتی ہے تو ہم سکھیاں خوشی میں دھمال ڈالتے ہیں۔ ہمارے سنگی ساتھی بھی ڈھول پیٹ پیٹ کر دھوم دھڑ کا کرتے ہیں۔ خوشیاں مناتے ہیں اور اس بار تو......'' لاڈو نے کچھ کہتے کہتے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

''اور کیا ہو گا اس بار؟'' نرملا نے اسے معنی خیز نظروں سے گھورا۔ ''تو چپ کیوں ہو گئی؟''

''وہ...... میں نے رگھوبیر کا ذکر کیا تھا نا آپ سے۔'' اس کے دل کی دھڑکنیں قابو سے باہر ہونے لگیں۔ ''گوپال چاچا بتا رہا تھا کہ بابا نے اس کی اور میری مہورت نکلوا لی ہے۔''

''مبارک ہو تجھے۔'' نرملا نے بے تکلفی سے کہا' پھر مدھم لہجے میں بولی۔ ''کانتا نے شاید اسی خوشی میں کل پھر تیری دعوت کی ہے۔''

''نہیں چھوٹی بی بی!'' لاڈو نے اپنی حیثیت بھول کر کھرا سا جواب دیا۔ ''مجھے گاؤں جانے کی بہت ساری تیاری کرنی ہے۔ آپ میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر کانتا دیدی سے معافی مانگ لیں۔''

''معافی مانگنے کا سمے بیت گیا لاڈو رانی! اب تو کانتا کی دعوت سے انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔'' نرملا نے الفاظ چباتے ہوئے کھردرا انداز اختیار کیا۔

''کیا مطلب؟'' لاڈو نے حیرت سے پوچھا۔

''مطلب میں سمجھاتی ہوں تجھے۔'' نرملا نے روکھے لہجے میں کہا' پھر اپنی الماری سے ایک سفید رنگ کا لفافہ نکال کر لاڈو کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ''کانتا کا دعوت نامہ بند ہے اس لفافہ میں۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اس کے بعد بھی تو نے انکار کیا تو پھر رگھوبیر اور تیری لگن بھی ٹوٹ جائے گی۔''

لاڈو حیرت سے نرملا کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا' پھر اس نے دھڑکتے دل سے لفافہ کھولا تو پہلی ہی تصویر میں اسے جو کچھ نظر آیا اس نے لاڈو کو بہت کچھ سمجھا دیا۔ اس کی آنکھیں یوں کھلی کی کھلی رہ گئیں' جیسے کسی نے مرچیں کوٹ کر بھر دی ہوں۔ اس کا پورا وجود جیسے خزاں کی لپیٹ میں آ گیا۔ دل کی دھڑکنیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ دماغ میں تیز آندھی کے گرم جھکڑ چل رہے تھے۔ ایک پل میں وہ بلندی پر کھڑے کھڑے ٹھوکر کھا کر گری تو جیسے کسی اندھے کنویں کے گھپ اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔

لاڈو کے من نے گواہی دی کہ اس روز کانتا کی خواب گاہ میں اس نے دنیش کا دھندلا دھندلا سا جو چہرہ دیکھا تھا وہ کوئی جھوٹا سپنا نہیں بڑی سچی اور بھیانک حقیقت تھی۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے نرملا کو دیکھا پھر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ جب ''کھڑی فصل'' کو پہلے ہی گھن لگ چکا تھا تو پھر وہ شکوہ کس سے کرتی؟ کس بات کا کرتی؟

❀❀❀

کچرا

شانتی نگر کی آبادی زیادہ سے زیادہ آٹھ دس ہزار ہی ہوگی' لیکن یہاں جیون بڑے سکھ اور چین سے گزر رہا تھا۔ پتا جی انجینئر تھے' مگر انہیں کام کاج کی چنتا میں شہروں کی طرح بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑتی تھی۔ شانتی نگر کی آبادی جیسے جیسے پھیلتی جا رہی تھی' اسی انوسار دھرتی کا سینہ چیر کر نئی نئی عمارتیں' کارخانے اور سکول بھی بنائے جا رہے تھے۔ ترقی کے اس دھارے میں پتا جی بھی پورے تن من دھن سے شامل تھے۔

ہم کو دو کمروں کا ایک مکان کنسٹرکشن کمپنی کی طرف سے ملا تھا' جہاں ہم سکھ سے رہتے تھے۔ ایک کمرا پتا جی اور ماتا جی کا تھا جبکہ دوسرا میرے قبضے میں تھا۔ صحن کافی بڑا تھا' جس کے بیچ و بیچ نیم کا ایک پرانا اور گھنا درخت بھی تھا' جس پر میں نے جھولا ڈال رکھا تھا۔ شام کو میری دو تین سکھیاں آ جاتی تھیں اور ہم مل کر جھولا جھولتے تھے۔ پتا جی نے اپنے ملنے جلنے والوں کیلئے صحن کے پچھلے حصے میں ایک کمرا اور بنا لیا تھا۔ تین آدمیوں کے رہنے کیلئے وہ چھوٹا سا کوارٹر نما مکان کافی تھا۔

میں اس وقت ایک مڈل سکول کی چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی اور اپنی کلاس میں ہمیشہ دوسرے یا تیسرے نمبر پر آتی تھی۔ اسی کارن مجھے سکول کی ٹیچروں کے علاوہ میری جماعت کی دوسری لڑکیاں بھی پسند کرتی تھیں۔ اس وقت میری عمر کیول (صرف) بارہ سال تھی' لیکن کاٹھی اور اٹھان اچھا کھانے پینے کے کارن ایسی تھی کہ میں اپنی کلاس میں سب سے بڑی لگتی تھی۔ بھگوان جانے سچ تھا یا جھوٹ' لیکن میری استانیوں کے علاوہ میری سکھیاں بھی مجھے سب سے سندر سمجھتی تھیں۔ آج بھی مجھے یاد ہے ایک دن میری کلاس کی مانیٹر جمنا نے مجھے اکیلے میں روک کر پوچھا تھا۔

''سچ بتانا کملا! تیری اس سندرتا کا بھید کیا ہے؟''

''کیسا بھید؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا تو جمنا کی بے چین نظریں میرے شریر پر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔

''بھوجن کے علاوہ تو اور کیا کیا کھاتی ہے؟'' جمنا نے شریر نظروں سے میرے انگ انگ کو ٹٹولتے ہوئے دوسرا سوال کیا تو میں الجھ سی گئی۔

''تجھے کس بات کی کھوج لگی ہے جو تیرے پیٹ میں مروڑ ہو رہی ہے؟''

جمنا میرے جواب پر مسکرا دی۔ وہ کلاس کی سب سے ذہین اور سمجھدار لڑکی تھی' اسی لئے اسے مانیٹر بنایا گیا تھا۔ ہمیشہ اوّل آتی تھی۔ پوری کلاس کی لڑکیوں کا خیال رکھتی اور پڑھنے لکھنے میں کسی کی سہائتا کرنے سے بھی کبھی نظریں نہیں چرائی تھی۔ ویسے بھی وہ شانتی نگر کے پولیس انسپکٹر کپور ناتھ کی اکلوتی لڑکی تھی' اس لئے سکول کی ہیڈ مسٹریس کے علاوہ دوسری تمام ٹیچرز بھی اس کا خیال رکھتی تھیں۔ خاص طور پر انگریزی پڑھانے والی ٹیچر مس بینا ماتھر تو جمنا پر جان چھڑکتی تھی۔

بینا ماتھر سندر ہونے کے علاوہ شوخ اور چنچل بھی تھی۔ اس کا پورا شریر کسی زیور ہی کے انوسار جگمگ جگمگ کرتا نظر آتا تھا۔ بوٹی بوٹی اس طرح تھرکتی تھی جیسے اس کے کول شریر کے اندر خون کے بجائے پارا دوڑ رہا ہے۔ تنگ لباس میں اس کے شریر کے نشیب و فراز جیسے سرکشی کرتے دکھائی دیتے تھے۔ گوری چٹی ہونے کے علاوہ بھرے بھرے جسم کی مالک بھی تھی۔ جانے کون سی خوشبو استعمال کرتی تھی کہ جدھر سے گزر جاتی...... سارا ماحول مہک اٹھتا تھا۔

سکول کی ساری لڑکیاں بینا ماتھر سے پیار کرتی تھیں۔ لیکن ہیڈ مسٹریس اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ اس ناپسندیدگی والے راز سے بھی جمنا ہی نے پردہ اٹھایا تھا۔

''ہماری بینا کماری کتنی سندر اور پیاری پیاری ہیں' لیکن ہیڈ مسٹریس کا بس نہیں چلتا کہ بینا جی کو کھڑے گھاٹ سکول سے باہر کر دیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''ہیڈ مسٹریس تو ہمیشہ اپنی بینا جی کے گن گاتی نظر آتی ہیں۔''

''وہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔'' جمنا نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''تم نے کبھی پرکاش کا نام سنا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

''اپنے سکول کے مالک کا نوجوان بالک ہے۔ بڑا گبرو جوان ہے۔'' جمنا نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ ''پرکاش اور اپنی بیناجی کے درمیان پیچ بھی لڑ رہی ہے' اسی کارن ہیڈ مسٹریس کوئی قدم اٹھانے سے ڈرتی ہے۔''

''میں سمجھی نہیں۔'' میں نے جمنا کو گھور کر دیکھا۔ ''پیچ تو گڈیوں (پتنگوں) کے درمیان لڑتی ہے۔ اس کا بیناجی اور پرکاش سے بھلا کیا سمبندھ؟''

''تو ابھی بھولی بھالی ہے کملا! ان باتوں کا مطلب نہیں سمجھتی۔''

''تو پھر تو سمجھا دے نا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''چکر دے کر باتیں کیوں کرتی ہے؟''

''پیچ لڑانے سے میرا مطلب یہ تھا کہ پرکاش اور بیناجی ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں۔'' جمنا دیدے مٹکا کر بولی۔ ''چھپ چھپ کر ایک دوسرے سے ملتے بھی ہیں۔ یہ بھید ہیڈ مسٹریس کو بھی معلوم ہے۔''

''تو نے دیکھا ہے ان دونوں کو چھپ چھپ کر ملتے؟'' میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ ''کسی کے بارے میں ایسی پاپ کی باتیں زبان سے نکالنا لڑکی ہو کر تجھے شوبھا نہیں دیتا؟''

''ٹھیک ہے۔'' جمنا روٹھے انداز میں بولی۔ ''میں اب تیرے ساتھ کبھی ایسی باتیں نہیں کروں گی۔ تجھے اپنی سکھی جان کر زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں لیکن تو بات بات پر لال مرچ بن جاتی ہے۔''

جمنا جانے کے ارادے سے اٹھنے لگی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

''چل شما کر دے' لیکن تو بھی تو گھما پھرا کر ناک پکڑتی ہے۔ کھل کر کیوں نہیں کرتی بات۔''

''کھل کر بات کروں گی تو بھی تیرے پلے خاک نہیں پڑے گا۔''

''اور تیرے پلے کس طرح پڑ جاتا ہے؟'' میں پھر بھنا گئی۔

''میں پولیس انسپکٹر کی پتری ہوں۔'' جمنا بھی اکڑ کر بولی۔ ''میرے پتاجی کو پھوکٹ کی پگار نہیں ملتی۔ بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ بڑا کھوج لگانا پڑتا ہے۔ جان جوکھم میں ڈالنی پڑتی ہے تب کہیں کھرے کھوٹے کا پتا چلتا ہے۔ راج پاٹ سنبھالنے والے پھوکٹ میں وردی نہیں بانٹتے۔ ملش کو پوری طرح ٹھونک بجا کر پرکھا جاتا ہے۔''

''پھر روٹھ گئی مجھ سے۔'' میں نے جمنا کو منانے کی کوشش کی۔

''بات بات پر تیری تھوتھنی بھی تو پھول جاتی ہے۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''اچھا چل چھوڑ! اب یہ بتا کہ تو نے بینا جی اور پرکاش کے چوری چوری ملنے کا کھوج کہاں سے لگا لیا؟''

''یوں نہیں......'' جمنا نے کہا۔ ''پہلے وچن دے کہ پھر تو منہ ٹیڑھا کر کے بات نہیں کرے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے پیار سے جواب دیا۔ ''اب تیرے میرے درمیان پکی دوستی رہے گی، پرنتو ایک بات تو بھی اپنی گانٹھ سے باندھ لے کہ تو بھی سیدھی سیدھی بات کرے گی۔''

''ایک شرط اور بھی ہوگی۔'' جمنا نے پھر مجھے سر سے پاؤں تک چنچل نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں اور تو آپس کی جو بات ہوگی وہ کسی اور سے نہیں کہیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں وچن دیتی ہوں کہ تیری بات کسی اور سے نہیں کروں گی۔''

جمنا نے ادھر ادھر دیکھا پھر میرے اور قریب آ کر بولی۔ ''میں نے پتا جی اور ماتا جی کو مس بینا اور پرکاش کے بارے میں باتیں کرتے سنا تھا۔''

''اچھا۔'' میرے اندر کھلبلی شروع ہوگئی۔ ''کیا کہہ رہے تھے تیرے پتا جی؟''

''ان کا خیال ہے کہ پرکاش نے اپنی بینا جی سے شریر کا بندھن بھی گانٹھ رکھا ہے۔'' جمنا نے سرگوشی کی۔ ''پرکاش، بینا جی کو اپنی چم چم کرتی گاڑی میں بٹھا کر سنیچر کے سنیچر شہر سے کہیں دور سیر کرانے لے جاتا ہے۔''

''اور بینا جی کے ماتا پتا کچھ نہیں کہتے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''پتا تو پرلوک سدھار چکے ہیں۔ ایک ماں ہے، وہ بے چاری بھی بیمار رہتی ہے۔ گھر کا سارا بوجھ بینا جی نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔''

''کیا اوروں کو ان دونوں کے چھپ چھپ کر ملنے کی خبر نہیں ہے؟'' میں نے کھوجنے کے کارن سوال کیا۔

''ہوگی...... جبھی تو ہیڈ مسٹریس بینا جی کو پسند نہیں کرتی۔''

''اور پرکاش کے پتا......؟''

''یہی سوال میری ماتا جی نے بھی پتا جی سے کیا تھا۔'' جمنا کسمسا کر بولی۔ ''جانتی ہے پتا جی نے کیا جواب دیا؟''

''کیا؟''

''سیانے لوگ اڑیل گھوڑے اور جوان بالک کو لگام دینے میں جلد بازی نہیں کرتے۔ سوچ بچار کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔''

''اور شریر کا بندھن گانٹھنے والی کیا بات تھی؟'' میں نے جمنا سے دبی دبی زبان میں پوچھا۔

''تیرا سر......'' جمنا نے مسکرا کر چٹکی بھری پھر جب اس نے تھم تھم کر سمجھایا بتایا......تو میرے شریر پر جیسے چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

''یہ تو بڑے پاپ کی بات ہے۔'' میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

''اسی کارن تو تجھے زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں پگلی۔'' جمنا کسی استانی کی طرح دیدے نچا کر بولی۔ ''دو چار گر کی باتیں ابھی سے سیکھ لے۔ چڑیاں کھیت چگ گئیں تو پھر پچھتانے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''تجھے ایسی باتیں کرتے لاج نہیں آتی؟'' میں نے جمنا کی بات کا مطلب سمجھ کر اسے گھورا تو مسکرا کر بولی۔

''تیری مرضی۔ لاج کا پلو تھامے بیٹھی رہ۔ پرنتو ایک بات دھیان سے سن لے۔ چڑھتی فصل سے پہلے سیانے بھی کیڑے مار دوا کا استعمال کرتے ہیں کہ کہیں کیڑے یا ٹڈی دل انسان کی سال بھر کی محنت پھوکٹ میں چٹ نہ کر جائیں۔''

کھانے کا سمے ختم ہونے کی گھنٹی بجی تو ہم دونوں اٹھ کر واپس کلاس روم میں آ گئے۔ جمنا کی باتیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ خاص طور پر مس بینا اور پرکاش والی کہانی کے تانے بانے میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ بینا جی، جمنا کا دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں بہت خیال رکھتی تھیں، جبکہ ان دونوں کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ جمنا پڑھائی میں سب سے آگے آگے رہتی تھی۔ کھیل کود کے میدان میں بھی اس کا پلڑا بھاری رہتا تھا۔ سکول کی صفائی ستھرائی میں بھی وہ بڑھ چڑھ کر بھاگ لیتی تھی لیکن اس کے علاوہ کوئی نہ کوئی کارن ضرور تھا، جس نے جمنا کو مس بینا کے بہت قریب کر رکھا تھا۔ میں نے اس کا کھوج لگانے کی خاطر اپنی بدھی پر جتنا زور ڈالا اتنا ہی الجھتی گئی۔ بہت سارے الٹے سیدھے خیال من ہی من میں الجھاوے ڈالتے رہے۔

سکول سے میرا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم چار چھ سکھیاں ایک ہی علاقے میں رہتے تھے، اس لئے ہنستے بولتے پیدل ہی سکول آتے جاتے تھے۔ جمنا کیلئے اس کے پتا کی گاڑی آتی تھی جسے

بڑی بڑی مونچھوں والا ہٹا کٹا ڈرائیور چلاتا تھا۔

دو تین روز تک مجھے اکیلے میں جمنا سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ''چڑیاں چگ گئیں کھیت'' اور کھڑی فصل پر کیڑا مار دواؤں کا چھڑکاؤ'' والی بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ اس کے علاوہ میں گر کی وہ باتیں بھی جاننا چاہتی تھی جو جمنا نے بتانے کی کوشش کی تھی۔

جمنا مجھ سے عمر میں دو سال بڑی ہونے کی وجہ سے زیادہ تجربے کار بھی تھی۔ پولیس انسپکٹر کی اکلوتی بیٹی تھی، اس لئے شانتی نگر میں ہونے والے دنگے فساد کے علاوہ دوسری خبریں بھی اس کے کانوں تک سب سے پہلے پہنچ جاتی تھیں۔ روپ رنگ میں وہ مجھ سے زیادہ نہیں تھی، لیکن اچھا کھانے پینے کے کارن وہ کسی سے کم بھی نہیں تھی۔ بھرا بھرا جسم پستہ قد ہونے کے سبب کچھ زیادہ ہی غضب ڈھاتا تھا۔ قیمتی ریشمی کپڑے اس کے بدن پر سجتے تھے۔ پوری کلاس میں جمنا ایک ہی لڑکی تھی جو انگیا پہنتی تھی اور دوسروں کے سینوں کو ٹکر ٹکر دیکھا کرتی تھی، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ سب سے گھل مل کر رہنے کی عادی تھی۔

چوتھی جماعت کے امتحان شروع ہوئے تو سب ہی لڑکیاں اپنی اپنی کتابوں میں جت گئیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی میں نے پڑھائی پر بہت دھیان دیا۔ میری آشا تھی کہ کسی طرح کلاس میں اوّل آ کر جمنا کو نیچا دکھا سکوں۔ میرے من میں کوئی کھوٹ یا جمنا کی طرف سے کوئی میل نہیں تھا...... بس اوّل آنے کی ایک اپنی ہی خواہش (اچھا) تھی جو مجھے بیاکل کر دیتی تھی، لیکن چوتھی جماعت میں بھی وہی ہوا جو پہلے ہوتا چلا آیا تھا۔ دو مہینے بعد رزلٹ آیا تو جمنا نے پھر پالا مار لیا۔ میرے اور اس کے بیچ پندرہ نمبروں کا فرق تھا۔

کلاس کی دوسری لڑکیوں کی طرح میں نے بھی جمنا کو دل سے مبارکباد دی۔ جمنا نے اپنے اول آنے کی خوشی میں پورے سکول کی لڑکیوں میں اصلی گھی سے بنے بیسن کے لڈو تقسیم کیے تو میں نے پوچھا۔

''یہ تو ہر سال بیسن کے لڈو کیوں بانٹتی ہے؟''

''مجھے بسنتی رنگ پسند ہے...... ہاں ایک کارن اور بھی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں شوخی مچلنے لگی۔

''وہ کیا؟''

''کبھی میرے ساتھ سرسوں کے کھیت میں چلنا تو تفصیل سے بتاؤں گی۔'' جمنا نے کہنی مار

کرایک آنکھ جھپکائی تو میں اس کی ڈھٹائی پر بھی دنگ رہ گئی۔

"تو نے کہاں سے سیکھی ہیں یہ لچھے دار باتیں؟"

"تو بھی سیکھ لے۔ آج کا سیکھا کل تیرے ہی کام آئے گا۔" جمنا کی نظروں میں بدستور شوخی مچل رہی تھی۔

میں جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دو چار سکھیاں اور آ گئیں۔ جمنا سے تنہائی میں گُر کی باتوں کی آشا دل ہی دل میں مچل کر رہ گئی۔ اس کے بعد حالات نے اچانک ایسا پلٹا کھایا کہ میں ساری چوکڑی بھول کر ماں کا دکھ بانٹنے میں اس کے سینے سے لگ کر رہ گئی۔ ہمارے بسے بسائے گھر اور اس کی خوشیوں کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔

ایک روز شام کو میں اپنی سکھیوں کے ساتھ جھولے میں بیٹھی پینگیں لے رہی تھی' جب باہر گلی میں لوگوں کا شور و غل شروع ہو گیا۔ ہمارے دروازے کو کسی نے باہر سے زور زور سے پیٹا تو ماں بھی رسوئی گھر سے نکل کر باہر آ گئی۔ میں بھی جھولے سے اتر کر دروازے کی طرف لپکی' پھر جب دروازہ کھلا اور دو تین آدمی پتا جی کو ہاتھوں میں اٹھائے اندر داخل ہوئے تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ماں بھی دیوانوں کی طرح سر پیٹ پیٹ کر اپنے سہاگ کی دہائی دینے لگی۔

پتا جی کے پورے شریر پر خون ہی خون نظر آ رہا تھا۔ گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ ہمارا کچا صحن آدمیوں سے بھر گیا۔ دو منٹ بعد ڈاکٹر بھی آ گیا' لیکن بھاگ کا لکھا پورا ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے نبض دیکھی...... پتا جی کے سینے پر سر رکھ کر دھڑکنوں کا بھید بھاؤ جاننے کی کوشش کی' پھر جب اس نے مدھم آواز میں پتا جی کی موت کی خبر سنائی تو ماں پچھاڑے کھاتے کھاتے بے ہوش ہو گئی۔ میں بت بنی پتا جی کو آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی جو تخت پر بے جان پڑے تھے۔

"کملا!" میرے قریب کھڑی روپا نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "چاچا جی تو بھگوان کو پیارے ہو گئے۔"

میں نے چونک کر روپا کو دیکھا پھر دیوانوں کی طرح لپک کر پتا جی کے اکڑے ہوئے شریر سے چمٹ گئی۔ محلے کے بڑوں نے مجھے زبردستی گھسیٹ کر لاش سے علیحدہ کیا۔ عورتیں ماتا جی کو اٹھا کر اندر لے گئیں۔ ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے۔ کسی نے کہا۔ "ٹرک چلانے والے نے شاید دارو پی رکھی تھی۔" دوسرے نے دبی زبان میں اسے نردوش قرار دیتے ہوئے کہا۔

"موت کا سمے آچکا تھا' اس لئے انجینئر صاحب جلدی میں سڑک پار کرتے ہوئے ٹرک کی لپیٹ میں آ گئے۔ ٹرک والے نے تو بریک لگانے کی کوشش کی تھی لیکن......"

غرض جتنے منہ اتنی باتیں...... لیکن مرنے والا دھرتی سے سارے سمبندھ توڑ کر پرلوک سدھار چکا تھا۔ پتاجی کے سنگی ساتھی کریا کرم کی بھاگ دوڑ میں لگ گئے۔ اسی رات پرانے شمشان گھاٹ پر پتاجی کی چتا کو آگ لگا دی گئی۔ ماں کی چیخ پکار اور میری آنکھوں سے ساون بھادوں کی طرح برسنے والے آنسو بھی کسی کام نہ آ سکے۔ دیکھتے ہی دیکھتے...... سب کچھ راکھ ہو گیا...... ساری خوشیاں خاک میں مل گئیں۔ ایک منش کی موت نے پورے پریوار کو گھپ اندھیروں میں دھکیل دیا۔ بھگوان کی مرضی یہی تھی۔ اس پر منش کا کوئی ادھیکار نہیں۔

کنبے کے دو چار لوگ اور مرنے والے کے متر دس بارہ دنوں تک چکر لگاتے رہے۔ جگت ریت کے انوسار من بہلانے کی باتیں کرتے رہے' پھر سارا بوجھ میری ودھوا ماں کے کاندھوں پر آ پڑا۔ سارے رشتے دار ایک ایک کر کے کنی کاٹنے لگے۔

تین مہینے پلک جھپکتے بیت گئے۔ میرا اسکول جانا بھی چھوٹ گیا۔ سارے سپنے ایک ایک کر کے چکنا چور ہو گئے...... پھر ایک دن کنسٹرکشن کمپنی کی طرف سے مکان خالی کرنے کا نوٹس بھی آ گیا' جس میں کیول ایک مہینے کا سمے دیا گیا تھا۔

میری ماں غموں کا بوجھ کاندھوں پر اٹھائے دربدر بھٹکتی رہی۔ ہمارے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ سب سے پہلے ماں نے کنسٹرکشن کمپنی والوں کی منت سماجت کی' لیکن ان کی بھی اپنی مجبوریاں تھیں۔ جب پتاجی کو نوکری ملی تھی...... اس وقت کسی اور کو وہ مکان چھوڑنا پڑا تھا۔ اب ہماری باری تھی۔ نہ چاہنے کے باوجود ماں نے ایک دو قریبی عزیزوں کے گھر کے چکر بھی لگائے' لیکن کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ ملی۔ ماں کی بپتا سننے کے بجائے سب ہی اپنا کوئی نہ کوئی رونا لے کر بیٹھ گئے۔ ماں اپنا سا منہ لئے واپس آ گئی۔

میری ماں کی عمر اس سمے اٹھائیس انتیس سال سے زیادہ کی نہیں ہو گی۔ وہ سندر بھی تھی' جوان بھی اور صحت مند بھی۔ کبھی وہ اپنے گھر میں مہارانیوں کی طرح راج کرتی تھی۔ آج قسمت نے اسے دربدر ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ سمے جیسے جیسے بیت رہا تھا...... ماں کی پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ مجبور ہو کر اس نے کوٹھیوں میں رہنے والوں کی دہلیز پر بھی قدم رکھا۔ وہ دوسروں کے برتن باسن دھونے کی ملازمت کر کے بھی سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا حاصل کرنے پر آمادہ ہو گئی

تھی، لیکن اس کی سندرتا...... اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ پرش جات کے قدم ڈگمگاتے دیر نہیں لگتی۔ یہی وجہ تھی کہ کوٹھی بنگلوں میں رہنے والی عورتوں نے بھی ماں کو سہارا دینے کا خطرہ مول نہیں لیا۔

پتا جی کی جو کچھ جمع پونجی تھی وہ تھوڑا تھوڑا کر کے خرچ ہوتی جا رہی تھی۔ جب نوٹس کی مدت...... ایک ہفتے رہ گئی تو ماں کی پریشانی بھی بڑھ گئی۔ کمپنی والے کسی قیمت پر بھی زیادہ مہلت دینے کو تیار نہیں تھے۔ پریوار کے لوگ پہلے ہی اپنے اپنے کوارٹروں کو کنڈی لگائے بیٹھے تھے۔ کسی کے من میں بھی ایک ودھوا کیلئے کوئی دیا نہیں جاگی۔ سب اپنی اپنی کھال میں مست تھے!

''اب کیا ہوگا ماں؟'' میں نے ایک دن بسورتے ہوئے پوچھا۔

''نراش مت ہو میری گڑیا!'' ماں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے مجھے گھسیٹ کر اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ ''ایشور کی دھرتی کبھی اپنے پجاریوں پر تنگ نہیں ہوتی۔ وہ کوئی نہ کوئی بندوبست اوش کرے گا۔ اور اگر......'' ماں نے کچھ کہتے کہتے اچانک زبان بند کی تو میں نے تڑپ کر پوچھا۔

''تو...... تو چپ کیوں ہوگئی ماں! کیا تجھے امید کی کوئی کرن نظر آ رہی ہے؟''

''ہاں۔'' ماں نے آنسو پیتے ہوئے بڑی دکھی آواز میں کہا۔ ''کہیں اور سر چھپانے کا ٹھکانا نہ ملا تو ہم کسی دھرم شالہ یا مندر میں کچھ دنوں رہ لیں گے۔ میں نے پجاری مدن لال سے بات کی تھی۔ وہ ہمیں ایک کھولی دینے کو تیار ہے لیکن......''

''لیکن کیا ماں؟''

''تو چنتا مت کر میری رانی بیٹی!'' ماں نے مندر کی کھولی والی بات گول کر کے کہا۔ ''دھرتی ہمارے اوپر تنگ ضرور ہوگئی ہے...... پرنتو بھگوان ابھی اتنا کٹھور نہیں ہوا کہ ہمیں کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہ دے۔ تو دیکھنا کملا...... وہ کوئی نہ کوئی چمکتکار اوش کرے گا۔''

ماں کی زبان سے نکلی وہ بات خالی نہیں گئی۔ نوٹس کی گھڑیاں ختم ہونے میں کیول دو دن باقی رہ گئے تھے کہ اچانک گوپال چاچا آ گئے۔ شانتی نگر آنے سے پہلے ہم جہاں رہتے تھے، وہاں گوپال چاچا بھی پتا جی کے ساتھ ایک کمپنی میں کام کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے گوپال چاچا شادی شدہ تھے۔ ان کی دھرم پتنی بڑی لڑاکا اور تنک مزاج تھیں۔ آئے دن گوپال چاچا اور ان کے درمیان ذرا ذرا سی بات پر دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا ہو جاتا تھا، لیکن ان کی بیٹی سرلا مجھے گڑیا جیسی سندر اور پیاری پیاری لگتی تھی۔

گوپال چاچا کے اچانک آنے سے مجھے بھی خوشی ہوئی۔ ماں نے بھی ان کا سواگت کرنے میں کوئی کنجوسی نہیں کی۔ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی بات ہوتی رہی' پھر گوپال چاچا نے دبی زبان میں ماتا جی سے کہا۔

"للیتا جی! جو کچھ اوپر والے کو منظور تھا وہ پورا ہو گیا' لیکن اب آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"اب سوچنے کو کیا رہ گیا ہے؟" ماں کی سندر سندر آنکھوں میں نیر بھر آئے...... وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ "کمپنی نے مکان خالی کرنے کا جو نوٹس دیا تھا...... اس کا سمے پورا ہونے میں ابھی ایک دو دن باقی ہیں۔"

"پھر کہیں رہنے کا کوئی بندوبست ہوا؟"

ماں نے ساڑھی کے پلو سے آنکھوں کے آنسو خشک کئے' پھر نفی میں گردن ہلا کر رہ گئیں۔ کہنے کو رہ بھی کیا گیا تھا۔

"کیا نوٹس کی مدت کچھ اور نہیں بڑھ سکتی؟" گوپال چاچا نے کہا۔ "میں بات کروں' ان لوگوں سے؟"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" ماں نے بسورتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بنتی کر کے دیکھ چکی ہوں۔"

"پھر آپ کہاں رہیں گی؟"

"جہاں بھاگ میں لکھا ہوگا۔" ماں نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا آپ کا ارادہ یہیں شانتی نگر میں رہنے کا ہے؟"

"اب تو ساری دھرتی میرے لئے ایک جیسی ہے۔" ماں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "جب میرے ماتھے کا سیندور ہی اجڑ گیا تو پھر جہاں بھی سر چھپانے کا ٹھکانا مل جائے...... وہیں جانا پڑے گا۔"

گوپال چاچا نے جواب میں ماں کو غور سے دیکھا' پھر مجھ سے بولے۔ "تمہاری پڑھائی کا کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوا۔" میں نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"کیا سکول میں نہیں پڑھتی تھی؟"

"چوتھی جماعت پاس کر چکی ہے۔" ماں نے آہستہ سے کہا۔ "ہمیشہ کلاس میں دوسری

تیسری پوزیشن حاصل کرتی تھی۔ پرنتو اب پتا کے بعد اس کی پڑھائی بھی چھوٹ گئی۔''

''ایک بات کہوں للیتا جی! مانو گی؟'' گوپال چاچا کچھ دیر خاموشی کے بعد بولے۔

''کیا؟''

''تم میرے ساتھ چل کر رہو۔ جب کوئی دوسرا بندوبست ہو جائے تو چلی جانا۔''

''آپ کی بڑی کرپا گوپال جی، لیکن برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟''

''کہیے۔''

''نرملا سے میری ایک دن بھی نہیں بنے گی اور میں نہیں چاہتی کہ میرے کارن آپ کے گھر کا سامان.....''

''وہ تو دو سال پہلے ہی برباد ہو چکا ہے۔'' گوپال چاچا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''تین کمروں کے مکان میں اب میرے سوا اور کوئی نہیں رہتا۔''

''آپ کا کام کیسا چل رہا ہے؟'' ماں نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''بھگوان کی دیا ہے۔'' گوپال چاچا نے مختصر جواب دیا۔ ''پہلے سے بہت بہتر ہے۔''

''گھر میں اور کون رہتا ہے؟''

''میرا وہی پرانا ملازم راموکاکا' دوسرے ملازم صبح آتے ہیں اور ضروری کام کر کے چلے جاتے ہیں۔'' گوپال چاچا نے تفصیل بتائی۔ ''میں رات گئے گھر جاتا ہوں تو راموکاکا بھی میرا بھوجن پانی کر کے سرونٹ کوارٹر میں چلے جاتے ہیں۔''

''کملا!'' ماں نے مجھے پہلی بار مخاطب کر کے کہا۔ ''جا میرے پرس سے پیسے نکال اور اپنے گوپال چاچا کیلئے بھاگ کر برف لگی کوئی ٹھنڈی بوتل پکڑ لا۔''

میں ماں کے کہنے پر اٹھ کر چلی گئی۔ دس منٹ بعد جب بوتل لے کر پلٹی تو ماں گوپال چاچا سے کہہ رہی تھی۔

''تم دنیا والوں اور پاس پڑوس کے لوگوں سے کیا کہو گے؟''

''کہوں گا کیا۔'' گوپال چاچا بڑے ٹھوس لہجے میں بولے۔ ''کیا کپور ناتھ میرا متر' میرا بھائی نہیں تھا؟ یا تم میری بھرجائی ہونے سے انکار کرو گی؟''

''وہ تو سب ٹھیک ہے گوپال لیکن تم نے ایک بات پر دھیان نہیں دیا۔''

''وہ کیا؟''

”منش مارنے والے کا ہاتھ تھام سکتا ہے‘ لیکن بولنے والوں کی زبانوں پر تالے نہیں ڈالے جاسکتے۔“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں پرنتو اس کی نوبت نہیں آئے گی۔“

”اور اگر کبھی آ گئی تو؟“ ماں نے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

”اگر ایسا کوئی سمے آیا تو تم کسی دوسری جگہ چلی جانا۔“ گوپال چاچا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”تمہاری طرح مجھے بھی اپنی عزت پیاری ہے۔ میں کاروباری آدمی ہوں۔ خود بھی اس بات کو پسند نہیں کروں گا کہ کوئی ہماری طرف انگلی اٹھائے۔ میں تمہارے لئے کوئی دوسرا بندوبست کردوں گا‘ جہاں تمہارے اور کملا کے سوا کوئی اور نہیں ہوگا۔“

”پھر سوچ لو گوپال!“ ماں نے کھلے دل سے کہا۔ ”میں نہیں چاہتی کہ میرے کارن تمہیں دوسروں کی باتیں سننی پڑیں۔“

”تم اس کی چنتا مت کرو۔ بس آج ہی سے اپنا سامان باندھنا شروع کردو۔ میں دو دن بعد ٹرک لے کر آؤں گا۔ تم اور کملا تیار رہنا۔“

ماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گوپال چاچا نے جاتے جاتے مجھے لپٹا کر بڑی اپنائیت سے پیار کیا‘ پھر خاموشی سے گردن جھکا کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ماں بھی نہ جانے کیوں خاصی دیر تک اپنے خیالوں میں گم رہی‘ پھر چاروناچار ہم نے اپنے گھر کے برتن باسن سمیٹنے شروع کردیئے۔ گوپال چاچا اپنے دیئے ہوئے وچن کے انوسار دو دن بعد ایک بڑا سا ٹرک لے آئے اور ہم لوگ شانتی نگر کو چھوڑ کر رائے پور آ گئے‘ جس کی آبادی شانتی نگر سے تین گنا زیادہ تھی۔ گورنمنٹ سکول اور کالج بھی تھے۔ ذاتی طور پر مجھے رائے پور شانتی نگر سے زیادہ اچھا لگا تھا۔

❁❁❁

گوپال چاچا نے جسے تین کمروں کا مکان کہا تھا...... وہ مجھے کسی کوٹھی یا بنگلے سے کم نہیں لگا۔ چار سو گز پر بنا ہوا وہ مکان بڑا ہی سندر اور من موہ لینے والا تھا۔ تین کمرے تو صرف رہائشی تھے۔ اس کے علاوہ ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم بھی تھا۔ سامنے کی طرف ایک چھوٹا سا لان بھی تھا۔ پچھلی طرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے بھی بنے ہوئے تھے‘ جن میں سے ایک میں رامو کاکا رہتے تھے۔

ڈرائنگ اور ڈائننگ کے علاوہ ایک کمرا نیچے تھا۔ کچن بھی نیچے ہی تھا۔ اوپر کے دونوں کمرے تقریباً ایک ہی سائز کے تھے۔ ایک کے سامنے مختصر سی بالکونی تھی جبکہ دوسرے کے ساتھ

ٹیرس تھا، جس کا راستہ دوسرے کمرے سے تھا۔ ٹیرس کے اوپر چھت بھی تھی۔

میں پہلی ہی نظر میں اس مکان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ پورے گھر کی اس طرح جانچ پڑتال کرنے لگی جیسے وہ میرا اپنا گھر ہو۔ راموکاکا اور ڈرائیور سامان اتروانے میں مزدوروں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ میں اوپر نیچے ایک ایک کونے کھدرے میں دوڑتی پھر رہی تھی۔ گوپال چاچا اور میری ماتا نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

جہاں مجھے مکان مل جانے کی خوشی تھی، وہاں ایک الجھن بھی مجھے رہ رہ کر بیاکل کر رہی تھی۔ گوپال چاچا بڑے آڑے وقت پر ہمارے کام آئے تھے۔ ہمارے سر چھپانے کیلئے انہوں نے اپنے خوبصورت مکان کی چھت خوشی خوشی دے دی تھی، لیکن میری ماتا جی ابھی تک نہ جانے کن خیالوں میں گم تھیں؟ ایک بات کا اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ گوپال چاچا اور ماتا جی پہلے سے ایک دوسرے کی جان کاری رکھتے تھے۔ میں بھی نرملا آنٹی اور سرلا کو ابھی تک بھولی نہیں تھی، لیکن گوپال چاچا اور ماتا جی کے بیچ کوئی ایسی بات ضرور تھی، جس نے ماں کو اندر ہی اندر پریشان کر رکھا تھا۔ کیوں؟ اس کا کارن میں نہیں جان سکی تھی۔

پورے گھر کا تفصیلی چکر لگا کر میں نیچے واپس آئی تو اس سمے بھی ماں مجھے گم صم سی نظر آئی۔ گوپال چاچا اپنے صوفے پر بیٹھے...... ماں کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھنے میں مصروف تھے۔ ہمارا بیشتر سامان گاڑی سے اتر چکا تھا۔

''کملا پتر!'' گوپال چاچا نے مجھے دیکھ کر بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ ''کیسا لگا ہمارا گھر؟''

''ایک دم نمبرون!'' میں اپنی خوشی چھپا نہ سکی۔ ''آپ تو چھوٹے موٹے گھر کی بات کر رہے تھے؟''

گوپال چاچا کے جواب دینے سے پہلے راموکاکا اندر آ گئے۔ انہوں نے پہلے ہاتھ باندھ کر میری ماتا کو پرنام کیا، پھر گوپال چاچا سے بولے۔

''صاحب! سامان اتر گیا ہے۔ اب جیسا حکم آپ دیں ویسا کیا جائے۔''

''رام پیاری آج کل کیا کر رہی ہے؟'' گوپال چاچا نے سامان کے بارے میں کوئی جواب دینے کے بجائے ایک نیا سوال کر دیا۔

''پچھلے دنوں وہ نرنجن بابو کے گھر برتن باسن کر رہی تھی، پرنتو پندرہ بیس روز سے گھر بیٹھی ہے۔ شاید اس کا کام چھوٹ گیا ہے۔''

''تم اس سے بات کر کے دیکھنا۔'' گوپال چاچا نے اپنا حکم سنا دیا۔ ''اگر وہ فارغ ہو تو اسے یہاں بلا لو۔ تمہارے ساتھ والا کمرہ بھی خالی ہے۔ رات دن رہنے کی بات کرنا۔ ہفتے میں ایک دن چھٹی بھی ملے گی۔ پگار کی بات تم ہی سوچ سمجھ کر طے کر لینا۔''

''جیسا حکم مالک۔'' راموکاکا نے پھر مطلب کی بات کی۔ ''مہمانوں کا سامان اوپر پہنچا دوں یا...... جیسا آپ کہیں؟''

''تم چلو' میں آتا ہوں۔'' گوپال چاچا نے راموکاکا کو باہر بھیجنے کے بعد ماتا جی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کے روزمرہ کے استعمال کا سامان اور بستر وغیرہ اوپر بھجوا دوں۔ باقی چیزیں نیچے اسٹور میں رکھوائے دیتا ہوں۔ تم بعد میں جیسا مناسب سمجھنا ویسا کر لینا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ماتا جی نے کمزور سی آواز میں کہا۔

''للیتا!'' گوپال چاچا نے ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر دبی زبان میں سوال کیا۔ ''کیا تم خوش نہیں ہو؟''

''نہیں' ایسی بات نہیں ہے۔'' ماں کسمسا کر بولی۔ ''سر چھپانے کیلئے کوئی نہ کوئی ٹھکانا تو تلاش کرنا ہی تھا۔''

''گوپال چاچا!'' میں نے اپنی مرضی کا اظہار کیا۔ ''میں نیچے کے کمرے میں رہوں گی۔ یہاں سے لان بھی صاف نظر آتا ہے۔''

''کملا!'' ماں نے مجھے گھور کر تیز نظروں سے دیکھا۔ ''نیچے کا کمرا مہمانوں کیلئے ہوتا ہے۔ تو میرے ساتھ اوپر ہی رہے گی۔''

گوپال چاچا کے علاوہ مجھے بھی ماں کا وہ روکھا پھیکا جواب کچھ اچھا نہیں لگا۔ میں اٹھ کر ماں کے چرنوں میں بیٹھ گئی۔ گوپال چاچا خاموشی سے باہر جا کر سامان اٹھوانے میں لگ گئے تو ماں نے مجھ سے کہا۔

''کملا! ہم یہاں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ گوپال تمہارے پتا کے پرانے متر ہونے کے ناتے جو کر رہے ہیں' وہ ان کی بڑی کرپا ہے لیکن......''

''کیا ہمیں رہنے کا کوئی اور ٹھکانا مل جائے گا؟'' میں نے بڑی معصومیت سے ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''بھگوان کی دھرتی بہت بڑی ہے میری جان!'' ماں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''جس نے ایک

ٹھکانا کر دیا‘ وہی کوئی دوسرا بندوبست بھی اوش کر دے گا۔“

میں نے ماں کے لہجے میں درد کی کسک محسوس کی تو خاموش ہوگئی۔

دو تین گھنٹوں کے اندر اندر راموکاکا اور گوپال چاچا نے مزدوروں کے ساتھ مل کر سب چیزیں اپنی اپنی جگہ پر رکھوا دیں۔ میں گوپال چاچا اور ماں کے ساتھ اوپر گئی تو ہمارے کمرے میں ساری چیزیں بڑی خوبصورتی سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کے بجائے دو پلنگ بھی نظر آ رہے تھے۔

ماں نے سب کچھ ایک نظر میں دیکھا پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس کی آنکھوں میں نیر بھر آئے۔

”للیتا!“ گوپال چاچا نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ ”کیا تم ابھی تک مجھے غیر سمجھ رہی ہو؟“

”یہ بات نہیں ہے گوپال لیکن......“ ماں پھر کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔

”میں تمہارے من کا بھید سمجھ رہا ہوں۔“ اس بار گوپال چاچا نے سنجیدگی سے کہا۔ ”تم اگر یہاں رہنا پسند نہیں کرتیں تو ٹھیک ہے۔ میں وچن دیتا ہوں کہ پندرہ بیس دن میں تمہارے لئے الگ کسی مکان کا بندوبست کر دوں گا۔“

ماں نے جواب دینے کے بجائے ایک نظر گوپال چاچا کے چہرے پر ڈالی‘ پھر دونوں ہاتھ منہ پر جما کر سسکنے لگی۔ میں نے ماں کو بھینچ کر لپٹا لیا۔ ماں کو چپ کرانے کے اپائے کرنے میں لگ گئی۔ گوپال چاچا کچھ دیر خاموش کھڑے ہونٹ چباتے رہے‘ پھر آہستہ سے پلٹ کر باہر چلے گئے۔

❁❁❁

چار دن بعد گھر میں اوپر کا کام سنبھالنے کیلئے پینتیس چالیس کی رام پیاری بھی آ گئی تو ماں کی طبیعت میں نہ جانے کیوں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا۔ میں اس کا کارن نہیں سمجھ سکی۔ گوپال چاچا نے ایک ہفتے بعد ماں سے پوچھنے کے بعد مجھے ایک گورنمنٹ سکول میں داخل کرا دیا جہاں میرا دل بہت جلدی لگ گیا۔ میں چونکہ پڑھنے میں تیز تھی‘ اس لئے سکول کی ٹیچرز بھی مجھے پسند کرنے لگیں۔

پندرہ بیس دن بڑے سکون سے گزر گئے‘ پھر ایک دن میں سکول سے واپس لوٹی تو اپنے کمرے کے دروازے پر ٹھٹک کر رک گئی۔ اندر سے رام پیاری اور ماں کے درمیان ہونے والی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس روز سکول میں ایک گھنٹے پہلے ہی ایک ٹیچر کو پیش آنے والے

حادثے کے کارن چھٹی ہوگئی تھی اس لئے شاید ماں کو بھی اس بات کا خطرہ نہیں تھا کہ کوئی دروازے سے کان لگائے ان کی باتیں سن رہا ہوگا۔ گوپال چاچا صبح سے نکلتے تھے تو رات گئے واپس آتے تھے اس لئے ماں کو ان کی طرف سے بھی کوئی کھٹکا نہیں تھا۔

"تم قسمت کی بڑی دھنی ہو بہن جی جو گوپال سرکار نے تمہیں اپنے مکان میں شرن (پناہ) دے دی۔" رام پیاری ماں کو سمجھا رہی تھی۔ "اب یہاں سے کہیں جانے کی بھول مت کرنا ورنہ در در بھٹکتی پھرو گی۔ ہاں! تمہاری کملا پڑھ لکھ کر کھانے کمانے کے قابل ہو جائے تو پھر تم کوئی چھوٹا موٹا مکان دیکھ کر الگ ہو جانا۔"

"لیکن لوگ کیا وچار کریں گے ہمارے بارے میں؟"

"یہ کالونی شہر سے دور ہے للیتا جی! یہاں سارے باون گج کے کھاتے پیتے لوگ رہتے ہیں۔" رام پیاری نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔ "پڑوس میں کسی کی موت ہو جائے تو بھی دوسرے پڑوسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی اور اپنے مالک کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ کتنے دیالو اور بھلے مانس ہیں۔ ایسے ویسے ہوتے تو نرملا دیوی کو دان دہیز کا سامان ساتھ کر کے کبھی چھٹی نہ کرتے۔ جبان کھولنے کی ہمت کر لیتے تو نرملا دیوی کو دن میں تارے نظر آ جاتے۔ ماں بیٹی دونوں کو حوالات کی ہوا بھی کھانا پڑتی۔ وشوا ناتھ کو بھی ہتھکڑی لگ جاتی۔ پولیس والے مار مار کر تٹی کی جگہ سرخ کر دیتے تو وہ حرام کا جنا بھی زبان کھول کر فر فر سچ بولنے پر مجبور ہو جاتا۔"

"میں سمجھی نہیں۔" ماں نے پوچھا۔ "نرملا اور سرلا بے چاری کا کیا دوش تھا؟"

"سرلا کی بات تو خیر ٹھیک ہے للیتا جی...... لیکن نرملا دیوی تو جانتی تھیں کہ انہوں نے کیا گل کھلایا تھا۔" رام پیاری نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹری رپورٹ نرملا دیوی اور وشوا ناتھ کے پاپ کی کہانی سناتی تو دونوں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ جگ ہنسائی گھلوے میں ہوتی۔"

"کیا؟" ماں نے چونک کر سوال کیا۔ "یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟"

"وہی کہہ رہی ہوں جو رامو اور گوپال سرکار کو بھی معلوم ہے۔" رام پیاری نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "مالک نے راموکاکا کی موجودگی میں دونوں کو رات کے اندھیرے میں باہر لان کے ایک کونے میں سانٹھ گانٹھ کا کھیل رچاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ دوسرے ہی دن سرکار نے نرملا دیوی کو نکال باہر کیا۔"

''لیکن اس میں سرلا بے چاری کا کیا دوش تھا؟''

''میں سب جانتی ہوں للیتا جی!'' رام پیاری نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سرلا بھی اسی......وشواناتھ کے پاپ کی پوٹلی تھی۔''

''یہ......یہ تو کس طرح کہہ سکتی ہے؟'' ماں نے حیرت بھرے انداز میں پوچھا۔

''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں بی بی جی!'' رام پیاری نے رک رک کر کہا۔ ''شادی کے تین سال تک جب نرملا دیوی کی کوکھ ہری نہیں ہوئی تو انہوں نے چوری چھپے اپنا ڈاکٹری معائنہ کرایا تھا۔ میں ان کے ساتھ گئی تھی لیڈی ڈاکٹر کے پاس۔ سچ پوچھو تو مجھے بھی نرملا دیوی سے ہمدردی ہوگئی تھی جب لیڈی ڈاکٹر نے سارا چیک اپ کرنے کے بعد یہ راز اگلا کہ نرملا کے بجائے اپنے گوپال بابو میں کچھ خرابی ہے۔ سب سے پہلے میں نے ہی نرملا دیوی کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ خاموشی سے لکھا پڑھی کرکے مالک سے علیحدگی اختیار کرلے اور کسی دوسرے مرد کو ٹھونک بجا کر وواہ کرلے۔''

''پھر......؟'' ماں کی بھنچی بھنچی آواز ابھری۔ ''نرملا نے کیا جواب دیا؟''

''جواب کیا دینا تھا۔'' رام پیاری کے لب و لہجے میں پھر زہر گھل گیا۔ ''وہ اپنے صاحب جیسی موٹی اور سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوئی۔ میرے ہونٹوں پر اس نے خاموشی کی قیمت ادا کرکے ٹیپ لگادی اور پھر اندر ہی اندر وشواناتھ کے ساتھ پینگیں بڑھانا شروع کردیں۔''

''یہ وشواناتھ کون تھا؟''

''تھا ایک نمک حرام......'' رام پیاری نے ایک وزنی گالی چٹخار کر جواب دیا۔ ''سؤر کا جنا۔ جس تھالی میں کھاتا تھا......اسی میں چھید کرنے پر بھی پھٹا پھٹ تیار ہوگیا......پرنتو کاغذ کی ناؤ ایک دن ڈوب ہی گئی۔''

''اب وہ دونوں کہاں ہیں؟'' ماں نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد دریافت کیا۔

''جس دن دونوں رام لیلا کا ناٹک کرتے پکڑے گئے تھے' اس کے دس روز بعد ہی رائے پور چھوڑ کر کہیں فرار ہوگئے۔ میں وشواس سے نہیں کہہ سکتی' لیکن کسی سے سنا ہے کہ اب وہ دیناج پور میں شادی رچا کر موج میلہ کررہے ہیں۔''

''یہ ساری بات تمہارے اور راموکاکا کے سوا کسی اور کو تو نہیں معلوم؟''

’’ راموکا کا تو صاحب کا پرانا نمک خوار ہے اور میں...... میں بھی پیٹ کی اتنی ہلکی نہیں ہوں کہ ایک بھلے مانس کی پگڑی اچھال کر نرکھ کے کھاتے میں اپنا نام لکھوالوں۔‘‘

’’ اگر یہ بات ہے تو پھر تم نے مجھے یہ بھید پہلے ہی کیوں نہیں بتایا؟‘‘ ماں نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

’’ اس کا بھی ایک کارن ہے۔‘‘ رام پیاری نے ترنت جواب دیا۔’’ گوپال سرکار آپ کیلئے دوسرا کوئی ٹھکانا تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں اس بات کا بڑا دکھ ہے کہ آپ ان پر دل سے وشواس نہیں کر رہی ہیں۔‘‘

’’ کیا گوپال نے تم سے کوئی بات کی تھی؟‘‘

’’ بات تو نہیں کی للیتا جی‘ پرنتو میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔‘‘ رام پیاری نے دل لگتی بات کی۔’’ اپنے سرکار نے تمہیں آڑے وقت میں سر چھپانے کا ٹھکانا دیا اور تم ان کے چال چلن پر شک کرو تو کیا یہ دکھ کی بات نہیں ہے؟‘‘

ماں نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی‘ پھر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو رام پیاری میری بلائیں لے کر الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔ ماں بھی کھانے کا انتظام کرنے نیچے چلی گئی لیکن میں محسوس کر رہی تھی کہ ماں کو رام پیاری کی بات سن لینے کے بعد گوپال چاچا سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ اس کا اندازہ دو دن بعد ہو گیا۔

❁❁❁

اس دن ہم رات کا کھانا کھا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے جب گوپال چاچا نے بجھے ہوئے دل سے ماں سے کہا۔’’ میں نے یہیں قریب میں دو کمروں کا ایک مکان دیکھ لیا ہے۔ تم بھی کسی وقت چل کر دیکھ لینا تو میں بات پکی کر لوں گا۔‘‘

’’ کرایہ کتنا ہوگا؟‘‘ ماں نے دبی زبان میں دریافت کیا۔

’’ تم اس کی چنتا مت کرو۔‘‘ گوپال چاچا صوفے پر کسمسا کر بولے۔’’ جب تک اپنی کملا کسی قابل نہیں ہو جاتی میں اپنا فرض نبھاتا رہوں گا۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہوگا۔‘‘

’’ ٹھیک ہے۔‘‘ ماں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔’’ میں دو ایک دن میں سوچ کر جواب دوں گی۔‘‘

اسی رات ماں نے پہلی بار مجھ سے کھل کر بات کی۔

''کملا بیٹی! تیرے پتا کی خوشی تھی تو بھی پڑھ لکھ کر انجینئر بنے اور اپنے پتا کا نام روشن کرے۔''

''میں اپنے پتا کی اِچھا (خواہش) اوش پوری کروں گی' لیکن ابھی تو میں پانچویں جماعت میں گئی ہوں۔'' میں نے من ہی من میں حساب لگاتے ہوئے کہا۔ ''انجینئر بننے میں تو ابھی ڈھیر سارے سال لگیں گے۔''

''گوپال نے ہمارے لئے قریب ہی میں دوسرا مکان تلاش کرلیا ہے۔'' ماں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''تیرے انجینئر بننے تک تو اس کا کرایہ بھی ساٹھ ستر ہزار روپے چڑھ جائے گا۔ اسے چکتا کرتے کرتے بھی پورا جیون بیت جائے گا۔''

''اس مکان میں کیا خرابی ہے؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔ ''کیا گوپال چاچا ہمیں ساتھ نہیں رکھنا چاہتے؟''

''گوپال تو چاہتا ہے کہ ہم یہیں رہیں لیکن......'' ماں نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔

''لیکن کیا ماں؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ ''کچھ نہیں۔'' ماں نے الجھ کر کہا اور رام پیاری کو آوازیں دیتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

پھر دو روز جب ماں نے گوپال چاچا سے دوسرے مکان میں جانے کے بجائے ساتھ رہنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو گوپال چاچا کسی تازہ گلاب کی طرح کھل اٹھے۔ مجھے بھی ماں کے اس فیصلے پر بہت خوشی ہوئی۔ اس دن میں نے بھی یہی وچار کیا اگر نرملا آنٹی کے چال چلن میں کوئی کھوٹ تھا تو اس کی سزا گوپال چاچا کو دینا بھلا کہاں کا انصاف تھا؟

❀❀❀

دو سال پلک جھپکتے میں بیت گئے۔

ماں اور گوپال چاچا کے درمیان میں ایک طرح سے صلح ہو گئی تھی۔ ماں نے گھر کا سارا کام سنبھال لیا تھا۔ رام پیاری صرف کمروں کی صفائی اور جھاڑ پونچھ کا کام کرتی تھی۔ رسوئی اور برتن دھلائی کا کام ماں نے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ چھٹی والے دن میں بھی تھوڑا بہت ماں کا ہاتھ بٹا دیا کرتی تھی۔ ہمارے جیون میں پھر ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

پندرہ سال کی عمر ویسے تو کچھ زیادہ نہیں ہوتی' لیکن میں نے گورنمنٹ سکول کی سکھیوں سے بہت ساری باتیں سیکھ لی تھیں۔ اٹھان میری شروع ہی سے اچھی تھی' اس لئے پندرہ سال کی عمر میں

میری صحت اور تندرستی سکول کی لڑکیوں کے علاوہ ٹیچروں کیلئے بھی قابل توجہ بن گئی۔ مجھے یاد ہے ایک دن کلاس ٹیچر مسز شکلا نے مجھے کامن روم میں بلا کر علیحدگی میں کہا تھا۔

''کملا! تم اب بچی نہیں رہی جو بغیر اوڑھنی کے سکول میں ادھر ادھر اچھلتی پھرو۔ آئندہ میں تمہیں بغیر اوڑھنی کے نہ دیکھوں۔''

''ٹھیک ہے مس۔''

میری سہیلی کامنی کو میری اور کلاس ٹیچر کی بات کی بھنک ملی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ ''مسز شکلا نے ٹھیک ہی تو کہا ہے۔ کھیل کود میں تو اتنی مگن ہو جاتی ہے کہ تجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔''

''کیا مطلب ہے تیرا؟''

''مطلب پوچھنا ہے تو ڈرل ماسٹر سے پوچھ۔'' کامنی نے میرے سینے کی طرف اشارہ کر کے شوخی سے جواب دیا۔ ''سنگاپوری ناریل کی جوڑی کی دھینگا مشتی دیکھ کر نہ جانے اس کے من میں کیا کیا لڈو نہ پھوٹتے ہوں گے۔ میں نے کئی بار اسے کمرے کی جھری سے تجھے چھپ چھپ کر دیکھتے دیکھا ہے۔''

''بڑی بے شرم ہو گئی ہے تو۔'' میں نے کامنی کا مطلب سمجھ کر پیار سے ڈانٹا تو وہ زور سے چٹکی بھر کر بولی۔

''اپنی اٹھان کو لگام دے کر رکھ کملا! ساتویں کلاس میں تیرا یہ حال ہے تو میٹرک تک تو جوالا مکھی بن جائے گی۔''

اس روز میں نے سکول سے واپسی پر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا تو خود بھی شرما کر رہ گئی۔ اگلے روز سے میں نے چھٹی کے وقفے میں کھیلنا کودنا بند کر دیا۔ شانتی نگر کے مقابلے میں رائے پور زیادہ ایڈوانس تھا' اس لئے مجھے بہت ساری راز کی باتیں بھی سہیلیوں سے معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ میں بھی کرید کرید کر ان سے ایک ایک بات کا...... مطلب پوچھتی تھی۔ پڑھائی میں اول یا دوم آتی تھی' اس لئے کلاس کی سب ہی لڑکیاں مجھ سے گھل مل کر رہتی تھیں' لیکن ایک پورنیما تھی جو نہ جانے کیوں مجھے دیکھ کر ایسا کڑوا کسیلا منہ بناتی تھی جیسے بھولے سے کونین کی گولی چبا لی ہو۔

پورنیما مجھ سے عمر میں بھی ایک سال چھوٹی تھی۔ واجبی صورت شکل کی مالک تھی۔ پڑھائی لکھائی میں بھی زیادہ تیز نہیں تھی لیکن بڑے باپ کی بیٹی تھی' اس لئے سب سے الگ تھلگ ہی رہتی

تھی۔ دو چار لڑکیوں کے سوا کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ باپ کی گاڑی میں بیٹھ کر سکول آتی جاتی تھی۔ کپڑے بھی ایک سے ایک قیمتی پہنتی تھی۔ رہتی میرے پڑوس ہی میں تھی، لیکن کبھی بھول کر بھی اس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

مجھے یاد ہے ان دنوں ساتویں کے سالانہ امتحان سر پر تھے، اس لئے گوپال چاچا نے مجھے اپنے ساتھ سکول لانے لے جانے کی ذمے داری سنبھال رکھی تھی۔ وہ ماں کے علاوہ میرا بھی ہر طرح سے دھیان رکھتے تھے۔ ایک روز گوپال چاچا نے سکول جاتے ہوئے پورنیما کو راستے میں گھر کے سامنے کھڑا دیکھا تو گاڑی روک کر بولے۔

''کیا بات ہے بیٹی! تم باہر کیوں کھڑی ہو؟''

''بس کی راہ دیکھ رہی ہوں۔'' پورنیما نے بے رخی سے کہا۔ ''آج پتا جی کی کوئی میٹنگ تھی، اس لئے گاڑی وہ لے گئے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔'' گوپال چاچا نے بڑے پیار سے کہا۔ ''چلو میں تمہیں سکول چھوڑے دیتا ہوں۔''

پورنیما نے مجھے دیکھا تو اس کا منہ پھر بن گیا، لیکن اس نے گوپال چاچا کی بات ماننے سے انکار نہیں کیا۔ راستے میں ہمارے درمیان بس دو چار ہی باتیں ہوئیں۔ کچھ وہ کھنچی کھنچی رہی، کچھ میں نے بھی اسے گھاس ڈالنے کی زیادہ کوشش نہیں کی لیکن جب کامنی نے مجھ سے میری ماں کے بارے میں ایک سوال کیا تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''ایک بات پوچھوں کملا؟ تو برا تو نہیں مانے گی؟''

''ایسی کیا بات ہوسکتی ہے جو میں برا مناؤں گی؟'' میں نے کامنی کو غور سے دیکھا۔

''گوپال جی رشتے میں تیری ماتا جی کے کیا لگتے ہیں؟''

''وہ میرے پتا جی کے پرانے متر ہیں لیکن تو......'' میں نے کامنی کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔ ''تجھے آج اچانک گوپال چاچا کا دھیان کیسے آ گیا؟''

''میں نے کل پورنیما اور سمیرا کو لائبریری کے قریب بیٹھ کر کچھ کانا پھونسی کرتے سنا تھا۔''

''کیسی کانا پھونسی؟'' میں نے کامنی کو کریدا۔ ''بات کیا ہے؟ کھل کر بتا نا۔''

''کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرے گوپال چاچا کا ایک دواہ ہو چکا ہے؟''

''ہاں۔'' مین نے سینہ تان کر بے دھڑک کہا، پھر رام پیاری اور ماں کے درمیان ہونے

والی جو باتیں چھپ کر سنی تھیں...... وہ سب کامنی کے سامنے دہراتی چلی گئی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے کملا لیکن کہنے والوں کا منہ تو بند نہیں کیا جا سکتا۔ پورنیما کے ہاتھ بھی ایک بہانہ آ گیا ہے۔''

''کیا زہر اگل رہی تھی پورنیما ہمارے بارے میں؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔

''چل چھوڑ!'' کامنی نے بات ٹالنی چاہی۔ ''پورنیما نے بھی جو کچھ سنا ہوگا' وہ بھی کسی اور ہی سے سنا ہوگا۔ اسی طرح تو سوئی کا بھالا بن جاتا ہے۔''

''تجھے میری دوستی کی سوگند کامنی! اب جب تو نے بات منہ سے نکال دی ہے تو اسے پوری کرو ورنہ میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔''

''پورنیما کہہ رہی تھی کہ گوپال جی اور تیری ماتا جی کا کوئی پرانا چکر تھا۔'' کامنی نے دبی زبان میں کہا۔ ''دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے تھے لیکن کسی کارن ان کا ملاپ نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ جب نرملا جی کو حالات کی بھنک ملی تو اس نے ایک طوفان کھڑا کر دیا' پھر بات اتنی بڑھی کہ نرملا اپنی بیٹی کو لے کر چلی گئی۔ دونوں میں چھٹکارا بھی ہو گیا۔'' کامنی سانس لے کر بولی۔ ''ہو سکتا ہے کہ رام پیاری نے جو کہانی تیری ماتا جی کو سنائی ہو وہی ٹھیک ہو۔''

''میں منہ نوچ ڈالوں گی پورنیما کا۔'' میں نے غصے سے بل کھا کر کہا۔ ''وہ بڑے باپ کی بیٹی ہے تو ہوا کرے۔ اس نے میری ماتا جی پر جو بہتان لگایا ہے...... میں اس کا ایسا منہ توڑ جواب دوں گی کہ سارا اسکول تماشا دیکھے گا۔ شانتی نگر کے لوگ شاکسی (گواہی) دیں گے کہ میرے پتا جی کی موت ایک ایکسیڈنٹ میں ہوئی تھی۔ تو...... تو کیا اس میں بھی گوپال چاچا یا ماتا جی کا ہاتھ تھا؟'' میں غصے میں کانپتے ہوئے بولی۔ ''میں چھوڑوں گی نہیں پورنیما کو۔ گوپال چاچا کے ساتھ اس کے گھر جا کر اس کے پتا سے کہوں گی کہ کھونٹے سے باندھ کر رکھے اپنی لاڈلی کو نہیں تو میں خود اس کنجری کی چھاتی پر چڑھ کر جان سے مار ڈالوں گی۔''

''دھیرج سے کام لے کملا!'' کامنی نے مجھے پیار سے سمجھایا۔ ''امتحان ختم ہو لینے دے پھر ہم پورنیما سے بھی نپٹ لیں گے۔ میں بھی تیرا ساتھ دوں گی۔ ویسے ایک بات اور تجھے بتا دوں۔ پورنیما کے پتا نرنجن لال جی بڑے بھلے اور ملنسار آدمی ہیں۔ یہ پورنیما نہ جانے کس پر گئی ہے؟''

''ہوگا کوئی اس کی ماں کا سگا جس کے بل پر اچھل رہی ہے۔'' میں نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا' پھر اچانک نرنجن لال جی کا نام سن کر مجھے یاد آ گیا کہ گوپال چاچا نے جب رام پیاری

کے بارے میں پوچھا تو راموکا کام نے بھی کسی نرنجن بابو کا ذکر کیا تھا' جہاں رام پیاری کام کرتی تھی۔

ہوسکتا ہے رام پیاری کو نرنجن لال کے گھر سے نکال دیا گیا ہو اور ملازمت کے دوران اسی نے مالکان کو خوش کرنے کے کارن جھوٹی سچی کہانی سنائی ہو۔ اور بھی بہت ساری باتیں ممکن ہوسکتی تھیں' لیکن میرے دماغ میں صرف ایک ہی بات گردش کر رہی تھی۔

میری ماں اور گوپال چاچا کا آپس میں کیا سمبندھ تھا؟ اگر وہ پتاجی کے متر تھے تو ان کی زندگی میں کبھی چکر کیوں نہیں لگایا تھا؟ پتاجی کے مرنے کے بعد ہی انہیں ہمارا دھیان کیسے آ گیا تھا؟

میرے دماغ میں بہت سارے الجھاوے تھے' جو میں سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے کامنی کے سمجھانے پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ امتحان ختم ہونے تک چپ رہوں گی' لیکن اس کے بعد پورنیما کو چھوڑوں گی نہیں۔ واپسی پر میں نے گوپال چاچا سے بھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ چپ بیٹھی رہی تو گوپال چاچا نے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟ آج تم چہک نہیں رہی ہو؟ سب خیر تو ہے؟''

''سر میں درد ہے اور امتحان کا بھوت بھی سوار ہے سر پر۔'' میں نے بہانہ بنایا تو گوپال چاچا نے بھی زیادہ کرید نہیں کی۔

✿✿✿

امتحان کی تیاری کے کارن مجھے رات دیر تک جاگنا پڑتا تھا اور ماں کی نیند بھی خراب ہوتی تھی' اس لئے میں اپنی ضروری کتابیں لے کر کچھ دنوں کیلئے نیچے کمرے میں آ گئی۔ گوپال چاچا میرا ہر طرح سے بہت دھیان رکھتے تھے۔ ان کی انگریزی بہت اچھی تھی' اس لئے امتحان کے دنوں میں وہ خاص طور پر میری تھوڑی بہت سہائتا بھی کر دیتے تھے۔

نیچے کمرے میں آنے کے بعد مجھے بہت ہی آسانیاں بھی ہوگئیں۔ رات کو دیر تک جاگنے کیلئے میں چائے بھی تیار کر لیتی تھی۔ فریج سے بار بار اٹھ کر پانی بھی نکالتی رہتی تھی اور کوئی ڈسٹرب بھی نہیں ہوتا تھا۔

میرا خیال تھا کہ شاید گوپال چاچا کو میرے نیچے آنے پر اعتراض ہو' اس لئے کہ وہاں اکثر ان کے مہمان اور کاروباری لوگ آ کر ٹھہرتے رہتے تھے' لیکن میں نے محسوس کیا کہ گوپال چاچا کو

نہ صرف خوشی ہوئی بلکہ وہ بھی اکثر رات دیر گئے تک میرے ساتھ ہی نیچے بیٹھے یا تو کتابیں پڑھتے رہتے یا پھر مجھے پڑھانے میں لگ جاتے تھے۔

گوپال چاچا میرے پتا سمان تھے‘ اس لئے میں نے ان کے بارے میں کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہیں سوچی۔ پڑھائی کے بیچ وہ اکثر میرا حوصلہ بڑھانے کے کارن کبھی کبھی میری پیٹھ بھی ٹھونک دیا کرتے تھے۔ کبھی مجھ سے کوئی غلطی ہو جاتی تو میرے کان بھی مروڑ دیتے۔ ماں کے سامنے بھی وہ ایسا ہی کرتے تھے‘ لیکن نیچے آنے کے بعد کبھی کبھی وہ میری غلطی پر میرے گال میں چٹکی بھی لینے لگے تھے۔ میں ہنس کر ٹال دیا کرتی۔

اس دن پڑھنے بیٹھنے سے پہلے میں نے چائے تیار کر کے تھرماس میں بھر لی۔ دوسرے دن حساب کا امتحان تھا اور حساب سے نہ جانے کیوں مجھے چڑ سی تھی۔ میرے نمبر حساب کے امتحان ہی سے بڑھتے تھے‘ لیکن جو سواد مجھے دوسرے مضامین کی تیاری میں آتا تھا وہ حساب میں نہیں آتا تھا۔ جانے کیوں حساب مجھے سب سے زیادہ خشک اور بور لگتا تھا‘ لیکن اس میں نمبر بھی پورے پورے ملتے تھے۔

اس سمے رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ میں ڈھیلے ڈھالے پاجامے اور آدھی آستین والی لوز ٹی شرٹ پہنے بیٹھی حساب کے پرچے کی تیاری میں مگن تھی‘ جب گوپال چاچا دبے قدموں میرے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے‘ لیکن مجھے اس کی خبر تک نہیں ہوئی۔ میں میز پر جھکی بیٹھی مختلف قسم کے سوالات حل کرنے میں مگن تھی‘ جب مجھے ایسا لگا جیسے کوئی میرے کھلے گلے کی ٹی شرٹ کے اندر جھانک رہا ہے‘ لیکن پھر مجھے اپنے آپ پر ہی ہنسی آ گئی۔ میں ٹی شرٹ کے نیچے کچھ اور نہیں پہنے ہوئی تھی‘ اس لئے ایک دو بار خود میری نظریں بھی بہک چکی تھیں‘ پھر شاید نفسیاتی طور پر میرے من میں یہ خیال بھی آیا کہ کہیں کوئی اور تو موقع سے فائدہ نہیں اٹھا رہا؟

میں نے تھرماس سے چائے نکال کر کپ میں ڈالی۔ ایک دو گھونٹ لئے پھر دوبارہ سوالوں میں سر کھپانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ گوپال چاچا کی سرسراتی آواز سن کر اس طرح چونکی کہ میرا ہاتھ چائے کے کپ سے ٹکرایا اور گرما گرم چائے چھلک کر میرے کپڑوں میں پر لوٹ گئی۔ میں بوکھلا کر کرسی سے اٹھی تو گوپال چاچا نے مجھے ہاتھ بڑھا کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

”یہ کیا کیا تم نے؟“ گوپال چاچا نے مدھم لہجے میں کہا۔ ”میں نے چائے مانگی تھی اور تم نے پورا کپ اپنے کپڑوں پر گرا لیا۔ کہیں جل تو نہیں گئیں؟“

پھر جلنے کے بہانے سے انہوں نے جس طرح میرے شریر کو ادھر ادھر سے ٹٹولا' اس سے میرے پورے تن بدن میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ میں ایک لمحے کو دیوانی سی ہوگئی' پھر سنبھل کر ان کے بازوؤں سے دور ہو کر بولی۔

''چائے پینی تھی تو سامنے آ کر کہہ دیا ہوتا۔'' میں نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے شکایت کی۔'' کان میں گھس کر اتنی مدھم آواز میں کہنے کی کیا ضرورت تھی...... میں ڈر گئی۔''

گوپال چاچا کی نگاہوں میں آنے والی سرخی ایک دم غائب ہوگئی۔ جلدی سے بڑوں کی طرح مسکرا کر بات بناتے ہوئے کہا۔'' میں پیچھے کھڑا یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں میری کملا رانی غلط حساب کتاب تو نہیں کر رہی؟''

''پھر کیا دیکھا آپ نے؟'' میں نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔ اس طرح میں گوپال چاچا پر یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ میں نے ان کے من کے ''چور'' کو پکڑ لیا تھا۔

''حساب کتاب تو ٹھیک ہے پرنتو کھولتی ہوئی چائے شریر پر گرانے والی بات اچھی نہیں ہے۔'' گوپال چاچا نے مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا' پھر سنبھل کر بولے۔'' ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں اور کتنی دیر کتابوں سے متھا مارنے کا ارادہ ہے؟''

''ابھی ایک دو گھنٹے اور پڑھنے کا ارادہ ہے۔'' میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔'' بھگوان جانے اس حساب کی پستکوں سے کب چھٹکارا ملے گا؟''

''چنتا مت کر کملا! شروع شروع میں منش کو ہر کام میں کچھ نہ کچھ تکلیف تو اٹھانی پڑتی ہے' لیکن پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' گوپال چاچا نے مجھے شوخ نظروں سے دیکھا' پھر گالوں پر چٹکی بھر کر بولے۔'' تو اب اپنا حساب کر' میں صبح تجھے ٹھیک ٹائم پر جگا دوں گا۔''

گوپال چاچا اوپر چلے گئے تو پھر میں کتابوں میں سر کھپانے میں جت گئی۔ دوسرے دن امتحان دے کر واپس آئی تو سر سے ایک بوجھ سا اتر گیا۔ گوپال چاچا نے میرے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

''کیسا ہوا پرچہ؟''

''فرسٹ کلاس!'' میں نے خوشی کا اظہار کیا۔

''کوئی کٹھن سوال تو نہیں تھا؟''

''ایک دو سوال ذرا مشکل تھے' لیکن میں نے بھی ہار نہیں مانی۔ انہیں بھی حل کر ہی لیا۔''

"جبھی تو انار بی دانے کی طرح کھلی کھلی دکھائی دے رہی ہے۔" گوپال چاچا کی چور نظریں میرے شریر پر بھٹکنے لگیں۔

"سب آپ کی اور بھگوان کی کرپا ہے ورنہ......" جانے کیوں پتاجی کو یاد کر کے میرا من بھر آیا۔

"ورنہ کیا...... تو کیا سوچ رہی ہے کملا؟" گوپال چاچا نے گڑبڑا کر پوچھا۔ "تیری آنکھوں میں یہ نیر کیوں آ گئے؟"

"مجھے آج پتاجی کی یاد آ رہی ہے۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "وہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔"

"وہ نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ ان کی آتما تو تیرے ساتھ ساتھ ہے۔ وہ تجھے پھلتا پھولتا دیکھ کر اوش خوش ہو رہی ہوگی۔" گوپال چاچا سنجیدہ ہو گئے۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گوپال چاچا بھی اپنے خیالوں میں گم ہو گئے۔ گھر پہنچی تو ماتا جی نے ہمیشہ کی طرح پرچے کے بارے میں سوال کیا' پھر مجھے گلے لگا کر ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں۔ ماں کی چھاتی میں سر چھپا کر مجھے ہمیشہ بڑا سکھ ملتا تھا۔ بڑی شانتی ملتی تھی' لیکن اس دن نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا' جیسے ماں کے دل کی دھڑکنیں مجھ سے کہنا چاہ رہی ہوں۔ میں نے ماں کو ٹٹولنا مناسب نہیں سمجھا۔ جو کچھ میں نے وچار کیا تھا وہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا۔

چار روز بعد ہسٹری کا آخری پرچہ تھا۔ میں ہسٹری میں ہمیشہ سے بہت اچھی تھی۔ راجہ مہاراجاؤں اور ان کے بارے میں جان کاری حاصل کر کے مجھے عجیب سا سواد ملتا تھا۔ میرے پچھلے تمام پرچے بہت اچھے ہوئے تھے' اس لئے میں نے ہسٹری کی تیاری میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میرا خیال تھا کہ شاید میں ساتویں کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ میں پڑھائی میں اتنی مگن تھی کہ سمے گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ گھڑیال نے دو کے گجر کا اعلان کیا تو میں نے جلدی جلدی میز پر بکھری کتابیں سمیٹ کر رکھ دیں۔ صبح ساتھ لے جانے والا سامان ایک طرف رکھا' پھر سونے کے ارادے سے بستر پر لیٹی تو مجھے ماں کا دھیان آ گیا۔ دو تین روز سے ماں کا چہرہ کچھ اترا اترا دکھائی دے رہا تھا۔ جانے کیوں وہ چپ چپ سی نظر آتی تھی؟ کوئی بات ایسی ضرور تھی' جو مجھے رہ رہ کر بیاکل کر دیتی تھی۔

میں کمرے میں زیرو واٹ کا نیلا بلب جلا کر لیٹ چکی تھی۔ لیکن ماں کا خیال آیا تو اسے ایک نظر دیکھنے کیلئے اٹھ کر آہستہ آہستہ اوپر چلی گئی۔ گوپال چاچا کا دروازہ بند تھا۔ وہ جلدی سونے کے عادی تھے' لیکن ماں کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ میں نے اسے بند پایا تو کچھ اچنبھا سا ہوا۔ میں دروازہ کھول کر اندر جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ مجھے گوپال چاچا کی مدھم آواز سنائی دی۔

''تم کیوں اپنی جان کو روگ لگا رہی ہو للیتا؟ میں نے پرمیشور کو شا کسی بنا کر تمہیں سویکار کیا ہے۔''

''نہیں گوپال!'' ماں نے بڑی دکھی انداز میں کہا۔ ''ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ پاپ ہے' اس کا پرایشچت ضروری ہے۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''کسی مندر میں پجاری کے سامنے اگنی کے سات پھیرے لگائے بغیر......''

''یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں میری رانی!'' گوپال چاچا نے ماں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ ''فرض کرو کہ اگنی کے پھیرے لگاتے سمے بھی میرے من میں کھوٹ ہو تو تمہیں اس کی جان کاری کیسے ہوگی؟''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں' لیکن میرے من کو اسی سمے شانتی ہوگی جب تم مجھے دھرم کے انوسار اپنا بنا لو گے۔''

''اگر یہ تمہاری ضد ہے تو میں ایسا کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن......''

''نہیں گوپال' نہیں۔'' ماں نے بنتی کی۔ ''جو کچھ ہو گیا وہ بھی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تم میری بات مان لو...... اس کے بعد تمہاری ہر آگیا کا پالن کرنا میں ہمیشہ ایک استری ہونے کے ناتے اپنا دھرم سمجھوں گی۔''

''ایک بات پوچھوں للیتا؟''

''پوچھو۔''

''کیا تمہیں ابھی تک نرملا اور میری کہانی کا وشواس نہیں آیا؟'' گوپال چاچا کی آواز میں ایک خلش' ایک چبھن سی تھی۔

''میں نے یہ کب کہا لیکن دنیا والے......''

''دنیا والوں کا نام مت لو میرے سامنے۔'' گوپال چاچا کی آواز میں کسی زخمی درندے کی

تڑپ جاگ اٹھی۔ ''میں اس دنیا اور اس دھرتی کے ان لوگوں کو نہیں جانتا جو دوسروں پر انگلی تو اٹھاتے ہیں لیکن کسی کے من میں جھانک کر ان زخموں کو نہیں دیکھتے جو دھیرے دھیرے ناسور بن جاتے ہیں۔''

''میں تمہارے دل کا درد سمجھتی ہوں گوپال لیکن......''

''لیکن پھر بھی وشواس نہیں کرتیں۔'' گوپال چاچا نے ماں کی بات کاٹ کر بڑی تیکھی آواز میں کہا۔ ''جب نرملا نے مجھے چھوڑتے سمے دو چار لوگوں کو جمع کیا' میرے اجلے دامن پر گند اچھالی' الٹے سیدھے بہتان لگائے۔ اس سمے بھی میں اندر ہی اندر سلگ رہ گیا' کیا جواب دیتا میں؟ کیا میں ان سب کے سامنے گردن جھکا کر یہ کہہ سکتا تھا کہ اوپر والے نے مجھے پوری پوری شکتی تو دی ہے پرنتو اس کا پھل میرے بھاگ (قسمت) میں لکھنا بھول گیا۔ میں ایسا کہتا تو نرملا جیسی سندر اور کنجری عورت کے مقابلے میں لوگ میری بات کا وشواس کبھی نہ کرتے۔ جیون میں کوئی ایسا موڑ آجائے تو سب ہی ایک زبان ہو کر سندر نار کا ساتھ دیتے ہیں۔ پرش کی بات پر ہنستے ہیں۔ اسے بھانت بھانت کے نام سے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔'' گوپال چاچا اپنے ناسور کو اپنے ہی ہاتھوں کریدتے رہے۔ ''اگر میں نرملا کو جھوٹا ثابت کرنے کے کارن سب کے سامنے یہ مان لیتا کہ میں دھرتی کا سینہ تو چیر سکتا ہوں' لیکن اس کا پھل نہیں کھا سکتا تو جانتی ہو کیا ہوتا؟ سماج کے ٹھیکیدار میری بات کو ہنس کر اڑا دیتے۔ پاگل کتوں کی طرح بھانت بھانت کی بولیاں بولنی شروع کر دیتے۔ میں نردوش ہونے کے بعد بھی سب کی نظروں میں پاپی ہی رہتا۔ میرے آس پاس رہنے والے میرا جینا دوبھر کرتے۔ مجھے نامرد' ہیجڑا اور پونے آٹھ جیسے گندے ناموں سے پکارنا شروع کر دیتے۔ میری بات میرے جیون کا سب سے بڑا سچ ہونے کے باوجود جھوٹی ہو جاتی اور نرملا...... اس کے پاپ کی کہانی' اس کی سندرتا' لوگوں کو من موہ لینے والا انداز اور اس کا گدرایا ہوا شریر اس کے جھوٹ کو بھی سچ بنا دیتا۔ اسی کارن میں نے اپنی زبان بند کر لی۔ نرملا کی زبان میرے خلاف زہر اگلتی رہی۔ میں اندر ہی اندر کھولتا رہا' لیکن میں نے زبان نہیں کھولی۔ میرا کچھ کہنا میرے کسی کام نہ آتا۔ نرملا پاپن ہونے کے باوجود میری معصوم سرلا کا ہاتھ تھام کر سینہ تانے میرا گھر چھوڑ کر اپنے یار کے پاس چلی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بھیڑ بھی چھٹ گئی۔ میں بالکل تنہا رہ گیا۔ بہت دنوں تک میں گھر میں ایک نردوش قیدی کی طرح اپنے آپ کو بند کیے رہا' دیواروں سے سر ٹکراتا رہا' سرلا کو یاد کر کے روتا رہا۔ اس معصوم کی تصویر کو بار بار چومتا لیکن من کو قرار نہ ملتا۔ یہ

جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرا خون نہیں تھی، میں اس کی یادوں کو کھرچ کر اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہا تھا۔ وہ پل پل مجھے یاد آتی تھی۔ اس کی جدائی میرے من کو رہ رہ کر نشتر لگاتی تھی۔ ایک گھر میں رہتے رہتے تو منش کو مٹی اور گارے سے بنی دیواروں سے بھی پیار ہو جاتا ہے۔ سرلا تو ایک سندر سی جیتی جاگتی گڑیا تھی۔ بھولی بھالی، معصوم معصوم سی جسے نرملا اپنے ساتھ لے گئی۔ میں سنسار میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ گھر کا سونا پن مجھے کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈستا رہا۔ کسی نے میرے شریر کے اندر رستے ناسوروں پر مرہم لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں کسی گیلی لکڑی کی طرح سلگتا رہا، بلکتا رہا، لیکن کسی کو میری حالت پر دیا نہیں آئی۔ ایک راموکاکا تھے، جو میرے بھید کو سمجھ رہے تھے، لیکن وہ بھی زبان بند رکھنے پر مجبور تھے۔ میں نے کئی بار سوچا کہ جیو ہتھیا کرلوں، لیکن اگر میں ایسا کرتا تو نرملا میری نامردی کی کہانی کو اور اچھالتی...... مرنے کے بعد میری آتما کو بھی شانتی نہ ملتی پھر...... پھر میں نے سب سے رشتہ ناتا توڑ کر نئے سرے سے جیون بتانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے نرملا کی یاد کو من سے کھرچ کر نکال دیا، سرلا کو بھی بھلا دیا۔ اپنے آپ کو کاموں میں اس قدر الجھا لیا کہ میرے پاس کچھ سوچنے کا سمے ہی باقی نہ رہا پھر...... پھر جب مجھے کپورناتھ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی تو میں نے ایک بار پھر تمہاری طرف پلٹ کر دیکھا۔ تم وشواس کرو یا نہ کرو لیکن...... وہ میرے من کی آواز تھی۔“

گوپال چاچا نے بڑی مدھم آواز میں، مگر پوری سچائی سے بات جاری رکھی۔

”تم ایک بار میرے جیون میں آتے آتے رہ گئی تھیں۔ میں ہار گیا تھا اور میرا متر جیت گیا تھا۔ میں نے تو صبر کرلیا تھا، لیکن جب اوپر والے نے اسے تم سے چھین لیا تو مجھے تمہیں پالینے کی آشا تڑپانے لگی۔ میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ اگر نرملا والی کہانی پھر سے دہرائی گئی تو میں جی نہیں سکوں گا، لیکن تمہارے پیار...... اور تمہیں دوبارہ پالینے کی آشا نے میرے من مندر میں جو دیے روشن کئے...... جو جوت جگائی...... اس نے مجھے تمہارے پاس آنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد جو بھی ہوا...... وہ صرف پیار تھا، کوئی پاپ نہیں تھا۔“

”گوپال!“ ماں کے لہجے میں پیار چھلکنے لگا۔ ”تم نے جس آڑے وقت میں میرا ساتھ دیا۔ میری معصوم کملا کو سہارا دیا، میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتی، لیکن میری کیول ایک بنتی مان لو۔ چوری چھپے ہی سہی لیکن پوتر اگنی کے پھیرے لگالو، پھر میرے انگ انگ پر تمہارا اور صرف تمہارا ادھیکار ہوگا۔“

اندر سے قدموں کی چاپ ابھری تو میں خود کو سنبھالتے ہوئے تیزی سے پلٹی اور پنجوں کے بل سیڑھیاں اترتی اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ بستر پر لیٹی تو میرے اندر ایک بھونچال سا آ گیا۔ میں نے گوپال چاچا کی جو کہانی سنی' اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ میرے اختیار میں نہیں تھا' لیکن اتنا ضرور سمجھ رہی تھی کہ گوپال چاچا نردوش ہیں۔

میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کے باوجود بہت نیک اور شرمیلا ہوتا ہے۔ پیٹ بھرنے کے کارن کسی جانور کو پھاڑ کھانا اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بار اس کا پیٹ بھر جائے تو پھر وہ کسی کو تنگ نہیں کرتا' لیکن اگر کسی منش کا خون اس کے منہ کو ایک بار لگ جائے تو پھر وہ آدم خور بن جاتا ہے' پھر وہ چن چن کر منش سے اس گولی کا انتقام لیتا ہے جو اس کا جیون ختم کرنے کے کارن چلائی گئی تھی۔ پہلے وہ کیول ایک جانور ہوتا ہے لیکن گولی کا زخم چاٹنے کے بعد درندہ بن جاتا ہے۔ ایک شکاری کی جلدی میں چلائی گئی گولی جو اسے موت کے گھاٹ نہیں اتار سکی' جنگل کے بادشاہ کو تمام منش ذات کا بیری بنا دیتی ہے' پھر وہ دوشی اور نردوشی کی پہچان کھو دیتا ہے۔ استری ہو یا پرش' بوڑھا ہو یا کوئی بالک...... جو بھی اس کے سامنے آتا ہے' اسے دیکھ کر شیر کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ اس کے زخم پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں' پھر وہ کسی پر دیا نہیں کرتا۔ اپنے دشمن کو چیر پھاڑ کر اپنے من کی اگن بجھانے کیلئے پاگل ہو جاتا ہے۔ وحشی بن جاتا ہے۔ گوپال چاچا کی حالت بھی ویسی ہی تھی۔ نرملا کے پاپ نے انہیں بری طرح گھائل کر دیا تھا۔ انسان سے درندہ بنا دیا تھا...... جو کہانی کامنی نے پورنیما سے سن کر میرے کانوں تک پہنچائی تھی' وہ بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی۔ میں نے اسی رات طے کر لیا کہ اب اس گند میں کوئی پتھر مار کر اسے اور پھیلانے کی کوشش نہیں کروں گی' ورنہ جو گند اچھلے گی' وہ تن کے اجلے کپڑوں کو بھی داغ دار کر دے گی۔

ماں اور گوپال چاچا کے درمیان شریر کا جو بندھن بندھ چکا تھا' اسے توڑنا بھی میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔ میرے من میں اس بات سے بھی کھلبل ہو رہی تھی کہ آدم خور جب کسی کی گھات لگا لے تو پھر آخری سانس تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں اپنے بارے میں بھی بڑی دیر تک کسی خطرے کی بو باس سونگھتی رہی' پھر جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

❀❀❀

سمے کا پنچھی پر پھیلائے نیل گگن پر اڑتا رہا۔

میرا ساتویں کلاس کا رزلٹ آیا تو ماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ میں پہلی بار پوری کلاس میں اوّل آئی تھی۔ گوپال چاچا نے رزلٹ آنے کے دو روز بعد بڑے دھوم دھام کی پرنتو اس خوشی میں باہر کا کوئی آدمی شریک نہیں تھا۔ ماں نے سہاگ کی نشانی اپنے ہاتھوں کے کنگن میری کلائی میں ڈال دیئے۔ گوپال چاچا نے مجھے بڑی قیمتی گھڑی تحفے میں دی۔

چھٹیاں ختم ہوئیں تو میں نے آٹھویں جماعت میں داخلہ لے لیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ میری سوچ بھی پکی ہونے لگی۔ امتحان کے بعد میں ماں کے کمرے میں دوبارہ آئی تو میں نے محسوس کیا جیسے گیہوں کے نیچے گھن آ گیا ہو۔ گوپال چاچا اور ماں کے درمیان کھل کر ملنے میں ایک رکاوٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی رات کو اچانک میری آنکھ کھلتی تو میں ماں کو اکثر اس کے بستر پر نہیں پاتی تھی۔ میں ماں کے من کی گھٹن اور اس کی مجبوریاں سمجھ رہی تھی، لیکن زبان بند رکھنے پر مجبور تھی۔

امتحان کے بعد گوپال چاچا اکثر ہم کو چھٹی کے دن کہیں نہ کہیں گھمانے ضرور لے جاتے تھے۔ ماں اور ان کے بیچ نگاہوں نگاہوں میں بات ہوتی۔ میں کباب میں ہڈی بنی اندر ہی اندر کڑھتی رہتی، پھر ایک بار میں نے پیٹ کے درد کا بہانہ کر کے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس روز ماں نے باہر جانے کیلئے سرخ رنگ کی سنہری پلو والی ساڑھی باندھی تھی اور بناؤ سنگھار بھی کیا۔ گوپال چاچا بھی سفید دھوتی اور کرتے میں بہت سندر لگ رہے تھے۔ انہوں نے گلے میں گلابی رنگ کا لمبا سا مفلر ڈال رکھا تھا۔

اس روز میرے من میں نہ جانے کیوں ایک کھد بدی ہونے لگی تھی۔ ایسا لگا جیسے میرے ساتھ نہ جانے کا سن کر ماتا اور گوپال چاچا نے چھپ چھپا کر کچھ کر گزرنے کی ٹھان لی تھی۔ رات گئے دونوں کی واپسی ہوئی تو ماں بہت زیادہ کھلی کھلی دکھائی دے رہی تھی، جیسے اس کے من کی کوئی آشا پوری ہوگئی ہو، پھر میں نے غور کیا تو ماں کی مانگ میں سیندور کا رنگ دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ شاید گوپال چاچا نے ماں کے ساتھ اگنی کے پھیرے لگانے والی شرط پوری کر دی تھی۔ میں ماں کے چہرے پر ایک سہاگن کے دمکتے چمکتے رنگ دیکھ رہی تھی کہ ماں نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات کملا؟'' آج تو اس دھیان سے میرے اندر کیا کھوج رہی ہے؟''

''ماں!'' میں نے خود کو سنبھال کر مدھم آواز میں کہا۔ ''آج تمہاری مانگ میں یہ سیندور......''

''یہ مندر کی ایک پجارن کی شرارت ہے۔'' ماں نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی۔ ''میں تیرے گوپال چاچا کے ساتھ بڑے مندر میں پوجا کے کارن گئی تھی جہاں ایک چنچل پجارن نے کچھ اور سمجھ کر میری مانگ میں سیندور بھر دیا۔ میں اسے ابھی صاف......''

''نہیں ماں نہیں۔'' میں نے تیزی سے اٹھ کر ماں کی مانگ کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ تھام لئے۔ انجان بن کر بڑے پیار سے بولی۔ ''اگر یہ کسی پجارن کا کھلواڑ ہے تو بھی میری بنتی ہے کہ اسے صاف نہ کرنا۔ برسوں بعد آج تو پھر مجھے بڑی سندر دکھائی دے رہی ہے۔''

''کملا!'' ماں کے من کا چور آنکھوں سے جھانکنے لگا۔ ''کیا تو مانگ میں سیندور کا مطلب سمجھتی ہے؟''

''مطلب وطلب میں کیا دھرا ہے ماں۔'' میں نے بھولپن سے جواب دیا۔ ''جس روپ' جس رنگ میں من کو شانتی ملے......وہی سب سے بھلا لگتا ہے۔ سچ ماں! آج تو بڑی سندر لگ رہی ہے۔ تالاب کے پانی میں تیرتے ہوئے کسی تازہ کنول کے پھول جیسی۔''

''تو ابھی نہیں سمجھتی کملا! کسی ودھوا کیلئے مانگ میں سیندور بھرنا دھرم کے......''

''دھرم کرم بھی سب ڈھونگ ہے۔'' میں نے ماں کی چھاتی سے چمٹ کر کہا۔ ''پنڈت پجاری اور بڑے بڑے بھاشن دینے والے کسی کا پیٹ نہیں بھرتے۔ کسی ابلا کے سر چھپانے کو گھاس پھوس کا چھپر نہیں دیتے۔ اپنا نام اونچا کرنے اور گدی چمکانے کی باتیں کرتے ہیں' جو کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھرتیں اور یہ پنڈت پجاری جو سانڈ بنے ڈکراتے رہتے ہیں' یہ بھی کھرے نہیں ہیں۔ دیوی کے چرنوں پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں' یہ وہ بھی چٹ کر جاتے ہیں۔ آنے جانے والوں میں تھوڑا بہت پرساد بانٹ کر جے بجرنگ بلی اور دوسرے نعرے لگا کر ان کا من بہلا دیتے ہیں۔ یہ سب کھوٹ ہی کھوٹ ہے۔ ڈھونگ رچانے کی باتیں ہیں۔ اس کے سوا یہ دھرماتما اور کچھ......''

''بری بات ہے کملا!'' ماں نے مجھے ڈانٹا۔ ''خبردار جو تو نے اپنی زبان سے پھر کوئی ایسا شبد نکالا۔ دھرم ہر حال میں دھرم ہوتا ہے۔ شاستروں میں جو لکھا ہے' اس کا پالن کرنا ہی ہمارا دھرم ہے۔''

''میں وچن دیتی ہوں ماں کہ اب دھرم کے بارے میں کبھی زبان نہیں کھولوں گی' پرنتو تجھے بھی میری ایک بات ماننی پڑے گی۔''

"وہ کیا؟"

"کسی نٹ کھٹ پجارن نے اگر بھول سے بھی تیری مانگ میں سیندور ڈال ہی دیا تو اب تو اسے صاف نہیں کرے گی۔ یہ تیری کملا کی بنتی ہے۔"

ماں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ بڑھا کر مجھے کھینچا اور اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اس کے دل کی دھک دھک میں مندر کی گھنٹیوں کی مدھر آواز کا رنگ بھی گھلا ملا تھا۔ وہ اپنے من کا بھید نہیں چھپا سکی......!!

❁❁❁

اِسکول کھلا تو میں پھر تن من دھن سے پڑھائی میں لگ گئی' لیکن ایک خیال مجھے ہمیشہ پریشان کرتا رہا۔ مانگ میں سیندور والی بات کے بعد سے ماں آدھی رات کے بعد چوری چھپے گوپال چاچا کے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ صبح میرے جاگنے سے پہلے واپس آ جاتی۔ میں نے بہت سوچا...... بہت وچار کیا' پھر ایک دن میں نے دبی زبان میں گوپال چاچا کی موجودگی میں ماں سے کہا۔

"ماں! اگر تو برا نہ مانے تو ایک بات کہوں؟"

"پہلے میں نے کبھی تیری بات کا برا منایا ہے جو اب مناؤں گی۔" ماں کی نگاہوں میں پیار چھلک رہا تھا۔

"میں ساتویں جماعت میں اول آئی تھی نا۔" میں نے بچوں کی طرح لہک کر کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ اب ہر سال اسی پوزیشن سے پاس ہوتی رہوں۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" گوپال چاچا نے کہا۔ "اس میں برا ماننے والی کیا بات ہے؟"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ درمیان میں روڑا نہ اٹکا دیں۔" میں نے براہ راست گوپال چاچا سے کہا تو وہ کسمسا کر بولے۔

"یہ کیسے سوچ لیا تو نے؟ میں اور تیری کوئی بات نہ مانوں' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"پھر وچن دیں کہ جو بات میں کہوں گی...... آپ اس میں میرا ساتھ دیں گے۔" میں نے ذرا اٹھلا کر گوپال چاچا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ چہک کر بولے۔

''میں گلے گلے تیرا ساتھ دوں گا۔اب بتا کیا بات ہے؟''

''مجھے رات کو پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔'' میں نے کھل کر کہا۔''اگر آپ اجازت دیں تو میں نیچے کمرے میں شفٹ ہو جاؤں۔''

''لیکن تیرے بنا اکیلے کمرے میں میرا دل کیسے لگے گا۔'' ماں نے کمزور سا اعتراض کیا۔

''کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔'' گوپال چاچا نے ماں کو کنکھیوں سے دیکھا پھر خوشی خوشی کہا۔''یہ سارا گھر تیرا اپنا ہے۔ جہاں من چاہے رہ۔ ہاں' نیچے رہنے سے تجھے ایک فائدہ اور بھی ہوگا۔ کبھی کبھی میں بھی تیری سہائتا کر دیا کروں گا' پرنتو ایک شرط پر......'' گوپال چاچا کی انگلیاں میرے ہاتھ پر سرسرانے لگیں۔''تو کھولتی ہوئی چائے دوبارہ اپنے اوپر نہیں گرائے گی۔''

ماں نے محض دکھاوے کی خاطر میری مخالفت کی' لیکن پھر وہ بھی تیار ہو گئی۔ اگلے دن سے گوپال چاچا اور ماں دونوں کے چہروں سے گُلال کا رنگ چھلکنے لگا۔ مجھے ماں سے دور رہنے کا دکھ ضرور تھا لیکن کباب کے بیچ ہڈی بنے رہنا بھی مجھے منظور نہیں تھا۔

گوپال چاچا میرے فیصلے سے زیادہ خوش تھے۔ پڑھانے کے بہانے وہ اب نیچے کا چکر بھی بڑی پابندی سے لگانے لگے تھے۔ میں ان کی موجودگی میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ چوکنا رہنے لگی۔ جتنی دیر وہ نیچے اکیلے میں میرے ساتھ رہتے' میرا دل اندر ہی اندر ڈرتا رہتا۔ میں اب اتنی بچی بھی نہیں رہی تھی کہ یہ نہ سمجھ سکتی کہ آگ اور پٹرول کا ساتھ ہمیشہ خطرناک ہی ہوتا ہے۔ ایک ذرا سی چنگاری بھی سپنوں کے تاج محل کو جلا کر بھسم کر سکتی تھی۔

✿✿✿

دو سال اور بیت گئے۔ میں آٹھویں سے پھلانگ کر میٹرک میں پہنچی تو میری عمر اور رنگ و روپ کا نکھار بھی اسی انوسار اور ادھک (زیادہ) ہو گیا۔ گوپال چاچا میٹرک کی پڑھائی کے بہانے اپنا زیادہ سمے میرے ساتھ گزارنے لگے۔ ماں کی نظروں نے بھی بھانپ لیا کہ ان کے نئے گھونسلے (نشیمن) پر بجلی کوندنے لگی ہے۔ گوپال چاچا کی نظروں کا جھکاؤ میری طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ ماں نہ کھل کر گوپال چاچا کو روک سکی...... نہ مجھ سے کچھ کہہ سکی۔ سارا روگ اس نے اپنی جان کو لگا لیا اور بیمار رہنے لگی۔ پہلے بستر سے لگی' پھر ایک دن گوپال چاچا نے ڈاکٹروں کے مشورے پر اسے ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ میں کانپ کر رہ گئی۔ نردوش ہونے کے باوجود میری جوانی کی اٹھان نے مجھے دوشی بنا دیا تھا۔ ماں نے اپنی جان کو جو روگ لگا لیا تھا...... میں اس سے پوری پوری

جانکاری رکھتی تھی، لیکن اس کے من کو شانتی پہنچانے کیلئے کچھ بھی نہ کرسکی۔

ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ماں کی حالت دو چار روز میں سنبھل جائے گی۔ ماں کے بھیتر جو جوالامکھی سلگ رہی تھی، وہ اس کا راز نہیں جان سکے تھے۔ گوپال چاچا بھی ماں کی حالت دیکھ کر پریشان تھے۔ انہوں نے کئی دوسرے ڈاکٹروں اور ماہروں سے ماں کی بیماری کے سلسلے میں ملاقات کی، پھر ایک دن وہ گھر واپس آئے تو میں ان کے چہرے پر نراشا کے بادل منڈلاتے دیکھ کر کانپ اٹھی۔

''کیابات ہے گوپال چاچا؟'' میں نے سہمے سہمے انداز میں پوچھا۔ ''ماں کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''نہیں کملا!'' گوپال چاچا نے اداس لہجے میں کہا' پھر سر تھام کر بیٹھ گئے۔

''کیا ہو گیا ہے ماں کو؟'' میں نے تڑپ کر سوال کیا۔

''اس مورکھ نے اپنی جان کو ایک خطرناک روگ لگا لیا۔ میری خوشیاں پھر سے مجھ سے منہ موڑ رہی ہیں۔ وہ...... وہ...... للیتا کو کینسر ہو گیا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تو میں پھر اکیلا رہ جاؤں گا۔''

ماں کو کینسر ہو گیا تھا۔ یہ سن کر میں چکرا گئی' لیکن اس روز میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ گوپال چاچا کو بھی میری ماں سے بہت پیار تھا۔ وہ بہت تھکے تھکے' نراش اور دکھی دکھائی دے رہے تھے۔

''کیا کینسر کا کوئی علاج نہیں ہے؟'' میں نے گوپال چاچا کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بسورتے ہوئے پوچھا تو وہ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر بولے۔

''بھگوان سے پراتھنا کر کملی! شاید وہ تیری پکار سن لے۔'' گوپال چاچا کی آواز بھی کپکپانے لگی۔ ''تیری ماں کو کچھ ہو گیا تو...... تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔''

یہ کہہ کر گوپال چاچا سسک سسک اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

میں بھی تڑپ رہی تھی۔ میں نے ماں کیلئے ہاتھ باندھ کر بھگوان سے اس کے جیون کی پراتھنا کی۔ مندر جا کر دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں ڈھیر سارے چڑھاوے چڑھانے کا سچے من سے وچن بھی دیا' لیکن ماں کو موت کے ظالم ہاتھوں سے نہ بچا سکی۔ ایک دن وہ مجھے اور گوپال چاچا دونوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر پرلوک سدھار گئی۔

گوپال چاچا کے جیون میں پھر بھونچال آ گیا۔ انہیں جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ ہر وقت ماں

کی تصویر سے بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ تھک جاتے تو رو رو کر من بہلانے کی کوشش کرتے، دس بارہ روز تک دفتر بھی نہیں گئے۔

میں نے کسی نہ کسی طرح میٹرک کا امتحان دیا، پھر گوپال چاچا کے کہنے پر اوپر کے کمرے میں آ گئی۔

مجھے اچنبھا تھا کہ ماں کے مرنے کے بعد گوپال چاچا بالکل بدل گئے تھے۔ اب انہوں نے میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی بند کر دی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد پتا سمان میرا خیال رکھنے لگے تھے، لیکن پھر جو کچھ ہوا، اس نے میرے جیون کے سارے سپنوں کو چکنا چور کر دیا۔

ماں کو مرے دو مہینے بیت چکے تھے۔

اس رات میں ماں کے بستر پر لیٹی سو رہی تھی، جب اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کوئی میرے تلوے چاٹ رہا ہو۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ جو نائٹ بلب ہمیشہ جلا کر سونے کی عادی تھی، وہ بھی بجھا ہوا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھی تو گوپال چاچا کی درد بھری آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''للیتا! تو نے بڑا اچھا کیا جو واپس لوٹ آئی۔ تیرے بنا یہ گھر، یہ کمرا، یہ سنسار بڑا سونا سونا لگ رہا تھا۔''

گوپال چاچا نے مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹنے کی کوشش کی تو میں نے بھنچی بھنچی آواز میں کہا۔

''یہ......یہ......میں ہوں گوپال چاچا......کملا......''

''چنتا مت کر میری رانی! کملا نیچے کمرے میں ہے۔ دھیما بول نہیں تو اس کی آنکھ کھل جائے گی۔'' گوپال چاچا نے مجھے دیوانگی کے عالم میں پوری قوت سے دبوچ لیا۔ میں کسی معصوم فاختہ کے مانند تڑپتی رہی، لیکن گوپال چاچا کسی خونخوار درندے کی طرح مجھے بھنبھوڑتے رہے۔ طوفان کا ریلا اتنا شدید تھا کہ میں اپنے بچاؤ میں ہاتھ پاؤں مارنے کے سوا اور کچھ بھی نہ کر سکی، پھر جب طوفان گزر گیا تو گوپال چاچا نے میرے بازوؤں میں سر چھپا کر مدھم آواز میں کہا۔

''اب تو واپس آ گئی ہے للیتا......تو مجھے چھوڑ کر مت جانا، نہیں تو میں مر جاؤں گا۔'' پھر وہ چین کی نیند سو گئے۔

میں اپنی بربادی پر آنسو بہاتی رہ گئی۔ گوپال چاچا تین برس گزر جانے کے بعد آج بھی زندہ ہیں۔ بدنامی کے ڈر سے میں نے زبان بند کر رکھی ہے۔ زبان کھل گئی تو سر چھپانے کا یہ ٹھکانہ بھی

جاتا رہے گا۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہوں گی۔

میرے جیون کی نیّا تین سال سے بیچ منجدھار میں ڈگمگا رہی ہے۔ گوپال چاچا دن بھر کملا کملا کہہ کر پوری طرح میرا دھیان رکھتے ہیں۔ کبھی اکیلے گھر میں بھی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے۔ پتا سمان پیار کرتے ہیں، لیکن ہفتہ دس دن میں کبھی کبھی جب رات میں ان پر دورہ پڑتا ہے تو میں ان کیلئے کملا نہیں للیتا بن جاتی ہوں۔

گوپال چاچا میرے ساتھ کوئی ناٹک رچا رہے ہیں یا سچ مچ نفسیاتی مریض بن چکے ہیں؟ میں وشواس سے نہیں کہہ سکتی پرنتو اتنا ضرور جانتی ہوں نرملا نے اپنے باپ کا جو کچرا گوپال چاچا کے سر ڈالا تھا، اس کی بساند آج بھی ان کے شریر میں رچی بسی ہے۔

❁❁❁

پاکستان ورچوئل لائبریری ڈاٹ کام

گونج

اس روز بھی گزرتے دسمبر کا وہ دن کافی سرد تھا۔

بملا کماری روز کی طرح آج بھی اپنی دومنزلہ عمارت کی کھلی چھت پر تخت پر اوندھی لیٹی سریتا سے چمپی کرا رہی تھی' اس کے بدن پر ایک ڈھیلی ڈھالی قمیض اور کالی رنگ کی لنگی تھی' جسے سریتا نے گھٹنوں سے اوپر تک چڑھا رکھا تھا اور پیلی سرسوں کے تیز جھار والے تیل میں ہاتھ بھگو کر بملا کماری کے تھل تھل کرتے جسم پر پوری طاقت سے زور آزمائی کر رہی تھی۔

بیس منٹ بیت گئے تو سریتا کے ماتھے پر بھی پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلملانے لگے۔ اس کے چہرے سے بیزاری جھلک رہی تھی' جاڑے کے موسم میں جب دوسری تمام لڑکیاں انگیٹھی جلائے اپنے اپنے کمروں میں نرم گرم بستر پر لیٹی سپنے دیکھا کرتی تھیں تو سریتا کو کھلے آسمان کے نیچے گوشت کے ایک پہاڑ جیسے جسم سے زور آزمائی کرنی پڑتی تھی۔

دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں سریتا اپنی کاٹھی کے اعتبار سے سب سے بہتر تھی۔ سانولی رنگت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر نمک بھی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ صورت و شکل بھی بہتر تھی۔ درمیانہ قد' بھرے بھرے کولھے' جوبن کا نکھار' گاہکوں کا من موہ لینے والا انداز اور بیس برس کی عمر' اس میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ تمام ساتھی لڑکیاں اسے اپنا گرو مانتی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ بملا نے بھی اسے ضرورت سے زیادہ منہ چڑھا رکھا تھا' ورنہ بملا جیسی پرانی پاپن اور گھاگ عورت کسی کو اپنے پٹھے پر ہاتھ رکھنے کی اجازت بھی نہیں دیتی تھی' کوٹھے کی تمام لڑکیاں اس کی آنکھ کے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتی تھیں۔ علاقے کے بدمعاش بھی بملا کماری سے نظریں نیچی کر کے بات کرتے تھے۔ تھانے کی پولیس بھی بملا کے معاملات میں ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیتی

تھی۔ شاید کہ بملا کماری ان کی لگی بندھی رقم ہمیشہ وقت سے پہلے ادا کرنے کی عادی تھی۔ اس کے علاوہ بھی سرکاری وردی والوں کی مٹھی گرم کرتی رہتی تھی۔

پورے علاقے میں اس کے کوٹھے کا کاروبار بھی سب سے اچھا تھا۔ اس کا کارن وہ سندر لڑکیاں تھیں جن کی آئے دن چھانٹی ہوتی رہتی تھی۔ نیا نیا مال خریدنے اور اسے کاروبار کی اونچ نیچ سکھانے میں بھی وہ ہمیشہ سب سے آگے آگے رہتی۔ ایک کی جگہ دس وصول کرتی تھی' لیکن مال ہمیشہ کھرا سپلائی کرتی۔ کسی گاہک کو شکایت ہوتی تو وہ اس کی پوری طرح چھان بین کرتی۔ کاروباری معاملات میں وہ کسی کے ساتھ اپنے اندر لچک پیدا کرنے کی عادی نہیں تھی۔

بیس سال پہلے جب وہ اسی کوٹھے پر ایک دن بکاؤ مال بن کر سر جھکائے آئی تھی تو اس کا دل بھی دھک دھک کر رہا تھا۔ اس وقت اس کی عمر پندرہ سال تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ اپنے ایک دو نمبر کے پریمی کے جھانسے میں پھنس کر اس گندے بازار تک پہنچی تھی' جہاں شریر کا ناجائز کاروبار بڑے دھڑلے سے ہوتا تھا۔ چھ مہینے تک اسے بڑے لاڈ پیار سے رکھا گیا' پیار محبت سے گاہکوں سے بات کرنے' انہیں رجھانے اور نقد نرائن وصول کرنے کے تمام گر سکھائے گئے' پھر ایک دن اسے کوئی ہلکی نشہ آور چیز پلا کر ایک ٹھکے ہوئے گبرو راجھستانی گاہک کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ رات بھر وہ کسی بھٹی کی آگ میں رانگے کی طرح مچلتی رہی' تڑپتی رہی' صبح کوٹھے پر واپس آئی تو اس کا ایک ایک انگ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس نے کوٹھے کی سابقہ ٹھیکیدار جانکی دیوی کے چرن تھام کر دیا کی بھیک مانگی' لیکن اس کی بات کو ہنس کر ٹال دیا گیا۔ ساتھی لڑکیوں نے اسے مبارکباد دی' پھر جب بملا کو اس بات کا وشواس ہو گیا کہ موری کی اینٹ بن جانے کے بعد وہ دوبارہ چوبارے نہیں چڑھ سکتی تو اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ ایک مرد کی چالبازی کا انتقام دوسرے سے لینے کے کارن وہ جوالا مکھی بن گئی۔ جو بھی اس کے ہتھے چڑھا...... بملا نے کنگال بننے تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے ساتھ کی تمام لڑکیوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

پندرہ سال تک وہ کسی بپھرے ہوئے سیلاب کے منہ زور ریلے کی طرح گاہکوں کو روندتی رہی' اپنے گداز ہونٹوں کی مسکان سے سب کے دلوں پر بجلی گراتی رہی۔ اپنا زہر دوسروں کے شریر میں اتارتی رہی' پھر ایک موڑ پر لکشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اپنا سب کچھ ہار گئی۔

لکشمن نے منہ مانگا مول چکتا کر کے اسے پوری رات کیلئے حاصل کیا تھا' لیکن تمام رات

وہ بملا سے میٹھے میٹھے بول بولتا رہا' پیار بھری دل موہ لینے والی باتیں کرتا رہا۔ اس نے بملا کو نہ تن سے کپڑے اتارنے کا حکم دیا' نہ اس کے شریر کو ہاتھ لگایا۔ بملا نے اپنے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے اس پتھر کو موم بنانے کے جتن کر ڈالے' لیکن لکشمن ٹس سے مس نہ ہوا۔ کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ بملا کے گندے وچاروں کو پریم لوریاں سناتا رہا۔ زہر کو امرت بنانے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

صبح بملا نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا۔ اس کے اندر کی ویشیا نے جیون میں دوسری بار کسی ویرانے میں شہنائی کی مدھر آواز سنی تو اس کے قدم ڈگمگا گئے۔ واپسی کے وقت وہ لکشمن کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ اس نے لکشمن کو پہلی بار ایک گھریلو عورت کی طرح بڑے پیار سے دیکھا' پھر بے اختیار لپک کر اس کی چوڑی چھاتی سے لپٹ گئی۔

"لکشمن......" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا "تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ میری اصلیت کیا ہے؟ سمجھدار لوگ اُس دھرتی کا سودا بھول کر بھی نہیں کرتے جسے کھار لگ چکی ہو...... اور تم......"

"ہم پتھر کی مورتی کے سامنے بھی ڈنڈوت کرتے ہیں...... کیوں؟" لکشمن نے اس کے چہرے کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر بڑے پیار سے کہا "اس لئے کہ وہ ہماری بپتا سنتا ہے۔ ہماری بنتی سویکار کرتا ہے۔ ہم سب کا کھیون ہار ہے۔ سب کا نیا پار لگاتا ہے۔"

"لیکن دھرتی کے لوگ ہمیں سکھ سے نہیں......"

لکشمن نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا' آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے ٹھوس لہجے میں بولا "لکشمن اور لکشمی کے پیار کو کبھی گہن نہیں لگے گا...... مجھ پر وشواس کرو"

بملا کے من مندر میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی۔ اس نے پھر کچھ کہنا چاہا' لیکن اس بار لکشمن نے پوری رات گزرنے کے بعد پہلی بار اس کے کومل شریر کو پوری شکتی سے بھینچ کر اس کے کپکپاتے ہونٹوں کو کسی بھنورے کی طرح پوری شدت سے چوم لیا...... پیار کی ایسی مہر لگائی کہ بملا سب کچھ بھول کر سپنوں کی دنیا میں گم ہوگئی۔

لوہے کو تپا دیکھ کر لکشمن نے بملا کے کومل شریر کو کسی لچکتی شاخ کی طرح ہاتھوں میں اٹھالیا۔ دوبارہ اس کمرے میں لے گیا جہاں رات بھر وہ کسی چتر' چالاک اور چنڈال مکڑی کی طرح بملا کو ایک مکھی سمجھ کے اپنے سنہرے جال میں پھنسانے کے کارن الٹے سیدھے راگ الاپتا رہا تھا۔ اس

نے ایک رات کی قیمت چکائی تھی لیکن اپنی داسی بنانے کے کارن جو پیار کا ناٹک رچایا تھا' اس میں پوری طرح سپھل ہو رہا تھا۔ دوسری طرف بملا اپنے سندر بھوش کے ساگر میں ہچکولے کھا رہی تھی' آنے والے کل کے سندر سپنوں میں گم تھی۔ اور سمے اس بات پر مسکرا رہا تھا کہ..... لوہا لوہے کو کاٹ رہا تھا......!!!

لکشمن کے پیار میں پھنس کر بملا نے اسے دیوتا سمان پوجنا شروع کر دیا۔ وہ بازار جانے کے بہانے گھر سے نکلتی اور چوری چھپے لکشمن کا پہلو گرما کر واپس لوٹ آتی۔ لکشمن ہر ملاقات میں اسے وشواس دلاتا رہا کہ وہ بہت جلد اس کے ساتھ بیاہ رچا لے گا۔ لکشمن کے جھوٹے پیار نے اسے سچ مچ پاگل بنا دیا تھا۔ وہ اس کے ہر وعدے پر بھروسہ کرتی رہی۔

جانکی دیوی نے اپنے کوٹھے کی لڑکیوں کو ڈھیل ضرور دے رکھی تھی' لیکن اس کے گرگے اسے پل پل کی خبر دیتے رہتے تھے۔ بملا نے بھی ایک دو کو منہ لگا کر اپنا سیوک بنا رکھا تھا' لیکن ایک دن جانکی دیوی کو اس کی بھنک مل گئی...... اس روز بملا تھکی ماندی واپس لوٹی تو جانکی نے اپنی تجربہ کار نظروں سے اس کے اندر کا چور بھی پکڑ لیا...... بملا کو کریدنے سے پہلے اس نے بملا کے ساتھ جانے والی لڑکی مادھوری کو اپنے کمرے میں بلا کر پوچھا۔

''تم دونوں آج کہاں گئی تھیں......؟''

''میں نے اپنے کانوں کے جھومر صاف کرنے کو دیئے تھے۔'' مادھوری نے بے پروائی سے جواب دیا ''بملا میرے ساتھ ہی بازار گئی تھی۔''

''تم دونوں ایک ساتھ ہی تھیں یا......'' جانکی نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر مادھوری کو ٹیڑھی نظروں سے گھورا تو مادھوری کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''میں بملا کو بڑے بازار میں چھوڑ کر سنار کی طرف چلی گئی تھی پھر......''

''پھر تم دونوں ایک ساتھ گھر واپس آ گئیں۔'' جانکی دیوی نے کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا' پھر تیوری پر تیل ڈال کر بولی ''آج جگا آیا تھا میرے پاس...... تجھے خریدنے کی بات کر رہا تھا۔''

جگا کا نام سن کر مادھوری کے دیوتا کوچ کر گئے۔ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی۔

''میرے کوٹھے کی ساری رنڈی کا سودا جگا کے سوا کسی اور سے نہیں ہوتا۔'' جانکی نے سرسراتے لہجے میں بات جاری رکھی۔ ''بازار کا سب سے بڑا بدمعاش ہونے کے علاوہ پرانے مال

کو نیا بنا کر اپنے دام کھرے کرنے میں بھی اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ پرانا دلال ہے‘ چھوٹے موٹے گاہکوں کی لائن لگی رہتی ہے اس کے آگے پیچھے۔ ہزار کی جگہ سو دو سو وصول کر کے بھی جتنا خرچ کرتا ہے اس کا چار گنا بنا لیتا ہے۔‘‘

’’دیدی۔۔۔۔‘‘ مادھوری نے جانکی دیوی کے سامنے ہاتھ باندھ لئے۔ ’’تم چاہو تو مجھے اپنے ہاتھوں سے زہر دے دو لیکن جگا۔۔۔۔۔۔‘‘

’’بملا کس کے ساتھ پینگیں بڑھا رہی ہے۔۔۔۔۔؟‘‘ جانکی نے قہر آلود نظروں سے گھورا ’’جھوٹ نہیں چلے گا۔ سچ سچ اگل دے‘ اسی میں تیری بھلائی ہے۔‘‘

’’لکشمن نام کا ایک جوان ہے دیدی۔۔۔۔۔‘‘ مادھوری نے لرزتی آواز میں جواب دیا۔ ’’بملا اسی کے پریم میں دیوانی ہو رہی ہے۔

’’کب سے چل رہا ہے یہ چکر۔۔۔۔۔؟‘‘ جانکی کی آنکھوں میں سرخی تیرنے لگی۔

’’تین مہینے سے اوپر ہو گئے۔‘‘ مادھوری نے اپنی جان بچانے کی خاطر کہا ’’میں نے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ۔۔۔۔۔‘‘

’’بس۔۔۔۔‘‘ جانکی گرج کر بولی ’’زیادہ ستی ساوتری بننے کی کوشش مت کر۔ چل دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے اور خبردار جو تو نے بملا سے کوئی بات کی۔‘‘

مادھوری نے رحم طلب نظروں سے جانکی دیوی کو دیکھا‘ پھر تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ جگن ناتھ جو پورے بازار میں جگا کے نام سے مشہور تھا کس کینڈے کا بدمعاش تھا۔ بازار کے سارے کوٹھے جیسے اس کے باپ دادا کی جاگیر تھے۔ ہر کوٹھے سے وہ منہ مانگا بھتا وصول کرتا تھا۔ اس کے چیلے بھی اس کا نام لے کر پورے علاقے میں دندناتے پھرتے تھے‘ لیکن جانکی دیوی کی طرف کوئی آنکھ اٹھانے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا‘ شاید اس لئے کہ جگا بھی جانکی دیوی پر مہربان تھا۔ کیوں؟ اس کے بارے میں مادھوری کو کوئی خاص جانکاری نہیں تھی‘ لیکن اس نے جانکی اور جگن ناتھ کے سانٹھ گانٹھ کی بہت ساری کہانیاں سن رکھی تھیں!

جانکی نے مادھوری کی زبانی بملا اور لکشمن کی کہانی سن کر دوسرے ہی دن جگا کو بلا کر بند کمرے میں کچھ راز و نیاز کی باتیں کیں۔ اس کے دو دن بعد مادھوری نے اخبار میں لکشمن کے قتل ہونے کی خبر پڑھی تو کانپ کر رہ گئی۔ بملا کو اس بھیانک واردات کی خبر ملی تو وہ بن جل کی مچھلی کی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ جانکی نے انجان بن کر اس کا دکھ جاننے کی کوشش کی۔ بملا نے کسی

اندرونی بیماری کا بہانہ کیا تو جانکی بھی ٹال گئی، لیکن جب کچھ دنوں بعد اس نے ایک دو بار بملا کو پیٹ پکڑ کر الٹیاں کرتے دیکھا تو چپ نہ رہ سکی۔

''کیا بات ہے بملا رانی......؟'' جانکی دیوی نے دیدے مٹکا کر دریافت کیا۔ ''کہیں تیرا پیر تو بھاری نہیں ہو گیا؟''

بملا نے من کا بھید چھپانے کی کوشش کی، لیکن جانکی نے لیڈی ڈاکٹر کو بلا کر کھوج لگوایا تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔ لیڈی ڈاکٹر سچ بول کر چلی گئی تو جانکی دیوی نے کوٹھوں کے دستور کے مطابق بملا کماری کو اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔

''پانچ مہینے تک تجھے دھندا جاری رکھنا ہوگا، اس کے بعد آرام کرنا۔ لڑکی ہوئی تو سارا خرچہ پانی ہم برداشت کریں گے پرنتو ایک شرط پر...... جوان ہونے کے بعد وہ بھی اسی لائن پر چلے گی، جس پر کوٹھے کی دوسری لڑکیاں چل رہی ہیں......لڑکا ہوا تو مہینے دو مہینے کے بعد کسی اناتھ آشرم میں بھیجنا ہوگا اور چار مہینے آرام کا سارا خرچہ بھی تیرے کمیشن سے کٹے گا۔ ایک بات اور کان کھول کر سن لے......اس بار میں تجھے شما کر رہی ہوں، لیکن اگر دوسری بار تو نے کوئی روگ پالنے کی بھول کی تو پھر پورے سنسار میں تجھے کہیں شرن نہیں ملے گی۔ جانکی نے آج تک کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔''

بملا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک تو لکشمن کے قتل کی خبر نے اسے پہلے نڈھال کر دیا تھا، دوسرے جانکی دیوی کی تلخ باتوں نے اس کے اندر ایک اور طوفان کھڑا کر دیا۔

دو تین دنوں تک وہ صرف اپنے کمرے تک محدود رہی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اپنے کوکھ میں کلبلانے والی لکشمن کی نشانی کو کسی قیمت پر بھی تقدیر کے ہاتھوں کھلونا نہیں بننے دے گی۔ اسے ہر قیمت پر جنم دے گی۔ زندگی کی آخری سانسوں تک اس کی رکھوالی کرے گی۔ ان راستوں پر کبھی نہ چلنے دے گی، جس پر وہ خود چل رہی تھی۔

جانکی اٹھتے بیٹھتے بملا کے تیور دیکھ رہی تھی۔ اس نے بڑی بڑی منہ زور گھوڑیوں کو لگام دینے میں کبھی کوئی رعایت نہیں برتی تھی، لیکن بملا کی بات کچھ اور تھی۔ وہ اس کے کوٹھے کا سب سے انمول نگینہ تھی۔ وہ بملا کو کھونا بھی نہیں چاہتی تھی، لیکن اسے زیادہ ڈھیل دے کر اور منہ زور بھی نہیں بنانا چاہتی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے ایک روز کانتا کو اعتماد میں لے کر لکشمن کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی کہا کہ وہ بملا کو سمجھانے کی کوشش کرے۔

کانتا اور بملا میں بہنوں جیسا پیار تھا۔ جانکی دیوی نے جس کھرے انداز میں بملا کو سخت سست کہی تھی، وہ بات کانتا کو بھی پسند نہیں آئی تھی، لیکن جب اسے اصلیت کا بھید معلوم ہوا تو اس نے بملا کو سمجھانے کی ٹھان لی۔

اس روز بھی بملا نے دوسری لڑکیوں کے ساتھ شام کی چائے نہیں پی تھی۔ اپنے کمرے میں بیٹھی سوگ منا رہی تھی، جب کانتا دبے قدموں اندر داخل ہوئی۔

''کیسی ہو بملا......؟'' اس نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

''ابھی تک زندہ ہوں۔'' بملا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''کیا مجھ سے بھی ناراض ہو......؟'' کانتا نے اس کے قریب جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیا مہارانی جانکی دیوی اس سمے کوٹھے پر موجود نہیں ہیں؟'' بملا کے جملوں میں نفرت کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔

''وہ اپنے کمرے میں ہے۔'' کانتا نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

''پھر......؟'' بملا نے اسے دیکھا ''کیا تمہیں میرے پاس آنے سے نہیں روکا گیا؟''

''سچ پوچھو تو دیدی نے کسی سے بھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا۔'' کانتا نے سنجیدگی سے بملا کو حقیقت بتانے کی کوشش کی۔ ''کوٹھے کی دوسری لڑکیاں بھی تمہاری دوری کو محسوس کر رہی ہیں، لیکن دیدی کے غصے سے سب ہی ڈرتی ہیں۔''

جواب میں بملا نے ہونٹ چباتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس کے اندر دبا ہوا طوفان پھر سر اٹھانے کو مچلنے لگا، لیکن وہ ابھی کھل کر بغاوت کا اعلان نہیں کر سکتی تھی۔ جانکی دیوی کے شکاری کتے پورے علاقے میں دن رات چکراتے رہتے تھے۔ کسی جلد بازی سے کام لے کر وہ اسے اور چوکنا ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

''میں جانتی ہوں بملا......'' کانتا نے اس کے قریب بیٹھ کر بڑی اپنائیت سے کہا ''تمہارے من میں ایک جوالا مکھی پھٹ پڑنے کو مچل رہا ہے۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو شاید میں بھی وہی کرتی جو تم کر رہی ہو۔''

''اس کے باوجود تو نے پلٹ کر میری خبر نہیں لی۔'' بملا کی بادامی آنکھیں بھیگ گئیں '' مجھے تو کل بھی تیری دوستی پر وشواس تھا، آج بھی بڑا مان ہے۔''

''میں اب بھی تجھ سے اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا پہلے کرتی تھی۔'' کانتا نے اسے وشواس دلانے کی کوشش کی ''ہاں یہ ضرور ہے کہ میں بھی دیدی کے غصے کے کارن تجھ سے دور دور رہی۔''

''پھر......اب کیا تجھے دیدی کے غصے سے ڈر نہیں لگ رہا......؟'' بملا نے تڑپ کر سوال کیا۔

''نہیں......دیدی کا غصہ اب ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔''

''مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہے......؟''

''نہیں......ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے، لیکن......''

''سریتا کا کیا حال ہے؟'' بملا نے کانتا کا جملہ کاٹ کر پوچھا۔ ''اس نے تو دیدی کی نظروں میں بڑا اونچا استھان حاصل کر لیا ہوگا' میرا پول کھول کر......؟''

''تو غلط سمجھ رہی ہے' سریتا نردوش ہے۔''

''پھر......دوشی کون ہے؟'' بملا چوٹ کھائی ناگن کی طرح تڑپ اٹھی۔

''ہمارا پاگل من......جو کسی گھنے درخت کی چھاؤں دیکھ کر وہیں ڈیرہ بنانے کے سپنے دیکھنے لگتا ہے۔''

''مطلب......؟'' بملا نے اسے کھوجنے والی نظروں سے گھورا۔

''میں لکشمن کی بات کر رہی ہوں۔'' کانتا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ کھرا آدمی نہیں تھا۔ سر سے پاؤں تک کھوٹا تھا۔''

''کانتا......!'' بملا کے ماتھے پر بل آ گئے۔ ''چلی جا میرے کمرے سے۔ میں لکشمن کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتی۔''

''کیوں......؟'' کیوں نہیں سن سکتی؟''

''اس لئے کہ میں نے اس کے ساتھ سچا پریم کیا تھا۔''

''اور اس نے تیرے پیار کا کیا بدل دیا......؟''

''ممتا کا پیار جو میرے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔''

''یہی تیری بھول ہے پگلی......'' کانتا نے بل کھا کر کہا ''لکشمن نے تجھ سے پریم نہیں کیا۔ تیرے ساتھ دھوپ چھاؤں کا کھیل کھیلتا رہا' اپنا من بہلاتا رہا' تجھے سپنے دکھاتا رہا اور......''

''کانتا......'' بملا چیخ اٹھی ''نکل جا میرے کمرے سے۔''

"جارہی ہوں۔" کانتا نے اٹھتے ہوئے کہا "پرنتو ایک سچ تجھے بتادوں۔ لکشمن اس شہر کا سب سے بدنام آدمی تھا۔ وہ بوٹیاں دے کر بکرے وصول کرنے کا عادی تھا۔ اگر کھرا ہوتا تو تیرے ساتھ لگن منڈپ سجانے میں دیر کبھی نہیں کرتا۔ پیار تن سے نہیں من سے کیا جاتا ہے۔"

کانتا تیزی سے اپنا جملہ مکمل کر کے کمرے سے چلی گئی' لیکن اس کے جملے سلگتی چنگاریوں کی طرح بملا کے تن بدن سے لپٹ گئے۔ کانتا کی باتوں میں وزن تھا۔ اس نے جو کہا وہ غلط بھی نہیں تھا۔ اگر لکشمن کا پیار سچا تھا تو وہ اگنی کے ساتھ پھیرے لگانے سے ٹال مٹول کیوں کر رہا تھا؟...... چھل کپٹ سے کیوں اپنا اُلو سیدھا کرتا رہا؟...... کیا فرق رہ گیا تھا اس میں اور دوسرے مردوں میں......؟؟

بملا کے اندر ایک طوفان سر اٹھا رہا تھا۔ اسے بیتی باتیں ایک ایک کر کے یاد آرہی تھیں۔ پہلی ملاقات میں لکشمن نے ساری رات اس کے شریر کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ پتھر کو موم بنانے کے کارن وہ چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا' پھر جب پتھر کو جونک لگی تو اس نے رات بھر کی کسر بھور بھئے پوری کر دی۔ "بوٹی دے کر بکرا وصول کر لیا۔"

کانتا کی جگہ اگر لکشمن کے بارے میں کوٹھے کی کسی اور کسی نے گند اچھالنے کی کوشش کی ہوتی تو شاید بملا اس کا منہ نوچ لیتی۔ لہولہان کر کے سارا جیون ایڑیاں رگڑنے پر مجبور کر دیتی' لیکن کانتا کی بات اور تھی...... جب بملا نے پہلے پہل کوٹھے کے جہنم میں قدم رکھا تھا تو سب سے پہلے کانتا نے اس کے اندر کے اجلے پن کو محسوس کیا تھا۔ اسے گلے لگا کر بہنوں جیسا پیار دیا تھا۔ جانکی دیوی کے نرک سے نکالنے کے کارن کانتا نے کئی بار تن من دھن سے بملا کی سہائتا کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن جانکی کے پالتو غنڈوں نے بملا کو اس جہنم سے نکلنے کا موقع کبھی نہیں دیا' پھر وہ بھی مجبور ہوگئی۔ بملا بھی سر سے پاؤں تک گندہی گند میں ڈوبتی چلی گئی اور آج......

آج اسی کانتا نے بملا کو لکشمن کا اصلی چہرہ...... اصلی روپ دکھا کر اس کے اندر سوئی ہوئی عورت کو پھر سے جھنجوڑ کر جگا دیا تھا۔

بہت دیر تک بملا کانٹوں کی سیج پر لوٹتی رہی۔ سچ اور جھوٹ کے درمیان ہچکولے کھاتی رہی۔ اپنے من کو کرید کرید کر ٹٹولتی رہی' پھر اسے کانتا کی کہی باتوں کا وشواس آ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ لکشمن کے پیار کو کھرچ کر اپنے من مندر سے نکال دے گی' لیکن اس کی کوکھ میں جو ایک ننھی سی جان دھرتی پر آنکھ کھولنے کو مچل رہی تھی اس کا کوئی دوش نہیں تھا۔ وہ اپنے پاپ کی سزا اسے نہیں

دے گی...... کبھی نہیں...... چاہے دھرتی ادھر کی ادھر ہو جائے۔

پھر بملا کے ذہن میں جانکی دیوی کے فیصلوں کی گونج شروع ہو گئی۔ ''اگر لڑکی ہوئی تو وہ بھی اسی لائن پر چلے گی، جس پر کوٹھے کی دوسری لڑکیاں ہنسی خوشی چل رہی تھیں اور...... لڑکا ہوا تو اسے کسی اناتھ آشرم کے حوالے کرنا پڑے گا۔'' جانکی کا کہا ہوا ایک ایک شبد بملا کے وجود کو کسی بھونچال کی طرح ڈگمگا رہا تھا۔ اس کے اندر طوفان ہی طوفان تھا، جس کے تیز جھکڑ میں بملا کا قدم جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ لکشمن نے بھی دوسرے مردوں کی طرح اسے دھوکا دیا تھا۔ وہ انتقام کی آگ میں جھلس رہی تھی۔ اس گھٹن کو دور کرنے کی خاطر بملا کو کھلی ہوا کی ضرورت تھی، لیکن وہ جس علاقے میں رہتی تھی وہاں جانکی دیوی کا راج تھا۔ وہ اس راج سے باہر نکلتی تو جگا اور اس کے خونخوار چیلے اسے دبوچ کر پھر کوٹھے پر چھوڑ جاتے۔ جانکی کا عتاب اور بڑھ جاتا۔ بملا کے پر کاٹ دیئے جاتے تو پھر وہ پنکھ پھیلا کر اڑ جانے کا سپنا بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ویشیا کے نام کی اس بیڑی کو نہیں کاٹ سکتی تھی، جو اس کی پہچان بن گیا تھا۔

بملا نے کچھ سوچ کر حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ جانکی کا وشواس حاصل کرنے کے کارن اس نے معافی مانگ لی۔ اس کے اشاروں پر اٹھنے بیٹھنے لگی...... ناچنے لگی، پھر سے گاہکوں کو اپنے جال میں پھنسا کر انہیں کنگال کرنے لگی۔

آہستہ آہستہ وہ حالات پر حاوی ہوتی چلی گئی، جانکی کی آنکھوں کا تارہ بن گئی۔ نمبر ون ہونے کی دوڑ میں کوٹھے کی سب لڑکیوں کو پیچھے چھوڑ کر بہت آگے نکل گئی۔ جگا اور اس کے گرگے بھی بملا کے گن گانے لگے، لیکن بملا نے ایک بات دل میں ٹھان رکھی تھی۔ وہ مر جائے گی لیکن اس کے کوکھ سے اگر لڑکی نے جنم لیا تو وہ اس کے شریر پر ویشیا کی چھاپ کا سایہ بھی نہیں پڑنے دے گی۔

بملا نے سب کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ جگا کے سب سے چہیتے چیلے رگھو کو بھی مٹھی میں کرنے کی خاطر اس نے اس کا پہلو گرما کر اپنے حق میں رام کر لیا تھا۔ کوٹھے کی تمام لڑکیوں سے وہ پیار بھرے میٹھے بول بولتی، لیکن من سے وہ صرف کانتا کو چاہتی تھی۔

اس روز وہ ایک دلیش بھگت کے ساتھ رات گزار کر آئی تو تھکی ماندی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دوپہر کو اسے کانتا نے جگانے کی کوشش کی۔

وہ کروٹ لے کر بولی۔ ''سونے دے کانتا۔''

''بملا...... میری بات تو دھیان سے سن لے۔'' کانتا نے اسے دوبارہ جھنجوڑ کر جگانے کی کوشش کی۔ ''کوٹھے کی تمام لڑکیاں ہسپتال جانے کو تیار ہیں۔تو بھی منہ پر چھینٹا مار کر برقع اوڑھ کر تیار ہو جا۔دیدی کی نظریں بھی تیری راہ تک رہی ہوں گی۔''

ہسپتال اور جانکی دیوی کا نام سن کر بملا ہڑبڑا کر اٹھی۔

''دیدی کہاں ہے......؟'' اس نے جماہی لیتے ہوئے بمشکل پوچھا ''ہسپتال میں کون ہے؟''

''دیدی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' کانتا نے سنجیدگی سے کہا'' کچھ دیر پہلے جگا کے ایک آدمی نے خبر دی ہے کہ دیدی کو بڑے ہسپتال میں داخل کرادیا گیا ہے۔جلدی اٹھ کر تیار ہو جا' نیچے گاڑیاں تیار کھڑی ہیں۔''

''ایکسیڈنٹ زیادہ خطرناک تو نہیں ہے؟'' بملا نے بے چینی سے پوچھا۔

''بھگوان بہتر کرے۔'' کانتا نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا'' جو آدمی خبر لایا ہے' اس کا تو یہی کہنا ہے کہ دیدی کی حالت بہت خراب ہے۔کسی لوڈنگ ٹرک سے ٹکرا کر دیدی کی کار چکنا چور ہو گئی ہے......چل جلدی کر۔''

بملا نے تیزی سے اٹھ کر منہ پر دو تین چلو پانی ڈالا۔الٹا سیدھا لباس پہنا پھر برقع اوڑھ کر سب لڑکیوں کے ساتھ نیچے آکر گاڑیوں میں بیٹھ گئی۔سب کو دکھانے کیلئے بملا نے بھی دکھ کا سوانگ رچانے کے کارن اپنے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کی نقاب چڑھالی تھی' ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر اسے کوئی دکھ نہیں ہوا۔کوٹھے کی سیڑھیاں اترتے سمے بھی اس کے من میں بس ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا۔

''اگر جانکی بھگوان کو پیاری ہو گئی تو کوٹھے کی نئی ٹھیکیدار کی پرچی کس کے نام نکلے گی؟''

❁❁❁

دو روز تک ہسپتال میں آخری سانس گننے کے بعد جانکی دیوی ترلوک سدھار گئیں۔کوٹھے کی تمام لڑکیوں نے کالا لباس پہن لیا' ہر طرف اداسی پھیل گئی۔چار روز تک کریا کرم کی رسمیں ہوتی رہیں۔پنڈت پجاری تک ناک بھنویں چڑھا کر کوٹھے پر آئے اور پوجا پاٹ کر کے واپس لوٹ گئے' پھر چتا کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو کوٹھے کا جیون ایک بار پھر پھریری لے کر جاگ اٹھا۔

سازندوں نے دوبارہ ہارمونیم' طبلے اور اپنے اپنے ساز سنبھال لئے۔ناچ گانے کی محفل

پھر شروع ہوگئی۔ گھنگروؤں کی چھنا چھن کی آوازیں بھی گونجنے لگیں۔ ایک منش کے ترلوک سدھار جانے سے جو خلا پیدا ہوا تھا' وہ پیٹ کی آگ بجھانے کے کارن آہستہ آہستہ ختم ہوگیا' دلالوں نے پھر رازداری سے چکر لگانے شروع کردیئے' گاہکوں سے شریر کے لین دین کا کاروبار پھر شروع ہوگیا۔ سمے گزرنے کے ساتھ جانکی دیوی کی یادیں بھی دھندلاتی چلی گئیں۔

ایک ہفتے تک جانکی دیوی کی گدی جگا نے سنبھالی' پھر کچھ دنوں تک کانتا نے کاروبار چلانے کی کوشش کی۔ سیتا' چمپا' نرملا' سریتا کے علاوہ کچھ دوسری لڑکیوں نے بھی جوڑ توڑ لگا کر جانکی دیوی کی گدی پر قبضہ جمانے کے سپنے دیکھے' لیکن آخری فیصلہ بملا کماری کے حق میں ہوا۔ جانکی دیوی کا سنگھاسن حاصل کرنے کیلئے سب نے جوڑ توڑ کیا۔ بڑی بڑی بولیاں لگائیں' لیکن جیت آخرکار بملا کی ہوئی۔ رگھو نے اس کی سب سے زیادہ سہائتا کی تو جگا بھی اس کے حق میں رام ہوگیا۔

کل تک جس پنچھی کے پر کٹے تھے' وہ گدی سنبھالتے ہی اونچی اڑان اڑنے لگی۔ اس نے جانکی سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کچھ زمانے کی اونچ نیچ نے اسے سبق سکھا دیئے تھے۔ گدی سنبھالتے ہی اس نے اس کوٹھے کی تمام لڑکیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ شروع کردیا۔ مادھوری کو دل سے معاف کردیا۔ سریتا سب سے زیادہ تجربہ کار تھی' اس لئے اسے لڑکیوں کی ذمہ داری سونپ دی۔ دھندے میں جو کمیشن پہلے ملتا تھا' اس میں تھوڑا اضافہ کردیا تو سب لڑکیاں اس کے گن گانے لگیں۔

رگھو بملا کی حمایت میں پیش پیش تھا' اس لئے جگا اور اس کے دوسرے ساتھی بھی بملا کے راگ الاپنے لگے۔ کوٹھے کا کاروبار پھر سے چمک اٹھا۔ علاقے کے سب سے بڑے دلال بلرام کے ذریعے کچھ اور لڑکیاں ٹھونک بجا کر حاصل کی گئیں تو کوٹھے کا بیڑا پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگیا۔ بملا نے گاہکوں سے مول بھاؤ کی ذمہ داری کانتا کو سونپ دی۔

جانکی کی جگہ سنبھالنے کے بعد بملا کے من سے سارا خوف دور ہوگیا۔ اب وہ سیاہ سفید کی مالک تھی۔ رگھو جیسا گبرو جوان جو رام پوری چاقو کی طرح تیز تھا' اس کے ساتھ تھا...... اس لئے بھی بملا کی پہچان پورے علاقے میں سب سے زیادہ تھی۔ اس نے دنیا دکھاوے کیلئے اپنے اندر تھوڑی لچک پیدا کرلی تھی' لیکن اندر سے وہ کسی چٹان کی طرح سخت تھی۔ لکشمن نے اس کو جو گھاؤ لگایا تھا وہ اسے بھولی نہیں تھی۔ اسے مرد ذات سے نفرت ہوگئی تھی۔ کوٹھے کی دوسری لڑکیوں کو بھی اس نے دھیرے دھیرے اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ سب کو سمجھا دیا کہ گاہک اور زہریلے ناگ ایک سمان

ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ دل لگانا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے برابر ہے۔ ویشیا ہر حال میں ویشیا ہی کہلاتی ہے۔ کسی آنگن میں تلسی کے پوتر پودے کی طرح مہکنے کا سپنا دیکھنا اسے کبھی راس نہیں آ سکتا' اس لئے کہ پرش کٹھور دل ہوتا ہے۔ سندر ناریوں کے کومل شریر کو روندنا اپنا ادھیکار سمجھتا ہے۔ خود ہزار جگہ منہ مارتا پھرے تو اسے اپنی شان سمجھتا ہے' لیکن ناری بھول کر بھی کسی سے اکیلے میں ہنس کر پیار کے دو میٹھے بول لے تو اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ شک کرنے لگتا ہے' پاپن سمجھ کر موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور اسے بھی اپنی مردانگی کا نام دیتا ہے......!

گزرتے سمے کے ساتھ ساتھ بملا کماری کے قدم بھی علاقے میں مضبوط ہوتے گئے۔ اس نے اونچے حلقے میں بھی دور دور تک رسائی حاصل کرلی۔ رگھو اور اس کے ساتھی سارے شہر کے کونے کونے میں اس کے کوٹھے کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے تو سیٹھ' ساہوکاروں کے بنگلوں اور کوٹھیوں میں سارے مال کی سپلائی بھی بملا کے کوٹھے سے ہونے لگی۔

چار چھ مہینے پلک جھپکتے میں بیت گئے' بملا کماری کے اندر کلبلانے والی آتما بھی دور سے نظر آنے لگی۔ آنے والے مہمان کے کارن اس نے گاہکوں کے ساتھ باہر جانا بند کر دیا' پھر کانتا کے مشورے پر وہ آرام کرنے کے بہانے پہاڑی مقام پر چلی گئی' جہاں اس نے ایک خوبصورت سی بچی کو جنم دیا۔ وہ پاپ کی نشانی ہونے کے باوجود نردوش تھی۔ بملا نے دو مہینے اسے سینے سے لگا کر رکھا' اپنی چھاتی سے دودھ پلاتی رہی' پھر اس نے رگھو اور کانتا کے مشورے پر بچی کی دیکھ بھال کیلئے ایک اچھے گھرانے کی عورت کو ملازم رکھ لیا۔ کچھ دنوں تک وہ بھی ساتھ رہی' پھر واپس کوٹھے پر لوٹ آئی...... مہینے دو مہینے کے بعد دو چار دنوں کیلئے چکر لگاتی رہی۔

لڑکی کا نام اس نے موہنی رکھا۔ اس کی پرورش کے بندوبست کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت کوٹھی خرید لی۔ موہنی اور کوٹھی کی دیکھ بھال کرنے والی لڑکی کملا کے علاوہ اس نے رگھو کے ایک خاص کارندے کی خدمات بھی حاصل کرلیں جو کوٹھی کے چوکیدار کی حیثیت سے ہر طرح کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

کوٹھے کی لڑکیوں کو بملا کے پرائیویٹ حالات سے پوری پوری جانکاری تھی' لیکن کسی نے زبان کھولنے کی بھول کبھی نہیں کی' صرف ایک کانتا تھی جو اس کے ساتھ کھل کر بات کرتی تھی لیکن دوسری لڑکیوں کے سامنے وہ بھی خود کو لئے دیئے رہتی تھی۔

دو سال اور ہنستے کھیلتے بیت گئے۔ موہنی کسی تازہ گلاب کی طرح پروان چڑھ رہی تھی۔ بملا کو

اب اس کی دوری کھٹکنے لگی تھی، لیکن وہ اسے اس گند میں نہیں لانا چاہتی تھی۔ کانتا نے بھی اسے یہی مشورہ دیا تھا۔ کملا اچھے گھرانے کی ودھوا تھی اور وہ ہر طرح سے موہنی کا خیال رکھتی تھی۔

سمے گزرتا رہا، دن رات میں ڈھلتے رہے، ہفتے مہینے اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے۔ بملا موہنی کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ کوٹھے کا کاروبار بھی پورے لگن سے سنبھال رہی تھی۔ موہنی کی پیدائش کے بعد اس نے اپنے اوپر بھی پورا پورا دھیان دیا تھا، پھر سے جوان نظر آنے لگی تھی۔

بملا کو کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ اگر کوئی چنتا تھی تو صرف موہنی کے مستقبل کی تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ موہنی کے جوان ہوتے ہی کسی اچھے گھرانے میں اس کا بیاہ کر دے گی۔ خود اپنے سینے پر پتھر رکھ لے گی۔ لڑکے والوں کو بھی یہ نہیں بتائے گی کہ اس نے موہنی کو اپنی کوکھ سے جنم دیا تھا......صرف یہی کہے گی کہ اس نے معصوم موہنی کی پرورش کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تھا۔ وہ دن رات موہنی کے سپنے دیکھتی رہتی، سب کے سامنے ایک ویشیا کا روپ دھارے اپنے گندے دھندے کے کاروبار میں الجھی رہتی، گاہکوں کا دل بہلانے کے کارن اپنے ہونٹوں پر جھوٹی مسکان سجائے رہتی، لیکن اس کے من مندر میں بھولی بھالی موہنی کے بھوش کا خیال ہمیشہ تازہ رہتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر گھڑی آنے والے کل کے بارے میں سوچ بچار کرتی رہتی، لیکن بھگوان کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

بملا کی گڈی بہت اونچی اڑان اڑ رہی تھی، جب ایک دن رگھو کی ایک بھول نے اس کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ بملا تجربے کار ہونے کے باوجود اس پاپ کا پرائیشچت نہ کر سکی۔ اگر وہ زبان کھول دیتی تو رگھو اس کا دشمن بن جاتا۔ جگا اور اس کے چیلے بھی بغاوت کر دیتے۔ بملا کے پاس زبان بند رکھنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا، اس نے حالات کو سنبھالنے کی خاطر ایک سچ کو چھپانے کے کارن دس جھوٹ بولے، لیکن ہونے والی بات ہو کر رہی۔

وہ ایک خوبصورت رات تھی، جب اچانک بھونچال آ گیا۔

بملا اور کانتا ایک کمرے میں بیٹھی ہنس بول رہی تھی، جب نیچے بازار سے چیخنے چلانے، پھر گولیاں چلنے کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ ساری لڑکیاں سہم کر اپنے اپنے کمروں میں دبک گئیں۔ بملا کماری کا دل بھی دھک دھک کرنے لگا۔

باہر کیا ہنگامہ ہو رہا تھا؟ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ گولیوں کے ساتھ دھماکوں کی آوازیں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایسا جان پڑتا تھا جیسے دو پارٹیاں مورچہ بنا کر یدھ لڑ رہی ہوں، پھر پولیس کے

سائرن بجاتی گاڑیوں کی آوازیں بھی گونجنے لگیں۔ باہر لاؤڈ سپیکر کے ذریعے بار بار کچھ اعلان بھی ہو رہا تھا لیکن شور وغل کے کارن کان پڑی آواز بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ''بھگوان دیا کرے......''
بملا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا ''اس سے پہلے تو ہمارے بازار میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔''

''میرے خیال میں کسی گاہک نے نشے میں آ کر گولیاں چلا دی ہیں۔'' کانتا نے دبی زبان میں اپنا خیال ظاہر کیا ''جگا کا کوئی آدمی کام آ گیا ہوگا پھر ادھر سے بھی ٹھائیں ٹھائیں شروع ہو گئی ہوگی۔ کچھ لچے لفنگے اور دوسرے تماش بین بھی دنگے فساد میں شامل ہو گئے ہوں گے۔''

''کہیں ہندو مسلم فساد تو نہیں شروع ہو گیا......؟'' بملا نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں دیدی...... ایسا نہیں ہے۔'' کانتا نے بڑے وشواس سے کہا ''ایسا ہوتا تو آتنگ وادی ہمارے کوٹھوں پر بھی ہلا بول چکے ہوتے۔ اب تک خون کی ہولی شروع ہو جاتی۔ ویسے بھی کوٹھوں کی دنیا سب سے الگ تھلگ ہوتی ہے۔ یہاں آنے جانے والوں کا کوئی دھرم ایمان نہیں ہوتا۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔''

''کچھ کوٹھے والیوں نے کنجریاں بھی پال رکھی ہیں۔'' بملا نفرت سے بولی۔ ''لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دو نمبر کا مال سپلائی کرتی ہیں اور اگر کوئی شکایت کرے تو ان کے دلال لڑنے مرنے کیلئے آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔''

''یہ شریر کے دھندے کا بازار ہے دیدی۔ یہاں ایک اور دو نمبر سب چلتا ہے۔'' کانتا نے سنجیدگی سے کہا ''میرا تو خیال ہے کہ کسی نشے میں دھت شرابی نے کام خراب کر دیا ہے۔''

''کوئی تاڑی پینے والا ہوگا۔'' بملا نے منہ بنا کر کہا ''یہ معاملہ نمٹ جائے تو میں جگا کو بلا کر بات کروں گی کہ بازار کے سارے تاڑی خانوں کو تالے لگ جائیں' تماش بین سستا نشہ کر کے دل پشوری کرتے ہیں۔ جھوم جھوم کر دور کھڑے کھڑے پھوکٹ میں آنکھیں سینکتے رہتے ہیں۔ کوئی چوری چکاری کا مال جیب میں ڈال کر اوپر آ جائے تو اس کے منہ سے ایسی باس آتی ہے جیسے سنڈاس کا دروازہ کھل گیا ہو۔ مجبوراً ان دو کوڑی کے کتوں کو بھی منہ لگانا پڑتا ہے۔''

بملا اور کانتا اپنا خیال ظاہر کر رہی تھیں جب کسی کے زینے پر چڑھنے کی آواز ابھری' اس کے بعد کوئی زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

''یہ کون ماں کا خصم اوپر آ گیا'' بملا نے جھلا کر کہا۔ ''خبردار...... دروازہ مت کھولنا۔ وہ تھک ہار کر خود ہی پلٹ جائے گا۔''

''ہوسکتا ہے پولیس کا کوئی آدمی ہو جو ہمیں تسلی دے کر مٹھی گرم کرنے آیا ہو؟''

''سالا کوئی بھی ہو...... لیکن کواڑ نہیں کھولنا۔''

کانتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دروازے پر جو بھی تھا' وہ اب پوری طاقت سے دروازے کے ساتھ زور آزمائی کر رہا تھا۔

بملا کماری نے جھلا کر ایک اور گندی گالی چٹخاتے ہوئے کہا'' بھگوان جانے ہمارا چوکیدار کہاں مر گیا؟ پہلی تاریخ ہوتے ہی موچھوں پر تاؤ دیتا ہاتھ پھیلائے آجاتا ہے۔ آج جب ضرورت پڑی تو ڈرپوک کتے کی طرح جانے کدھر دبک کر بیٹھ گیا۔''

''جان سب کو پیاری ہوتی ہے دیدی...... اتنے ہنگامے میں کون کسی کی......'' کانتا جملہ پورا نہیں کر سکی۔ اس نے چمپا کو کسی چھپکلی کی طرح قالین سے لیٹے لیٹے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

''تجھے کیا ہوا؟'' بملا نے لپک کر چمپا کی خیریت دریافت کی۔

''دیدی...... میں نے رگھو کی آواز سنی ہے۔'' چمپا نے مدھم آواز میں کہا'' شاید وہی کواڑ پیٹ رہا۔''

''تیرے منہ میں خاک۔'' بملا نے جھلا کر کہا' پھر کانتا کا ہاتھ تھام کر گھٹنوں کے بل چلتی دروازے کی طرف گئی چمپا بھی ساتھ ساتھ تھی۔

''کون ہے؟'' دروازے سے تھوڑی دور رک کر بملا نے پاٹ دار آواز میں پوچھا۔

''دروا...... زہ کھول بملا را...... نی'' باہر سے رگھو کی ٹوٹی پھوٹی آواز ابھری'' یہ...... یہ میں ہو...... رگ...... رگھو۔''

''ہائے رام......'' بملا دل تھام کر رہ گئی۔

کانتا نے لپک کر دروازہ کھولا تو رگھو توازن برقرار نہ رکھ سکا' دھم سے اوندھے منہ نیچے گرا۔ بملا نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ تھام کر اندر گھسیٹ لیا۔ چمپا نے جلدی سے اٹھ کر کواڑ کو دوبارہ کنڈی لگادی۔ کانتا اٹھ کر پانی لانے کو دوڑی۔ اندھیرے کے باوجود رگھو خون میں لت پت نظر آ رہا تھا۔

''رگھو...... تجھے یہ کیا ہو گیا......؟'' بملا نے اسے چت لٹاتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا'' باہر کیا ہو رہا ہے......؟''

''تو چن...... تامت کر......'' رگھو نے اکھڑی اکھڑی سانسوں کے بیچ رک رک کہا'' سب ٹھیک...... ہو...... ہو گیا جو سینہ تت...... تان کر آئے تھے وہ...... دد...... دم دبا کر...... بھاگ گئے

لیکن....... اپنا........ وہ........"

"کیا ہوا رگھو......؟" بملا کماری نے پوچھا "تو تو ٹھیک ہے نا.......؟"

"ہاں...... آں...... بھگوان...... کی...... کرپا ہے...... مم...... میرے اوپر لیکن وہ...... اپنا اس...... تاؤ"

"کیا ہوا جگا کو......؟" بملا کماری نے گھبرا کر پوچھا' اس کے دل کی دھڑکنیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔

"استاد مارا گیا......" رگھو نے جواب دیا "اسے تت...... تین گولیاں لگی تھیں...... لل لیکن...... مرنے سے پہلے استاد نے بھی...... دشمن کے بیچ چار بندے لڑھکا دو...... دیئے۔"

"ہوا کیا تھا؟"

"دد...... دارو کے دو گھونٹ...... پل...... پلا دے بملا...... مم...... میرا گلا خشک ہو رہا ہے۔" رگھو نے بنتی کی۔

کانتا پانی لے کر واپس آ گئی۔ اس نے دو تین چھینٹے رگھو کے منہ پر مارے...... بملا نے اس سے گلاس چھین کر رگھو کو کھینچ کر اپنے گھٹنوں پر کیا' پھر گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔

"دد...... دو گھنٹ دارو پلا دے......" رگھو نے ہاتھ اٹھا کر گلاس ہٹاتے ہوئے کہا "پیٹ میں...... آگ سی لگ رہی ہے۔"

"کیا تجھے بھی گولی لگی ہے؟" بملا نے تیزی سے سوال کیا' اس کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔

"نن...... نہیں...... کسی نے بھب...... بھیا گتے...... بھاگتے چاقو مار دیا۔ مم میں...... مروں گا نہیں...... معمولی زخم ہے۔"

کوٹھے کی دوسری لڑکیاں بھی ایک ایک کر کے جمع ہو گئیں۔ رگھو کو گھسیٹ گھسات کر ایک پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ ایک لڑکی بھاگ کر فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لائی۔ کانتا اور سیتا نے مل جل کر اسپرٹ لگی روئی سے خون صاف کیا' پھر بملا اور کانتا مرہم پٹی کرنے میں جت گئیں۔

رگھو رہ رہ کر کراہ رہا تھا۔ باہر گولیاں کی آواز بھی دم توڑ گئی تھیں' لیکن پولیس کی سیٹی کی آوازیں بار بار سنائی دے رہی تھیں۔ دوسرے دن صبح رگھو کو ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ایک دو دن تک علاقے میں ہلکی پھلکی کشیدگی رہی پھر کوٹھوں کی رونق واپس لوٹ آئی۔

دنگے فساد کے بارے میں سب ہی نے کھوج لگانے کی کوشش کی لیکن صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ جگا

اور اس کے مخالف گروپ کے درمیان کسی پرانی دشمنی کی وجہ سے ٹھن گئی تھی جس میں جگا کام آ گیا۔ مخالف گروپ کے بھی ایک دو بندے مارے گئے' ایک دو تماش بین بھی زخمی ہوئے تھے' لیکن سب سے زیادہ نقصان دودھ والے کا ہوا۔ جھگڑا اسی کی دکان پر شروع ہوا تھا' اس لئے اس غریب کی پوری دکان کا فرنیچر اور دیواروں پر لگے سارے رنگ برنگے شیشے ٹوٹ گئے۔ خود وہ بھی زخمی ہوا تھا۔ سارا کاروبار تباہ ہو کر رہ گیا۔

رگھو ایک ہفتے تک ہسپتال میں رہ کر واپس آ گیا تو سب ہی نے سکون کا سانس لیا۔ جگا کی جگہ اب رگھو نے سنبھال لی تھی۔ ہسپتال سے آنے کے تین روز بعد بملا نے اسے بلوا بھیجا۔

رگھو کے زخموں کا علاج ہو چکا تھا لیکن اس کے نشانات باقی تھے۔ بملا کماری نے اس سے ہنگامے کے بارے میں دریافت کیا تو رگھو نے بھی گول مول جواب دیا۔

''سب ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں کہ جگا اور اس کے کسی پرانے دشمن کے درمیان ٹھن گئی تھی۔'' بملا کماری نے کہا۔

''میں نے بھی یہ سنا ہے۔''

''کون تھا جس نے جگا سے دشمنی مول لی تھی؟'' بملا کماری نے کریدنے کی کوشش کی۔

''میرے سنگی ساتھی کھوج لگا رہے ہیں۔'' رگھو نے بملا کماری کو پیار سے دیکھتے ہوئے جواب دیا'' جب ہم ہیں تو پھر تجھے کس بات کی چنتا ستا رہی ہے۔ ایک بار پتا چل جائے کہ کس نے آگ بھڑکائی تھی تو پھر ہم اس کے پورے پریوار کا رام رام ست کر دیں گے' پھر نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بنسریا۔''

''سنا ہے جگا کے کچھ ساتھی بھی زخمی ہوئے ہیں......؟''

''شریر پر زخم کھانا تو ہماری شان ہے۔'' رگھو نے لہرا کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے لئے ایک خوش خبری بھی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''بلرام ڈر کر کہیں بھاگ گیا ہے یا پھر کوئی سنسناتی ہوئی گولی اسے بھی چاٹ گئی ہو گی۔'' رگھو نے دبی زبان میں کہا۔'' ابھی تک اس کی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔ میرے خاص آدمی اس کے بارے میں بھی ادھر ادھر سن گن لیتے پھر رہے ہیں۔''

''اس کے گھر والوں نے کیا بتایا؟'' بملا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ بھی بے خبر ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں جا سکتا ہے؟'' بملا نے کسمسا کر سوال کیا۔

''پھر..... مر گیا ہوگا سالا۔'' رگھو نے بے زاری سے جواب دیا'' تجھے کس بات کی کھل بل ہو رہی ہے؟''

''تو بھول رہا ہے رگھو۔ بلرام اس علاقے میں سندر چھوکریوں کا سب سے بڑا بیوپاری تھا۔ چھانٹ چھانٹ کر مال لاتا تھا۔'' بملا نے تجسس کا اظہار کیا'' جس کو ایک بار یہ لت پڑ جائے پھر وہ آسانی سے دھندا بند نہیں کرتا اور پھر بلرام تو چوٹ کھایا ہوا ناگ تھا' جس کی آنکھوں میں......''

''میں سمجھ رہا ہوں کہ تیرے من میں کیا کھد بد ہو رہی ہے۔'' رگھو بے پروائی سے بولا'' جو بیت چکا اب اسے بھول جا......''

''سب کیا دھرا تیرا تھا۔'' بملا نے شکوہ کیا'' میں مفت میں بلرام کی نظروں میں بری بن گئی۔''

''مفت میں کیوں...... کیا میں نے آدھا ساجھا نہیں کیا تھا؟'' رگھو نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔

''میں کب انکار کر رہی ہوں' لیکن بلرام کے من میں تو میرے خلاف زہر بھر گیا تھا۔'' بملا نے کسمسا کر کہا'' تو بھی جانتا ہے کہ اس کے بعد اس نے کیا سوگند اٹھائی تھی۔ کسی کا نام کھل کر نہیں لیا تھا لیکن......''

''چل چھوڑ اب اس قصے کو۔'' رگھو نے جھلا کر کہا۔'' اب تو اس کا پاپ کٹ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی گولی کھا کر ترلوک سدھار گیا ہو۔ زندہ ہوا تب بھی رگھو کے مقابلے پر آنے کی بھول نہیں کرے گا۔''

بملا کماری ہونٹ کاٹ کر رہ گئی' پھر بات بدل کر بولی۔

''دنگے فساد کے سلسلے میں پولیس نے کیا تیر مارا......؟''

''جو بھتا دینے میں استادی کرتے تھے' وہ سارے کے سارے دھر لئے گئے۔ کچھ دس نمبری بھی پکڑے گئے ہیں۔ روزنامچے کا پیٹ بھرنے کے کارن کچھ نہ کچھ تو تیر مارنا تھا۔ اپنی مٹھی بھی گرم کرنے کا یہی موقع تھا۔ اب ایک کی جگہ سو وصول ہوں گے کسی کو چھوڑنے کیلئے۔''

رگھو کچھ دیر کا پھر جوانی کا خراج وصول کر کے چلا گیا تو بملا اپنے آپ کو سمیٹتی اٹھ کر نہانے کیلئے باتھ روم میں چلی گئی، لیکن رگھو کے جانے کے بعد وہ بھی کچھ الجھی الجھی دکھائی دے رہی تھی......!

✿✿✿

موہنی چار سال کی ہوئی تو بملا نے اسے ایک انگریزی سکول میں داخل کرا دیا۔ گاڑی میں کملا موہنی کو ساتھ لے کر سکول جاتی تھی، جہاں وہ اس کے آس پاس ہی رہتی تھی۔ رگھو کا کارندہ دور دور رہ کر دونوں کا خیال رکھتا تھا۔

بملا کا بس چلتا تو وہ موہنی کو ایک پل کیلئے بھی اپنے آپ سے دور نہ رکھتی، لیکن وہ اس بات سے ڈرتی تھی کہ اگر کسی کو بھنک بھی مل گئی کہ موہنی اور اس کا کیا سمبندھ ہے تو اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ موہنی کے مستقبل کیلئے اس نے جو سندر سپنے دیکھے تھے وہ سب ٹوٹ کر بکھر سکتے تھے۔ اس کی ساری تپسیا خاک میں مل جاتی۔

موہنی عمر کے ساتھ ساتھ اور سندر ہوتی جا رہی تھی۔ بملا اس کے پاس جاتی تو موہنی اس کے ساتھ گھل مل کر ملتی۔ پیاری پیاری معصوم باتیں کرتی، لیکن وہ اپنا سب کچھ کملا کو ہی سمجھتی تھی۔ کبھی اس نے بھول کر بھی بملا کو ماں کے شبھ نام سے نہیں پکارا، یہی ایک دکھ تھا جو بملا کو اندر ہی اندر ڈستا رہتا، لیکن اسے خوشی تھی کہ کملا کے انتخاب میں اس نے کوئی بھول نہیں کی تھی۔ وہ پورے تن من دھن سے موہنی کا دھیان رکھتی تھی۔ موہنی اسے آنٹی کے نام سے پکارتی تھی۔

ایک سال اور دبے قدموں میں بیت گیا۔ موہنی پانچ سال کی ہوئی تو بملا نے اس کی سالگرہ ہمیشہ کی طرح بڑی دھوم دھام سے منائی۔ اس بار کانتا بھی بملا کے ساتھ تھی۔ ایک ہفتہ گزار کر واپسی ہوئی تو بملا کماری کسی گہرے وچاروں میں گم تھی۔ اس کی چمچماتی گاڑی پہاڑ کے چکراتے راستوں پر دوڑ رہی تھی جب کانتا نے اس کی خاموشی کو کھوجنے کی کوشش کی۔

''کیا بات ہے دیدی...... تم کس دھیان میں گم ہو......؟''

''موہنی کے بھوش کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔'' بملا نے پہلو بدل کر کہا۔ ''ابھی تو کھلتی کلی ہے، لیکن کل جب جوان ہوگی تو اس کے من میں بھی ماں کا دھیان ضرور آئے گا اور...... جہاں اس کے لگن کی بات چلے گی وہاں بھی لڑکے والے موہنی کے پریوار کے بارے میں کھوج لگانے کی بات ضرور کریں گے۔''

"نراش مت ہو......" کانتا نے اس کی آس بندھائی۔ "تم نے سچے من سے سپنے دیکھے اور اوش پورے ہوں گے۔ بھگوان پر وشواس رکھو وہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور پیدا کر دے گا۔"

"میں کچھ اور بھی سوچ رہی ہوں۔"

"کیا......؟"

"موہنی دو چار کلاس اور پاس کر لے تو اسے کملا کے ساتھ کہیں باہر بھیج دوں" بملا نے بڑی حسرت سے کہا "کملا اپنی موہنی کا بہت خیال رکھتی ہے۔ وہی اس کے دواہ کا بندوبست بھی کہیں باہر کرے تو پھر میرا من بھی شانت ہو جائے گا۔ مجھے موہنی سے دور رہنے میں جو دکھ درد بھوگنا پڑے گا بھوگ لوں گی' لیکن موہنی کا جیون سنور جائے گا۔"

"کیا تم اس کو دور کر کے چین سے رہ سکو گی......؟" کانتا نے دبی زبان سے پوچھا۔

"کسی دیشیا کے جیون میں سکھ چین کہاں ہوتا ہے۔ میں اپنے من کو سمجھا لوں گی۔ موہنی کے جیون پر اپنی چھایا نہیں پڑنے دوں گی۔ سارے بندھن توڑ لوں گی' اسی میں موہنی کی مکتی بھی ہے۔"

بملا کی آواز بھرا گئی تو کانتا نے اسے بہلانے کے کارن دھیرے دھیرے باتوں کا رخ پھیر دیا۔

کوٹھے پر پہنچ کر بملا پھر شریر کے دھندوں میں الجھ گئی۔ جب سے رگھو نے جگا کی گدی سنبھالی تھی بملا کی چاندی ہو گئی تھی' پورے علاقے میں اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ لڑکیوں کی خرید و فروخت کے بیوپاری بھی پہلے اسی کے کوٹھے کا رخ کرتے تھے' بملا سے جو مال بچ جاتا وہ دوسرے کوٹھوں پر اونے پونے بیچ دیا جاتا۔

رگھو جگا کی طرح ادھر ادھر منہ مارنے کا عادی نہیں تھا' کبھی کبھی منہ کا سواد بدلنے کی اور بات تھی' لیکن مہینے پندرہ دن میں وہ بملا کے کوٹھے کا چکر ضرور لگاتا رہتا تھا۔

جیون کی گاڑی اور کوٹھے کا کاروبار ہمیشہ کی طرح چل رہا تھا' جب ایک دن بملا کو کملا نے فون کیا۔ اس کی آواز الجھی الجھی تھی' ایسا لگتا جیسے وہ بہت تھکی تھکی سی ہو۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

"کیا بات ہے کملا......تو ٹھیک تو ہے؟" کملا بلک بلک کر رونے لگی تو بملا کماری کا ماتھا ٹھنکا۔

"سب خیریت تو ہے......موہنی کہاں ہے؟" اس نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔

"کچھ بدمعاش اسے زبردستی اغوا کر کے لے گئے مالکن میں......"

"کیا بکواس کر رہی ہے تو......؟" بملا چیخ اٹھی' پھر اس نے رگھو کے ساتھی کے بارے میں دریافت کیا "سریندر کدھر ہے۔اس سے میری بات کرا۔"

"اغوا کرنے والوں نے سب سے پہلے اس کے شریر کو گولیوں سے چھلنی کیا تھا پھر......"

"موہنی کو تو کچھ نہیں ہوا......؟"

"رام جانے مالکن......" کملا نے روتے ہوئے جواب دیا "سریندر کو ٹھکانے لگانے کے بعد بدمعاشوں نے ہماری گاڑی رکوائی' ہمارے ڈرائیور کو بھی مار کر کھائی میں پھینک دیا' پھر موہنی کو لے کر کہیں غارت ہو گئے۔گاڑی کو بھی آگ لگا دی۔"

موہنی کے اغوا کی خبر نے بملا کے تن بدن میں آگ لگا دی' اس نے فون بند کر کے سب سے پہلے رگھو کو بلوایا' پھر اس نے پولیس کے ایک اعلیٰ آفیسر شرما کو فون کیا' جسے وہ پھوکٹ میں لڑکیاں سپلائی کرتی تھی۔

"بچی کا کوئی فوٹو ہے تمہارے پاس......؟" شرما نے پوری بات سن کر پوچھا۔

"بہت ساری تصویریں ہیں شرما جی لیکن آپ جلدی کریں۔" بملا نے تڑپ کر کہا "کسی بھی قیمت پر بچی کو اغوا کرنے والوں سے چھڑا لیں میں آپ کا یہ اپکار کبھی نہیں بھولوں گی۔سارا جیون آپ کی ابھاری ہوں گی۔"

"بہت بیاکل معلوم ہوتی ہو بملا رانی" شرما نے...... لگاوٹ سے دریافت کیا "بچی سے آخر تمہارا ایسا کیا سمبندھ ہے؟"

"وہ...... وہ میری...... میری ایک منہ بولی سکھی کی معصوم بچی ہے۔" بملا نے روانی میں سچ اگلتے اگلتے ایک خوبصورت جھوٹ گھڑ لیا۔ "بچی نہ ملی تو میری سکھی بھی جان دے دے گی۔بھگوان کیلئے آپ جلدی اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کریں۔"

"بھگوان کیلئے نہیں بملا رانی...... تمہارے لئے۔" شرما نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔

"میں ایک سادہ لباس والے کو بھیج رہا ہوں بچی کی ایک دو فوٹو اس کو دے دینا۔باقی میں دیکھ لوں گا۔"

"میں بنتی کرتی ہوں شرما جی۔" بملا نے سسکتے ہوئے کہا "جو بھی کرنا ہے ترنت کریں۔ آپ بچی کو کسی طرح بچا لیں' میں آپ کو منہ مانگا انعام دوں گی۔آپ کا یہ اپکار......"

''پریشان مت ہو میری جان...... میں ابھی فون پر بندوبست کرتا ہوں۔''

شرمانے فون کاٹ دیا تو بملا پھر کانٹوں پر لوٹنے لگی' اپنے آپ کو نوچتی کھسوٹتی رہی' پھر اس نے دوبارہ کملا کا نمبر ملایا۔

''ہیلو......'' ریسیور پر کملا کی اکھڑی اکھڑی آواز سنائی دی۔

''ہیلو کی بچی......'' بملا ابل پڑی'' تو نے موہنی کو بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟''

''مالکن......وہ چار چھ آدمی تھے اور میں......''

''میں کی سگی......تو بھی مر جاتی تو اچھا تھا'' بملا نے تلملا کر کہا' پھر غصے سے چیخی'' ایک بات کان کھول کر سن لے......اگر موہنی کے اغوا میں دور دور بھی کہیں تیرا ہاتھ شامل ہوا تو تیرے پورے پریوار کو نرک میں جھونک دوں گی۔ تیرے شریر کو بھی کتوں کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''میری بات کا وشواس کرو مالکن......'' کملا نے دوسری طرف سے سسکتے ہوئے کہا'' میں نردوش ہوں۔ موہنی کی جدائی کا دکھ......''

''کوٹھی سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا'' بملا کماری نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا'' تو ان حرامیوں کو پہچان تو لے گی جو موہنی کو ساتھ لے گئے ہیں؟''

''مشکل ہے مالکن......سب نے منہ پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے......''

''کملا......پھر سوچ لے اگر موہنی کا مول کرنا چاہتی ہے تو میں تجھے پچاس لاکھ بھی دے سکتی ہوں۔''

''ایسا مت سوچیں مالکن'' کملا نے تڑپ کر جواب دیا۔'' میں نے موہنی کو جنم نہیں دیا تھا لیکن اس کے بنا......''

بملا نے پوری بات سننے کی کوشش نہیں کی۔ فون کاٹ کر......کسی اور کا نمبر ملانے لگی' لیکن اسکے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے۔ موہنی کے اغوا کی خبر نے جیسے اسے پاگل کر دیا تھا۔ کسی کروٹ چین نہیں مل رہا تھا۔

❁❁❁

وقت کے ساتھ ساتھ بملا کماری کی بے چینی بڑھتی رہی۔ رگھو اور اس کے ساتھیوں نے پورا پہاڑی علاقہ کھنگال ڈالا۔ شرما جی کے علاوہ پولیس کے دوسرے کارندوں نے بھی اپنے سارے تجربے کار گھوڑے دوڑا کر دیکھ لئے' جن اونچے حلقوں میں بملا کا اثر ورسوخ تھا' ان کی باگ ڈور

بھی کسی کام نہ آئی' موہنی کا کہیں بھی کوئی کھوج نہ ملا۔ بھگوان جانے اسے دھرتی کھا گئی تھی یا آکاش......!!

رگھو اور اس کے ساتھیوں نے کملا کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ کئی دنوں تک اس غریب کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے رہے۔ روئی کی طرح دھنک ڈالا' لیکن وہ کچھ بھی نہ بتا سکی۔ بملا کی ممتا خون کے آنسو روتی رہی' جب بھی کوئی فون کی گھنٹی بجتی......اس کی ممتا میں بھونچال آ جاتا۔ پاگلوں کی طرح دوڑ کر ریسیور اٹھاتی پھر نراش ہو کر سر تھام لیتی۔ اس کے زخموں کا کوئی علاج نہیں تھا' بس ایک کانتا تھی جو اس کو جھوٹی تسلیاں دیتی رہتی تھی۔

''صبر کرو دیدی......بھگوان نے چاہا تو موہنی ایک نہ ایک دن ضرور مل جائے گی۔''

''چار مہینے تو بیت گئے کانتا......'' بملا تڑپ کر کہتی ''اب تک اس معصوم کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ نہ جانے کون میری ممتا کو روند کر چھپ گیا' کسی نے فون بھی نہیں کیا ورنہ میں موہنی کے کارن اپنے آپ کو......اپنا سب کچھ بیچ کر اغوا کرنے والوں کا منہ بھر دیتی۔ اب تو آس بھی ٹوٹتی جا رہی ہے۔ کیول آتی جاتی سانس باقی رہ گئی ہے۔''

''نراش مت ہو......کوئی چمتکار ایسا ضرور ہوگا موہنی واپس مل جائے گی۔''

''لیکن کب......؟'' بملا اپنے بال نوچنا شروع کر دیتی۔ ''کب میرے من کو شانتی ملے گی؟''

''ہو سکتا ہے پولیس کے خوف سے اغوا کرنے والے کہیں چھپ کر بیٹھے ہوں۔'' کانتا کہتی ''رگھو اور اس کے آدمیوں سے ڈر کر کہیں روپوش ہو گئے ہوں۔ ابھی سامنے آئے تو ان کے شریر کی ایک بوٹی بھی تن پر باقی نہیں رہے گی۔ وہ سمے کے شانت ہونے کا تو انتظار کریں گے نا۔ ابھی تو کئی ایجنسیاں ان کا کھوج لگا رہی ہیں۔''

بملا کانتا کی باتیں سن کر اپنا من بہلا لیتی' لیکن آس کے بندھن بھی ایک ایک کر کے ٹوٹتے گئے۔ پولیس نے تھک ہار کر ہتھیار ڈال دیئے۔ رگھو اور اس کے ساتھی بھی حوصلہ ہار کر واپس آ گئے۔ سب کی ایک ہی رائے تھی۔ اغوا کرنے والوں نے پھانسی سے ڈر کر موہنی کو مار کاٹ کر پہاڑ کی کسی اندھیری گپھا میں ڈال دیا ہوگا' پھر جلا کر اس کی راکھ کسی جھرنے میں بہا دی ہوگی۔ ....!!

بملا کی آس بھی ٹوٹ گئی۔ چھ مہینے تک اس کے من میں موہنی کے مل جانے کا دھیان تڑپتا رہا' پھر اس نے بھی ہمت ہار دی' بھاگ کے لکھے کو کون مٹا سکتا تھا۔ بملا نے بھی کلیجے پر پتھر رکھ لیا۔

پھر سے کوٹھے کے کاروبار میں دل بہلانے کی کوشش کی۔ پرانی لڑکیوں کی چھانٹی کی۔ نئے سرے سے کاروبار جمانے کے کارن کئی نئی اور نوجوان لڑکیوں کا سودا کیا پھر انہیں ٹریننگ دے کر شریر کے بیوپار کی بھٹی میں جھونک دیا' لیکن موہنی کی یاد کو من سے کھرچ کر نہیں نکال سکی۔ اس نے کئی بار رگھو کو بھی سرخ جھنڈی دکھادی' گاہکوں کے ساتھ باہر آنا جانا بھی چھوڑ دیا۔

سمے تیزی سے اپنی اڑان اڑتا رہا۔ سمے کے ساتھ ساتھ بملا کماری میں بھی ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگئی۔ کئی بار بیمار پڑی' لیکن پھر لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہوگئی۔ اس کے اندر کی آگ ٹھنڈی پڑی تو اس نے بناؤ سنگھار کرنا بھی چھوڑ دیا' پھر بیری بیری کا روگ لگا تو اس کا شریر پھول گیا۔ بہت علاج کرایا پر تھل تھل کرتا گوشت دوبارہ ہڈیوں سے ٹوٹا ہوا ناتا نہیں جوڑ سکا۔ اس نے سرداری کی گدی نہیں چھوڑی' لیکن زیادہ تر کاروبار کانتا کو سونپ دیا' البتہ نئی کھیپ کی مول تول وہ خود ہی کرتی تھی۔ رگھو مہینے میں ایک دو چکر ضرور لگالیتا تھا' لیکن اب اس نے شکنتلا کماری کے کوٹھے کی ایک نئی چھوکری نیلم سے آنکڑا پھنسالیا تھا۔ بملا کو بھی اس کی خبر ملی تھی لیکن اس نے دھیان نہیں دیا۔ موہنی کو رو لینے کے بعد بھی وہ کانتا بدل کر اپنی لائن پر واپس نہیں آسکی تھی۔ ایک روگ تھا' جو اسے اندر ہی اندر کھارکی طرح آہستہ آہستہ چاٹ رہا تھا۔

ڈاکٹر کے مشوروں پر روز مالش کرانا اس کی مجبوری بن گئی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اگر اس نے مالش سے منہ موڑا تو پھر اس کا شریر مفلوج ہو جائے گا۔

اس وقت بھی ایک نئی جوان لڑکی انوپا بملا کے کمرے میں اس کے جسم کی چمپی کر رہی تھی۔ جب کانتا نے اس کے قریب آ کر کہا "دیدی! ایک بیوپاری آیا ہے۔"

"چلتا کر دے سالے کو۔" بملا نے جھلا کر کہا "دوپہر کو آرام کے سمے اپنی منحوس شکل نہ دکھایا کرے بارہ بجے سے پہلے آیا کرے۔"

"بڑا کھرا مال ہے دیدی...... ایک نظر دیکھ تو لو......" کانتا نے کاروباری انداز میں سفارش کی۔

"بیوپاری کون ہے......؟" بملا نے کڑوا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"میں نے پہلی بار دیکھا ہے لیکن وہ لڑکیوں کے بیوپاری ستواری کا نام لے رہا ہے۔ رگھو کی پرچی بھی ساتھ لایا ہے۔"

"بلالے لیکن باہر کمرے میں...... میں ابھی آتی ہوں۔"

کانتا چلی گئی تو بملا نے آنے والے بیوپاری کی شان میں دو چار گندی گندی گالی بکی پھر بڑی مشکل سے اٹھ کر الٹا سیدھا لباس بدلا اور باہر کمرے میں آگئی' جہاں کانتا پہلے سے موجود تھی۔ بملا کماری نے ایک نظر نئی بکاؤ لڑکی پر ڈالی تو اس کا دل بھی باغ باغ ہو گیا' لیکن اس نے اپنے چہرے سے اپنی پسند کا اظہار نہیں کیا...... پرانا چاول تھی' اس لئے کسی نئے بیوپاری کو کوڑیوں کے مول ٹھگنا چاہتی تھی۔

''کیا نام ہے تیرا......؟'' بملا نے ادھیڑ عمر کے پینڈو نما آدمی سے پوچھا جو نئی لڑکی کے پیچھے خاموش کھڑا تھا۔

''سیوک رام......'' اجنبی نے سنبھل کر جواب دیا تو بملا کے سوکھے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکان پھیل گئی۔ زہر میں بجھے لہجے میں بولی۔

''سیوک رام...... بڑی سیوا کر رہا ہے تو دیس کی؟ صورت سے بھی دیس بھگت لگ رہا ہے......!!!''

سیوک رام نے کوئی جواب نہیں دیا...... مسکرا کر رہ گیا۔

''بنواری ایک ہفتے سے کہاں مر کھپ گیا ہے......؟'' بملا نے منہ پر ہاتھ رکھ کر لمبی جماہی لیتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ اپنے گاؤں گیا ہے جی......'' سیوک رام نے خشک انداز اختیار کیا۔ ''دو ہفتے اور لگیں گے اس کی واپسی میں۔''

''چھوکری کو کہاں سے اٹھا کر لائے ہو......؟'' بملا نے ایک نظر پھر اس لڑکی پر ڈالی جو ذرا سا تراشی جاتی تو انمول ہیرا بن سکتی تھی۔

گداز بدن' گدرایا ہوا جسم' کتابی چہرہ' سیب کی طرح سرخی مائل گلابی گلابی گال' کرنجی آنکھیں' جس میں کجلے کے باریک سی ڈور غضب ڈھا رہی تھی۔ رسیلے ہونٹ' جوبن کی اٹھان' سندر شریر کی سوندھی سوندھی خوش بو' ناگن کی طرح کاندھوں پر بل کھاتے ریشم جیسے بال' کڑی کمان جیسی ابرو' وہ سر سے پاؤں تک قیامت ہی قیامت نظر آ رہی تھی۔

''کوٹھوں پر راستے سے اٹھائی ہوئی چھوکریاں ہی لائی جاتی ہیں بائی جی۔'' سیوک رام نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ''میں نے اس کے کارن بڑے پاپڑ بیلے ہیں' پال پوس کر جوان کیا ہے۔ اچھا کھلایا پلایا ہے۔''

''نام کیا چھوکری کا......؟'' بملا نے سیوک رام کی باتیں سنی ان سنی کرتے ہوئے بے پروائی سے پوچھا۔

''میں نے اس کو گوری کا نام دیا ہے۔تم کوٹھے کا کوئی نام رکھ لینا۔''

''رگھو استاد کو کب سے جانتا ہے......؟'' بملا نے پینترا بدل کر معلوم کیا' وہ ہیرا پرکھ چکی تھی' مول تول کرنے کے کارن اپنا تجربہ استعمال کر رہی تھی۔

''آج ہی ملاقات ہوئی ہے۔ بنواری نے اس کے نام ایک پرچی دی تھی' جسے دیکھ کر اس نے تمہارے کوٹھے کا پتا بتا دیا۔''

''رگھو اگر نہ ملتا تو کیا کرتا اس چھوکری کا......؟'' بملا نے تیکھے انداز میں سوال کیا۔

''بنواری نے پہلا نام تمہارا ہی بتایا تھا۔اس کے علاوہ بھی ایک دو نام......''

''بکواس مت کر۔'' بملا جھلا گئی ''بنواری میرے سوا کسی کے پاس نہیں جاتا۔ پرانی جان پہچان ہے ہماری پھر آنکھوں کی شرم بھی ہوتی ہے۔''

''اسی کارن......تو اس نے پہلے تمہارا نام لیا تھا۔''

''چھوکری کی عمر کیا ہے......؟'' بملا کماری نے ایک بار پھر تجربے کار نظروں سے نئی لڑکی کو گھورا جو سہمی سہمی سی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ جب بملا پہلے پہل آئی تو اس کا بھی یہی حال تھا۔

''ہوگی کوئی پندرہ سال کے لگ بھگ......'' سیوک رام نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''ایک دو مہینے اوپر نیچے بھی ہو سکتے ہیں۔''

''کیا لے گا اس کا؟'' بملا نے مطلب کی بات کی۔

''مول تول کرنے والی بات ہے تو پندرہ......نہیں تو دس لاکھ آخری بات ہوگی'' سیوک رام سنجیدہ ہو گیا۔

''دس لاکھ؟......اس چھوکری کے؟'' بملا نے پینترا بدلا ''دماغ تو نہیں چل گیا تیرا......؟''

''تم کیا دو گی......''

''دو لاکھ......وہ بھی اس لئے کہ بنواری کا خیال ہے۔وہ ہمارا پرانا آدمی ہے۔'' بملا کماری نے پانسا پھینکا۔

''بات نہیں بنے گی۔'' سیوک رام نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ ''اس سے زیادہ رقم تو لڑکی کو کھلانے پلانے اور پالنے پوسنے میں لگ چکی ہے۔''

''چل......تین لاکھ میں سوداپکا کر لے......'' بملا نے بات ختم کرنی چاہی۔

''نہیں......'' سیوک رام نے کہا'' تمہارے لئے آخری آٹھ لاکھ ہو سکتے ہیں۔''

''کتے کی دم کی طرح بار بار ٹیڑھا کیوں ہو رہا ہے......؟'' بملا نے دھونس دینے کی کوشش کی۔'' دوسرا کوئی تین کے بجائے ساڑھے تین بھی نہیں دے گا۔''

''اگر ایسا ہوا تو اس چھوکری کو تمہارے کوٹھے پر مفت چھوڑ جاؤں گا۔ یہ سیوک رام کا وچن ہے۔''

''مارا مارا پھرے گا ادھر ادھر......'' کانتا نے کہا'' چل پچاس ہزار اور بڑھا دیتی ہوں۔''

''مردوں کی زبان بھی ایک ہوتی ہے بائی جی'' سیوک رام نے کانتا کو جواب دیا۔

''ساڑھے سات سے کم ملے تو میں پلٹ کر ادھر آؤں گا اور مفت چھوڑ جاؤں گا اسے......''

''رگھو کو بلوا لو۔'' بملا نے آخری داؤ چلا'' وہی آ کر سمجھائے گا اسے اپنی زبان میں۔''

''میں نے بنواری کا پتر دینے کے بعد رگھو استاد سے بھی بات کی تھی۔'' سیوک رام مسکرا کر بولا۔'' پانچ تک تو اس نے بھی لگا دیئے تھے۔''

بملا سیوک رام کا جواب سن کر اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی۔ ایک بار پھر اس نے اچٹتی ہوئی نظر لڑکی پر ڈالی۔ اس کا تجربہ اس بات کی ضمانت دے رہا تھا وہ اس نئی لڑکی کی نتھ اتروائی کیلئے بھی پانچ لاکھ تو آسانی سے بٹورلے گی اور پھر نتھ تو بار بار پہلی بار کہہ کر اتروائی جاتی ہے۔ پانچ کے دس' دس کے پندرہ بھی بن سکتے تھے۔

بملا کا من للچانے لگا۔ وہ اس لڑکی کو کسی قیمت پر بھی ہاتھ نہیں جانے دینا چاہتی تھی' لڑکی کی سندرتا اور اس کے شریر کی اٹھان بملا کی آنکھوں میں کھب کر رہ گئی تھی۔

''اگر رگھو نے پانچ لگا دیئے ہیں تو میں چھ دینے کو تیار ہوں۔'' اس نے پہلو بدل کر ایک دم ایک لاکھ کی بولی بڑھا دی۔

''اگر ایسا ہے تو پھر میں بھی ایک لاکھ پیچھے آ سکتا ہوں۔'' سیوک رام نے آخری بات کی۔

''ساڑھے چھ میں سوداپکا ہوا۔ پچاس ہزار میں نہ تم غریب ہو جاؤ گی نہ میں کوئی کوٹھی کھڑی کرلوں گا۔ ایک بار تم سے معاملہ فٹ ہو گیا تو پھر تمہارے ہی کوٹھے سے ناتا جوڑلوں گا۔ سال میں کیول ایک کام کرتا ہوں لیکن مال ایک دم فرسٹ کلاس ہوتا ہے۔'' سیوک رام نے بات جاری رکھی ''اب زیادہ بچر مچر نہ کرنا۔ اگر پچاس ہزار یا لاکھ ڈیڑھ لاکھ میں کما رہا ہوں تو تم بھی پندرہ بیس لاکھ

سے کم نہیں بٹورو گی۔''

''بھاڑو کہیں کا۔'' بملا نے بات ختم کرنے کیلئے جما کر گالی دیتے ہوئے کہا'' یہ تو نہیں...... بنواری کا تجربہ بول رہا ہے۔''

پھر بملا کے کہنے پر کانتا نے اندر سے رقم لا کر گن کر سیوک رام کے ہاتھ پر رکھی اور لڑکی کا ہاتھ تھام کر اندر لے گئی' جس نے اب دبی دبی ہچکیوں کے ساتھ رونا بھی شروع کر دیا تھا۔

''بائی جی......'' سیوک رام نے رقم دھوتی کے بل میں اڑستے ہوئے کہا'' تم نے تو چائے پانی کو بھی نہیں پوچھا۔''

''دوسری بار آنا تو دو گلاس دودھ دہی کی لسی پلاؤں گی۔ اس سمے میرے آرام کرنے کا ٹائم ہے۔''

''رب راکھا۔'' سیوک رام سودا چکا کر چلا گیا تو بملا کماری بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ بہت خوش تھی...... بیس پچیس لاکھ کا ہیرا اس نے اپنے تجربے کی بنا پر کیول ساڑھے چھ لاکھ میں خریدا تھا۔ اسے وشواس تھا کہ چار پانچ لاکھ تک تو وہ لڑکی کی منہ دکھائی میں ہی گھسیٹ لے گی۔ چار بار نتھ اتری تو بیس لاکھ الگ سے ملیں گے۔ مجرا سیکھ گئی تو اس کی آمدنی گھلوے میں ہو گی۔ ہر طرح سے چاندی ہی چاندی تھی......!!

❁❁❁

کل تک کوٹھے پر سب کی نظریں انو پا پر تھیں' گوری کے آ جانے کے بعد سب کا دھیان اس طرف ہو گیا۔ پرانی لڑکیوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی' سب کو اپنے اپنے مول بھاؤ کی چنتا بیاکل کرنے لگی۔ چڑھتی ندیاں ایک دم اترنے لگیں تو دھرتی بھی اداس ہو جاتی ہے۔ وہ سب تو جیتی جاگتی سانس لیتی لڑکیاں تھیں' جنہیں اس بات کا روگ کھائے جا رہا تھا کہ اب کوٹھے پر آنے والے گاہکوں کی نظریں انو پا اور گوری کے سندر اور ریشم جیسے چمکتے دمکتے شریر اور چاند جیسے مکھ پر ہوں گی۔ دوسروں کی مانگ کم ہو جائے گی۔

گاہک کی نظروں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ پل پل کینچلی بدلتا رہتا ہے۔ ایک دن جس کے چرنوں میں نشے میں دھت پڑا اس کے گن گاتا ہے' دوسرے دن کسی نئے پنچھی کا مول چکا کر اس کے دم بھرنے لگتا ہے۔ کچھ یہی حال بملا کماری کے کوٹھے کی پرانی لڑکیوں کا بھی تھا' جو بملا کماری

کی نگاہوں کا رخ دیکھ کر اس کی خوشیوں میں شریک تو ہو گئی تھیں لیکن من ہی من میں انوپا اور گوری کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھ کر اندر ہی اندر جو الا مکھی کی طرح سلگ بھی رہی تھیں۔

بیملا کماری گوری کا رنگ روپ اور چھب دیکھ کر سارے غم بھول گئی تھی' کانتا کے ساتھ مشورہ کر کے گوری کا نام بھی یاترا ارکی دھارا میں شامل کرنے کے کارن صلاح مشورے شروع کر دیئے تھے۔

"روپ متی کیسا رہے گا۔" کانتا نے پوچھا۔

"گھس پٹ چکا ہے۔" بیملا نے کڑوا سا منہ بنایا "کوئی ایسا نام سوچ' جسے سن کر ہی سیٹھ ساہو کاروں کی نیندیں اڑ جائیں۔ میں نے اپنے من میں شکنتلا' کامنی' ونیلم اور پتا کے ناموں پر دھیان دیا تھا۔ پر تو یہ سارے پرانے ہو چکے ہیں۔ گوری کیلئے تو کوئی ایسا سندر نام ہو جس کی مہک دور دور تک اڑ کر پہنچ جائے۔"

بڑی دیر تک بند کمرے میں گوری کے نئے نام کی کھوج ہوتی رہی' پھر کانتا کا چہرہ کھل اٹھا۔

"دیدی...... ایک شبھ نام میرے من میں آیا تو ہے پر تو گیانی دھیانی اور پنڈت پجاری اس پر شور شرابا ضرور کریں گے۔"

"نام تو بتا......؟"

"دیوی......" کانتا نے کسمسا کر کہا "چھوٹا بھی اور کانوں کو بھلا بھی لگتا ہے مگر......"

"دھرم کرم پر مٹی ڈال۔" بیملا نے دیوی کے نام پر خوش ہوتے ہوئے جواب دیا' پھر اس کے اندر مستی جاگی تو آنکھ مار کر بولی۔ "رات کے اندھیرے میں ہمارے کوٹھے پر جو اندر کی سبھا لگی ہے اس میں بھی تو بڑے بڑے رشی منی سوانگ رچا کر آتے ہیں۔ شاستروں کے انوسار یہ بھی ہمارے کارن بڑا بڑا بلیدان دیتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیور اور گجروں کی مالا گلے میں ڈالتے تھا۔ ہمارے چرنوں کو ہاتھ لگا اپنی منوکامنائیں پوری کرنے کے کارن مدھم سروں میں مول بھاؤ کرتے ہیں' پھر کسی جیتی جاگتی مورتی کا مول چکا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ رات بھر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اجالا پھیلنے پر پھر رام نام جپنا شروع کر دیتے ہیں...... سب ڈھونگ ہے کانتا پگلی۔ دنیا دکھاوے کی باتیں ہیں۔" بیملا کماری نے اپنی بھاشا ختم کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "دیوی...... مجھے یہ نام پسند آیا۔ چھوٹا بھی ہے اور اسے سن کر من مندر کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔"

پھر بملا کماری نے دوسرے ہی دن سے دیوی کو اپنے چارج میں لے لیا۔ اسے اپنے تجربوں سے بنانا سنوارنا شروع کر دیا۔ دیوی بملا کماری کے اشاروں پر کسی کٹھ پتلی کی طرح ناچتی رہی۔ دوسری لڑکیاں جس بات کو سمجھنے میں دس دن لگاتی تھیں۔ دیوی دس منٹ میں اس کے بھید بھاؤ کو اپنی آتما کا اٹوٹ انگ بنا لیتی تھی۔ وہ پریکشا میں پوری اترتی تھی' لیکن ہرنیوں کی طرح قلیلیں بھرنا اسے پسند نہیں تھا۔ بملا کی موجودگی میں اس کے شریر کے اندر بجلی کوندتی رہتی' لیکن اکیلے میں وہ بجھی بجھی سی نظر آتی۔ دوسری لڑکیوں سے بھی بھی دور دور رہتی۔ ایک بار کانتا نے بملا کے کان بھرے تو بملا نے بڑے پیار سے دیوی کے من کا چور پکڑنے کی کوشش کی۔

''میں نے سنا ہے کہ اکیلے میں تیرا من کوٹھے پر نہیں لگتا......؟''

''ہاں دیدی......'' دیوی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا'' میں جھوٹ نہیں بولوں گی' مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''ایک بات بتا......؟'' بملا کماری نے اپنے تجربوں کی روشنی میں دیوی کو ٹٹولا۔'' کیا تجھے اپنا ماتا پتا...... اپنا پریوار و یاکل کیسے رہتا ہے؟''

''میں بلرام چاچا کے سوا اور کسی کو نہیں جانتی۔'' دیوی کے بھولے بھال چہرے پر اداسی پھیل گئی۔

''پھر...... تو بجھی بجھی کیوں رہتی ہے؟...... کون یاد آتا ہے؟''

''کوئی بھی نہیں...... پرنتو میرے اندر ایک آواز ضرور گونجتی رہتی ہے۔ اسی کی گونج مجھے کھرے کھوٹے کے بیچ الجھا دیتی ہے۔''

''ایسا نہیں چلے گا۔'' بملا کے اندر کی ویشیا کٹھور بن کر جاگ اٹھی'' تو جس بازار میں آئی ہے وہاں کے سارے رکھ رکھاؤ تجھے اپنانے ہوں گے۔ پاپ اور پن کا دھیان من سے نکال دے۔ کیول ایک بات کو گانٹھ سے باندھ لے۔ ہمیں پرش اور گاہکوں کا من بہلانے کیلئے ہزاروں ناٹک رچانے پڑتے ہیں۔ پریم و ریم میں کچھ نہیں دھرا...... پنڈت پجاریوں کے سامنے کسی پریمی کے دامن سے دامن جوڑ کر اگنی کے ساتھ پھیرے لگانا بھی کیول ایک جوا ہے۔''

بملا کے اندر کا زہر چھلکنے لگا'' ناری کا م دھرم پتنی کے روپ میں بھی ایک پرش کے اشاروں پر ناچنا ہے...... اسے خوش رکھنے کے کارن لاکھوں جتن کرنے پڑتے ہیں۔ جب تک مرد خوش رہے گاڑی چلتی رہتی ہے' جس دن وہ منہ پھیر لے تو استری جاتی کی قیمت پاؤں سے اتری ہوئی جوتی

سے زیادہ نہیں رہتی...... دھرم کے ٹھیکیدار دھوا کو دوسرا منڈپ سجانے کی اجازت اور ادھیکار بھی نہیں دیتے۔ جو ستی نہیں ہوتیں وہ اپنا جیون چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پستی رہتی ہیں۔ کبھی من کلبلائے تو چوری چھپے شریر کی آگ پر پاپ کا چھینٹا بھی مارنا پڑتا ہے' پرنتو یہاں ہم کسی کو دھوکا نہیں دیتے۔ ڈنکے کی چوٹ پر کچھ سے کیلئے شریر کا سودا کرتے ہیں' پھر آزاد پنچھی کی طرح جدھر من چاہے اڑتے پھرتے ہیں۔ کسی دیوٹ کے آگے ڈنڈوٹ نہیں کرنی پڑتی۔ کوٹھے پر جو گاہک آتا ہے اسے بھی مال پسند کرنے کا ادھیکار ہوتا ہے' لیکن یہاں ہماری مرضی چلتی ہے۔ من چاہے تو سودا ٹھونک بجا کر پکا کرلو نہیں تو لات مار کر سیڑھیوں سے نیچے پھینک دو۔"

دیوی سر جھکائے بملا کی بات سنتی رہی۔ بملا کماری کا تجربہ دیوی کے کچے ذہن پر خالص سیمنٹ سے استرکاری کرتا رہا۔ اپنے رنگ میں رنگنے کی خاطر دیوی کے ذہن کی ان تمام دراڑوں کو بھرتا رہا جس میں پاپ اور پن کا ہیر پھیر سمایا ہوا تھا۔ دیوی نے اپنے من میں ابھرنے والی جس گونج کی بات کی تھی بملا حرف غلط کی طرح اس کو سرے سے مٹا دینے کے جتن کرتی رہی۔

دیوی کمسن تھی' وہ بملا کماری کے سامنے زیادہ دیر پیر جما کر اپنی بات پر نہیں ٹھہر سکی۔ رام ہو کر رہ گئی۔

بملا نے جلد بازی سے کام نہیں لیا' مدھم سروں میں اس کے شریر میں ایک ویشیا کا اصلی رنگ بھرتی رہی۔ زہر کے وہ قطرے ٹپکاتی رہی جس سے کبھی اس کا بھی واسطہ پڑا تھا۔ کا نتا بھی جب موقع ملتا دیوی کو کوٹھے کے رسم و رواج اور گاہکوں سے نمٹنے کے گر سکھاتی رہی۔ خود دیوی بھی اپنی نظروں سے کوٹھے کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے شریر کی گنبد کے اندر ایک گونج ضرور ابھرتی جو اسے اس پاپ کی دنیا سے بھاگ نکلنے کو اکساتی' لیکن پھر بملا کماری کی باتیں اسکے پیروں کی زنجیر بن کر آڑے آجاتیں۔ بملا کی باتوں میں کوئی جادو' کوئی جنتر منتر اوش تھا جس نے دیوی کے من کو پوری طرح اپنی مٹھی میں کرلیا تھا۔ پوری طرح موہ لیا تھا۔ ایسا جادو کردیا تھا جس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

دیوی پورے دھیان سے بملا کی باتوں کو سنتی' اپنے من کو ٹٹولتی' پھر سب کچھ بھول کر بملا کماری کی باتوں میں اس طرح گم ہو جاتی جیسے اس نے بملا کو اپنا گرو' اپنا بڑا...... اپنا سب کچھ مان لیا تھا......!!!

آہستہ آہستہ وہ بھی کوٹھے کے رنگ ڈھنگ میں گلے گلے ڈوب گئی۔

دیوی کو بملا کماری کے کوٹھے پر آئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے شریر کی خوشبو دور دور تک پھیل گئی' اس کی سندرتا اور اس کی بھرپور جوانی کی کہانی کوٹھے کی دنیا سے سمبندھ رکھنے والے تمام کانوں میں گونجنے لگی' رس گھولنے لگی' پھر جب ایک روز رانا بلبیر کا کارندہ بملا کے کوٹھے پر آیا تو بملا من ہی من میں کھل اٹھی۔ اس نے بڑی تجربہ کاری سے رانا بلبیر کے آدمی کا سواگت کیا۔

''کیسے آنا ہوا......؟'' بملا نے ہاتھ باندھ کر بڑی لگاوٹ سے کہا ''ہم تو سمجھے تھے رانا جی ہمیں بالکل ہی بھول گئے۔ بہت دنوں سے ان کے درشن بھی نہیں ہوئے۔ بھگوان نہ کرے رانا جی کے دشمنوں کی طبیعت تو خراب نہیں ہے؟''

''ایسی بات نہیں ہے بملا کماری'' آنے والے نے سپاٹ آواز میں جواب دیا ''تم اگر رانا جی کو جانتی ہو تو یہ بھی ضرور جانتی ہو گی کہ وہ کسی دوسرے کا جھوٹا کھانے کے عادی نہیں ہیں۔''

''کیا سیوا کروں آپ کی؟'' بملا کماری نے ادا سے لہرا کر سوال کیا۔

''ہمارے رانا جی کو کسی نے خبر دی ہے کہ تم نے کسی تازہ کنول کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا ہے؟''

''آپ......'' بملا نے ادھر ادھر دیکھ کر بڑی رازداری سے جواب دیا۔ ''آپ شاید دیوی کی بات کر رہے ہیں۔''

''بڑا پوتر اور دھانسو نام چن کر رکھا ہے۔'' آنے والے نے مسکرا کر کہا پھر سنجیدہ ہو گیا ''رانا جی نے تمہاری دیوی کا ایک چتر (تصویر) مانگا ہے۔''

''رانا جی کا حکم سر آنکھوں پر......ان کی اگیا کا پالن کرنا ہمارا دھرم ہے پرنتو آپ تو جانتے ہیں کہ ہم تازہ مال کیلئے......کتنی رازداری سے کام لیتے ہیں۔'' بملا نے مدھم آواز میں کہا' پھر آنکھیں مٹکا کر بولی ''آپ سے یا......رانا جی کے حکم سے انکار بھی نہیں کر سکتے لیکن......بات اگر پھیل جائے تو ہمارا بڑا گھاٹا ہوتا ہے۔''

''اس کی چنتا مت کرو۔'' آنے والے نے جیب سے مخمل کی ایک سرخ رنگ کی تھیلی نکال کر بملا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اس میں دیوی پر چڑھانے کا کچھ سامان بھی ہے اور چتر دیکھنے کی قیمت بھی۔''

''آپ جل پانی سے من بہلائیں میں تصویر لے کر آتی ہوں۔'' بملا نے سمجھانے والے

قاتل انداز میں کہا' پھر سرخ تھیلی لے کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ باہر اس کے کارندے آنے والے کے سامنے جل پانی پروسنے میں لگ گئے۔

بملا نے کمرے کو اندر سے بند کر کے سرخ تھیلی کھولی تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ہیرے کی چمکتی دمکتی انگوٹھی کے علاوہ کندن کے کام کا گلے کا ایک ہار بھی تھا۔ پچاس ہزار کے بڑے بڑے اور کرارے نوٹ بھی تھے۔ بملا کی تجربے کار نظروں نے بھانپ لیا کہ کانٹا مچھلی کے حلق میں پھنس چکا ہے۔ صرف ایک جھٹکے کی دیر ہے۔ اس نے رقم اور چڑھاوے کے زیور الماری کے چور خانے میں رکھے پھر دیوی کی دو مختلف انداز کی خوبصورت تصویریں لفافے میں ڈال کر باہر آ گئی۔

"میں ایک بنتی کروں گی۔" اس نے تصویر آنے والے کو دیتے ہوئے کہا۔ "رانا جی کی بڑی کرپا جو انہوں نے ہمیں کسی قابل سمجھا' لیکن دیوی ابھی کچی عمر کی ہے۔ اگر رانا جی کچھ دن......"

"میں تمہارا سندیس رانا جی تک اوش پہنچا دوں۔"

رانا بلبیر کا آدمی چلا گیا تو بملا دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے خوشی تھی کہ دیوی کیلئے سب سے پہلے رانا بلبیر کا سندیسہ آیا تھا۔ اس نے کانتا کو بلا کر چوری چوری بتایا تو کانتا کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔

"مجھے وشواس ہے دیدی کہ رانا بلبیر دیوی کی تصویر دیکھتے ہی دیوانہ ہو جائے گا۔ شہر کی سب سے موٹی آسامی ہے۔ پندرہ بیس لاکھ تو کہیں نہیں گئے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اس کی بھنک ابھی کسی اور کو نہ ملے۔"

"تم بے فکر ہو جاؤ' کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی۔" کانتا نے اسے وشواس دلایا۔

پھر بملا اور کانتا باتیں کر رہی تھیں کہ رانا بلبیر کا فون بھی آ گیا۔

"ہمارے بڑے بھاگ رانا جی جو آپ نے داسی کو یاد رکھا۔"

"دیوی کی تصویر ہمارے من کو بھا گئی ہے بملا بائی۔ ہم اس کو اپنے پہلو میں دیکھنے کے لئے بے چین ہیں۔"

بملا نے کسی گھاگ بیوپاری کا انداز اختیار کیا۔ "ہیرے کی قدر کوئی جوہری ہی جانتا ہے اور آپ......"

"ہمیں ہیرے کا مول لگانے میں بھی سودے بازی نہیں کرتا......" رانا بلبیر نے بملا کی

بات کاٹ کر دوٹوک بات کی۔ ''تم اس ہیرے کی قیمت بتاؤ۔''

''جوہری آپ ہیں اور قیمت مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟'' بملا کماری نے مچھلی کو جال میں پوری طرح پھنسانے کی خاطر جان بوجھ کر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''بھگوان کی سوگند اٹھا کر ایک بات اور بتادوں...... ابھی تو میں نے نہ دیوی کی ناک چھدوائی ہے نہ نتھ خریدی ہے۔''

''یہ تو اور ابھی اچھا ہے۔'' رانا بلبیر نے چبھتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''تم بعد میں بھی نتھ اتروائی کے دام کھرے کر سکتی ہو۔''

''وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سرکار لیکن......''

''کل پورن ماشی بھی اور میرا جنم دن بھی۔'' رانا بلبیر نے بات کاٹ کر اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔ ''ہمارا آدمی کل رات سورج ڈھلنے کے دو گھنٹے بعد گاڑی لے کر پہنچ جائے گا۔ پندرہ لاکھ کا لفافہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ بارہ لاکھ دیوی کیلئے' دو لاکھ تمہارے ہوں گے اور ایک لاکھ تم چاہو تو دیوی کے نام پر دان پن کر دینا۔ دیوی کا ہار پھول ہم اپنے گھر پر اپنی مرضی سے کریں گے۔''

بملا کچھ کہنا چاہتی تھی' لیکن لائن کاٹ دی گئی۔ اس نے لرزتے کانپتے ہاتھ سے ریسیور رکھا تو کانتا نے بے چینی سے پوچھا۔

''کیا ہوا...... کیا بات نہیں بنی......؟''

''دیوی ہمارے کوٹھے پر لکشمی بن کر آئی ہے کانتا۔'' بملا نے کانتا کو گلے لگا کر رانا کی بات بتائی تو کانتا کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

بملا کماری نے اسی وقت آدمی بھیج کر بازار سے ربڑی اور پیٹھے کی پانچ کلو مٹھائی منگوائی اور کوٹھے کی لڑکیوں میں بانٹ دی' لیکن دیوی کی بات کسی کو نہیں بتائی......! کانتا نے سب سے پہلے دیوی کا منہ میٹھا کرا دیا......! دیوی اسے پیار کا ایک انداز سمجھ کر بڑے بھولے پن اور معصومیت سے مسکرا دی......!

بملا کماری نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ دوسرے دن شام ہوتے ہی اس نے کوٹھے کی تمام لڑکیوں کو کانتا کے ساتھ درگا پوجا کے بہانے بھیج دیا' دیوی کو دوسراہٹ کا بہانہ کر کے روک لیا' پھر لڑکیوں کے جانے کے بعد اس نے دیوی کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا۔ رگڑ رگڑ کر اس کے شریر کو کندن کی طرح چمکایا' پھر پہلی رات کی دلہن کی طرح سجانے سنوارنے لگی تو دیوی نے پوچھا۔

''ایک بات ہے دیدی...... آج تم بڑی خوش نظر آ رہی ہو......؟''

''ہاں......'' بملا اس کے گال تھپک کر بولی ''آج تیری پریکشا کا پہلا دن ہے۔ تو رانا بلبیر کی ایک رات کی رانی بننے جا رہی ہے' جس نے تیرے لئے پورے پانچ لاکھ بھیجے ہیں۔ یہ تیرے سندر شریر کی پہلی کمائی ہے' اس لئے سب تیری ہوگی لیکن خبردار...... یہ بات کسی اور کو نہ بتانا۔''

دیوی بے اختیار بملا کماری سے لپٹ گئی۔ وہ بظاہر خود کو بہت خوش ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن اس کے من میں اس سمے بھی ایک گونج ہو رہی تھی۔ کچھ آوازیں...... آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں......!!!

رانا بلبیر کا کارندہ چم چم کرتی گاڑی لے کر آ گیا تو بملا پہلی بار کسی کو نیچے دروازے تک چھوڑنے گئی۔ بملا رانا بلبیر کے آدمی سے بند لفافہ لے کر واپس اوپر آ گئی' پھر نوٹ گننے کے بعد سیوک رام کے نام پر ایک گندی سی گالی چٹخاتے ہوئے بولی۔

''بڑا اکائیاں بن رہا تھا............ بملا کو ٹھگنے کے کارن' بڑے داؤ پیچ دکھا رہا تھا لیکن نتیجہ کیا نکلا......ساڑھے چھ لاکھ میں چت ہو گیا۔ حرام کا جنا......''

دوسری صبح بملا کو دیوی کی واپسی کا انتظار تھا' لیکن وہ نہیں آئی۔ رانا بلبیر کا ہرکارہ نیا لفافہ لے کر آ گیا۔

''راناجی نے دیوی کو ایک رات کیلئے اور روک لیا ہے۔'' اس نے بملا کو لفافہ تھماتے ہوئے کہا' پھر کچھ کہے سنے بنا الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

بملا نے کمرے میں جا کر لفافہ کھولا۔ اس میں بھی پندرہ لاکھ کے نوٹوں کی گڈی موجود تھی۔ اس سے پہلے ایک لڑکی کو کسی گاہک نے دو راتوں کیلئے متواتر نہیں روکا تھا۔ ناک چھدے بغیر تیس لاکھ کی رقم بھی اس بازار کی کسی لڑکی نے دیوی سے پہلے نہیں بٹوری تھی۔ بملا کماری نے نوٹوں کو الماری کی خفیہ تجوری میں چھپا کر اوپر کپڑے جما دیئے۔

دیوی اس کے کوٹھے پر لکشمی بن کر آئی تھی۔ بملا بہت خوش تھی۔ دیوی کے پہلے ہی سودے نے اس کے وارے نیارے کر دیئے تھے' لیکن اس خوشی کے ساتھ ساتھ ایک چنتا اور بھی اسے باکل کر رہی تھی۔ کوٹھے کی دوسری لڑکیوں کو اگر اصلیت کی بھنک مل گئی تو بات پھیل بھی سکتی تھی۔ بات پھیل جاتی تو پھر بار بار نتھ اترنے کے سہانے سپنے بھی ٹوٹ کر بکھر جاتے۔ دیوی کا بھاؤ بھی گر سکتا تھا۔

بملا سوچ بچار کرتی رہی' پھر کانتا سے مشورہ کر کے لڑکیوں میں یہ مشہور کر دیا کہ دیوی شہر میں

اپنی خالہ کے کریا کرم میں شریک ہونے گئی ہے۔لڑکیوں نے بملا کماری کی بات سر جھکا کر سن لی' لیکن ان کے کمروں میں کھسر پھسر شروع ہوگئی' پھر جب دیوی دوسری رات گزار کر واپس آئی تو سب کی نظروں نے تاڑ لیا کہ کلی چٹک کر پھول بن چکی تھی۔ انوپا بھی دیوی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

دوپہر کو بملا کو دیوی سے بات کرنے کا موقع ملا تو دیوی نے سونے کے وہ تمام زیور بھی پوٹلی میں بندھے بندھے بملا کے حوالے کر دیئے جو رانا بلبیر نے اسے دیئے تھے۔ بملا نے پوٹلی کھول کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ گلے کا حسین گلوبند جس میں رنگ برنگے قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے۔ کانوں کے بھاری اور جڑاؤ جھمکے' ہاتھوں کے کنگن' ماتھے کی بندیا...... پاؤں کی وزنی جھانجھن اور بازو بند...... سب کھرا اور اصلی مال تھا......!!

''کیسا لگا تجھے رانا بلبیر......؟'' بملا نے دیوی کے چہرے پر نظر جما کر پوچھا۔

''اس نے پاپ ضرور کیا' لیکن وہ پاپی نہیں لگتا تھا......'' دیوی نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''چل......اٹھ کر اشنان کر کے کمر سیدھی کر لے اور ہاں......تو اپنی خالہ کے کریا کرم اور اتم سنسکار میں بھاگ لینے گئی تھی۔ میں نے سب لڑکیوں کو یہی بتایا ہے۔''

دیوی نے عجیب انداز میں مسکرا کر بملا کماری کو دیکھا پھر سر جھکا کر کمرے سے باہر آ گئی۔

❁❁❁

سورج کی کرن اور چندا کی چاندنی ایک بار بادلوں کا سینہ چیر کر دھرتی تک پہنچ جائے تو پھر اس کا بھید بھید نہیں رہتا۔ یہی صورت دیوی کے ساتھ بھی پیش آئی' بات رانا بلبیر کے ذریعے پھیلی یا اس کے کارندوں نے پھیلائی' لیکن ''سرخ بتی بازار'' کے علاوہ پورے شہر کے تماش بین بملا کماری کے کوٹھے کے اردگرد بھنوروں کی طرح منڈلانے لگے۔فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ سب دیوی کے طلبگار تھے۔ منہ مانگی قیمت دینے کو تیار تھے۔ ایک انار سو بیمار والی مثال سامنے آ رہی تھی۔

بملا کماری دیوی کا بھاؤ بڑھانے کے کارن سب کو سرخ جھنڈی دکھاتی رہی۔ کانتا نے مشورہ دیا تو اس نے دیوی کی آڑ میں انوپا کو بھی داؤ پر لگا کر لمبی لمبی رقمیں بٹورنی شروع کر دیں۔ دیوی اس کیلئے سونے کا انڈا دینے والی مرغی تھی۔ وہ اسے سینت کر رکھنا چاہتی تھی' لیکن ایک بڑے سرکاری آفیسر کا فون آیا تو وہ اسے ٹال نہ سکی۔

"گھبراؤ نہیں بملا کماری...... میں رانا بلبیر کا متر بھی ہوں" سرکاری آفیسر نے کہا "وہ اگر پندرہ لاکھ دے سکتا ہے تو میں بیس دیوی پر نچھاور کر سکتا ہوں۔ اپنے پلّے سے کیا جائے گا، جس کی گدّی پر انکم ٹیکس کا الٹا استرا پھراؤں گا۔ وہ اس سے زیادہ مال ہنستے کھیلتے اگل دے گا۔"

"یہ سب آپ ہی کی کرپا ہے آنندی جی جو اپنا کاروبار بھی چل رہا ہے۔" بملا نے چاپلوسی سے کام لیا۔

"پھر اس سنی وار کی بات پکی رہی......؟"

"اب بملا آپ کا حکم کیسے ٹال سکتی ہے۔"

پھر بملا نے سنیچر کے روز پہلی بار دیوی کو نتھ پہنا کر بیس لاکھ کا مول طے کر کے آنندلال کے پاس بھیج دیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ آنندلال جیسا راشی آفیسر ایک دمڑی بھی دے گا، لیکن رانا بلبیر کا مقابلہ کرنے کے کارن اس نے بھی اپنی ناک اونچی کرنے کی ٹھان لی تھی۔ بملا نے بھی کوئی لچک نہیں دکھائی، سب کی طرح آنندلال کو بھی الٹے استرے سے مونڈ دیا۔

اس سمے رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ بملا اپنے کمرے میں مسہری پر لیٹی کانتا سے باتیں کر رہی تھی، جب رگھو بھی آ گیا۔ "اتنے دنوں سے کہاں غائب تھا......؟" بملا نے رگھو سے پوچھا۔

"تم نے دربا بند کر لیا تو دانے چگنے کے کارن ادھر ادھر کے بھی چکر لگانے پڑتے ہیں۔" رگھو بڑے ترنگ میں تھا، اس لئے اس نے کانتا کی موجودگی پر بھی دھیان نہیں دیا، پھر اپنی خاص زبان میں بولا "سنا ہے آج کل تم الٹی چھری سے گاہکوں کو رام رام ست کر رہی ہو۔ رگھو کے انعام کا بھی خیال رکھنا، سارا مال اکیلے ہی نہ ہڑپ کر جانا۔"

"آج بہت زیادہ چڑھا رکھی ہے تو نے۔" بملا نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ "کیوں اپنے جیون کو روگ لگا رہا ہے......؟"

"استادوں سے استادی نہیں چلے گی بملا رانی۔" رگھو نے چوتھی اور پانچویں انگلی کے بیچ پھنسی ادھ جلی سگریٹ کا سٹا مارتے ہوئے تیور بدل کر کہا "آج بہت دیر سے ہتھیلی کھجلا رہی ہے۔ زیادہ نہیں دس ہزار ڈھیلے کر دے، باقی حساب کتاب بعد میں ہوتا رہے گا۔"

"اتنی رقم تو میں بھی تجھے دے سکتی ہوں۔" کانتا نے بملا کی تیوری پر بل پڑتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "دیدی کے ساتھ مٹھا ماری کی باتیں کیوں کر رہا ہے......؟"

پھر بملا نے بھی رگھو کی آنکھ بچا کر کانتا کو اشارہ کیا تو اس نے جلدی سے اٹھ کر دس ہزار کی رقم الماری سے نکال کر رگھو کے حوالے کر دی۔ رگھو نے کرسی سے اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے کرارے کرارے نوٹوں کو سونگھ کر چوما' پھر بملا کو آنکھ مارتا ہوا واپس سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ بملا نے پھر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

رات کے دو بجے تو کانتا جانے کیلئے اٹھی۔ اسی پل فون کی گھنٹی بجی تو بملا نے جلدی سے کہا۔

''کانتا...... تو سن لے کال' کوئی میرا پوچھے تو بیماری کا بہانہ کر کے ٹال جانا۔''

کانتا نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ایک دو بات کرنے کے بعد اس نے ریسیور پر ہاتھ جما کر بملا سے کہا۔

''دیدی...... سیوک رام کا فون ہے۔ تم سے کوئی کاروباری بات کرنا چاہتا ہے۔''

''اتنی رات گئے......'' بملا نے برا سا منہ بنایا' پھر کانتا کے ہاتھوں سے ریسیور لے کر بولی ''اس سمے میں تجھے کیسے یاد آ گئی۔''

''مجھے وشواس تھا کہ تم ضرور جاگ رہی ہو گی۔'' سیوک رام نے کہا ''میں نے تمہیں دیوی کی بدھائی دینے کے کارن فون کیا تھا۔ سنا ہے تم نے دیوی کو کندن بنا دیا ہے' دونوں ہاتھوں سے مایا سمیٹ رہی ہو۔''

''تیری چھاتی کیوں پھٹ رہی ہے؟'' بملا جھلا گئی۔ ''میں نے مول بھاؤ کر کے پوری قیمت تیرے منہ پر ماردی تھی۔ اب تیرا اس سے کیا سمبندھ؟''

''تو بھی ٹھیک کہہ رہی ہے بملا کماری...... پرنتو میں نے بھی تیرے باپ کی پوٹلی کو بڑے لاڈ سے پال پوس کر بڑا کیا تھا۔ کیا میرا اتنا ادھیکار بھی نہیں بنتا کہ تجھے بیٹی کی کمائی کھانے کی بدھائی دے سکوں؟''

''سیوک رام......'' بملا کماری کی نیند اڑ گئی۔ ''کیا بکواس کر رہا ہے تو......؟''

''میں سیوک رام نہیں' بلرام کا بھائی بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے حقارت سے جواب دیا گیا ''رام پیاری تو یاد ہے نا تجھے؟ بلرام نے تیرے اوپر وشواس کر کے کچھ دنوں کیلئے اپنی امانت تیرے حوالے کی تھی' لیکن تو نے اس معصوم کو بھی دولت کمانے کیلئے موت کے حوالے کر دیا۔ جوانی نشٹ کر دی تھی اس معصوم کی۔''

''نہیں...... نہیں یہ جھوٹ ہے۔'' بملا کماری دیوانوں کی طرح چیخی ''رام پیاری کو میں لے

نہیں رگھو نے......"

"ایک ہی بات ہے گسی ......تم سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہو۔رگھو کے بھاگ اچھے تھے جو وہ بچ گیا' اس کی جگہ جگا مارا گیا اور اب...... اب تو اپنی پتری کے شریر کی کمائی کھا رہی ہے......" بولنے والے نے قہقہہ لگا کر کہا "جسے تو نے دیوی بنا دیا ہے وہ کوئی اور نہیں...... تیری موہنی ہے۔"

"تو بکواس کر رہا ہے...... یہ سچ نہیں ہے۔" بملا کماری چیخنے لگی۔ اس کے اندر جیسے کوئی بھونچال آ گیا تھا۔

"یہی تیرے جیون کا سب سے کڑوا سچ ہے۔ تجھے اگر میری بات کا وشواس نہیں تو دیوی کے بائیں بازو کا وہ تل دیکھ لے جسے تو بڑے پیار سے چوما کرتی تھی۔"

بملا پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر بولی۔ "میں تجھے اور بلرام دونوں کو کتوں کی موت ماروں گی۔"

"بلرام کا دھیان من سے نکال دے ویشیا۔ وہ جگا اور اس کے ایک دو آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد خود بھی ترلوک سدھار گیا اور میں...... میں اپنا کام پورا کرنے کے بعد آج سے اس ملک سے بہت دور جا رہا ہوں...... جے رام جی کی۔"

دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی۔ بملا کماری کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ دیوی کے بارے میں جو کچھ اس نے سنا تھا۔ وہ سچ انگاروں کی طرح اس کے پورے وجود کو جھلسا رہا تھا' اس کے اندر جوالا مکھی کا منہ پھر کھل گیا تھا۔ سارا شریر غصے سے لرز رہا تھا۔

"کیا بات ہے دیدی؟" کانتا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "تم کچھ بیاکل نظر آ رہی ہو۔"

"کسی کو بھیج کر رگھو کو بلوا لے...... مجھے ایک ضروری کام ہے۔" بملا نے کسی چوٹ کھائی ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔

کانتا خاموشی سے کمرے سے باہر نکلی تو بملا کچھ دیر تک اپنی چھاتی کوٹتی رہی' پاگلوں کی طرح بال نوچتی رہی' پھر اس نے جلدی سے الماری کھول کر ریوالور نکالا اور دوبارہ مسہری پر بیٹھ گئی۔ دیوی کی اصلیت جان لینے کے بعد اس کی ممتا کو کسی کل چین نہیں آ رہا تھا۔ ہر چیز چکراتی نظر آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد رگھو نشے میں لڑکھڑاتا اندر آیا تو بملا کی نگاہوں میں چنگاریاں چٹخنے لگیں۔

"کیا بات ہے بملا کماری......؟" رگھو نے پوچھا۔ "یہ تیری آنکھوں میں اس عمر میں بھی

سرخ ڈورے کیوں ہیں؟''

''یہ میرے شریر کی پیاس نہیں رگھو تیرے شریر کا خون ہے جو میری نظروں میں چھلک رہا ہے۔'' بملا بپھر کر زخمی شیرنی کی طرح اٹھی' پھر اس نے ریوالور تان کر دو گولیاں رگھو کے چوڑے چکلے سینے میں اتار دیں۔ رگھو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ کھڑے کھڑے ادھر ادھر لہرایا پھر درخت سے کٹی شاخ کی طرح دھم سے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ جیون سے اس کا ناتا پل بھر میں ختم ہو گیا۔

''دیدی...... یہ...... یہ تم نے کیا کیا؟'' کانتا نے حیرت سے پوچھا۔

''مم...... میں اپنے پاپوں کا پرایشچت کر رہی ہوں۔'' بملا نے بڑی پھرتی سے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا' پھر کانتا کو پاگلوں کی طرح دیکھتے ہوئے بولی۔ ''دیوی' دیوی نہیں ہے میری معصوم اور نردوش موہنی ہے۔''

''دیدی......'' کانتا چونک اٹھی۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟''

''میرے پاس سمے کم ہے کانتا...... میری بات دھیان سے سن۔'' بملا نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا ''الماری کی خفیہ تجوری میں بہت سارا دھن موجود ہے۔ اسے سمیٹ کر اور میری موہنی کو ساتھ لے کر پاپ کی اس دنیا سے کہیں دور چلی جانا۔ اسے یہ نہ بتانا کہ میں کون ہوں...... نہیں تو ممتا کے شبھ نام پر کالک لگ جائے گی۔''

''دیدی......''

''میری موہنی...... میری دیوی کے کانوں میں ابھی تک میری آواز گونج رہی ہے۔'' بملا نے حسرت بھری آواز میں کہا' اس کی ہچکیاں زور پکڑتی جا رہی تھیں۔ کوٹھے پر جو لڑکیاں موجود تھیں۔ فائر کی آواز سن کر وہ بھی جاگ گئی تھیں' باہر کھڑی دروازہ پیٹ رہی تھیں' لیکن بملا جیسے بہری ہو گئی تھی' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے کانتا کو دیکھتے سسکیوں اور ہچکیوں کے بیچ اٹک اٹک کر بولتی رہی۔ ''میں نے موہنی سے کہا تھا کہ پاپ کی دنیا کی طرف بھول کر بھی نہ دیکھے۔ وہ...... وہ آواز آج بھی اس کے کانوں میں گونج رہی ہے اور میں پاپن اس کی بات نہیں سمجھ سکی' لیکن تو...... تو اسے یہاں سے لے کر کہیں دور چلی جانا...... پاپ کا سایہ بھی نہ پڑنے دینا اس کے جیون پر......''

''دیدی...... ہوش میں آؤ دیدی...... یہ تم......''

''میں تجھے اپنی سکھی جان کر ایک کام سونپ رہی ہوں۔ موہنی کو لے کر دھرتی کے کسی

دوسرے کونے پر نکل جانا' جہاں کوئی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے۔تو اپنے ہاتھوں سے میری موہنی کو دلہن بنائے گی' پھر بڑی شان سے اس کی مانگ میں سیندور بھر کے اسے اس کی پتی کے ساتھ وداع کرے گی۔مم...... مجھے وچن دے کانتا......تو......تو میرے ادھورے سپنوں کو پورا کرے گی۔ مجھے وشواس ہے کہ دلہن کا روپ دھار کر میری موہنی سچ مچ کی دیوی بن جائے گی۔''

''دیدی......'' کانتا نے چیخ کر کہا'' ہوش میں آؤ......''

''ہاں......تو سچ کہہ رہی ہے کانتا......'' بملا نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگا کر جواب دیا ''مجھے ہوش میں آ جانا چاہیے۔موہنی کے مل جانے کے بعد اب مجھے اس پاپ کی نگری سے منہ موڑ لینا چاہیے۔اچھا کانتا...... میں جا رہی ہوں لل......لیکن جاتے جاتے تجھے خون کی وہ سرخی تو دے دوں جو میری موہنی کی مانگ کیلئے ایک ماں کا آخری تحفہ ہوگا...... آ آخری تحفہ......''

پھر بملا نے ریوالور کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبا دی......!!!

❁❁❁

دوسری عورت

عدالت کا کمرا کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ چمکی ملزموں کے کٹہرے میں بڑی آن بان سے کھڑی ہجوم کی بے چین نظروں کو اپنے سندر شریر کے مختلف حصوں پر جگہ جگہ چبھتا محسوس کر رہی تھی۔ سیاہ گھاگرے اور تنگ چولی میں اس کا گورا بدن قیامت ڈھا رہا تھا۔ اس کی بادام جیسی بڑی بڑی آنکھیں بھی دیکھنے والوں کے دلوں پر بجلیاں گراتی تھیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے مقدمے کی سماعت کے بجائے کوئی فیشن شو ہو رہا ہو' جہاں بھانت بھانت کے دل پھینک شوقین کسی حسینۂ عالم کے انتخاب میں حصہ لینے والی ایک سندر ناری کے سندر شریر کے ایک ایک عضو کا بھید بھاؤ تلاش کرنے میں پورے تن من دھن سے مگن تھے۔ ہر طرف سے مدھم مدھم سرگوشیاں ابھر رہی تھیں' جب انصاف کرنے والے اندھے قانون کے دیوتا نے سامنے رکھی ہوئی فائل سے سر اٹھایا تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔ چمکی نے بھی اپنی جوانی کا بوجھ ایک ٹانگ سے دوسری ٹانگ پر ڈال دیا۔

سب سے اگلی قطار میں بیٹھا ہوا سیٹھ کیدار اپنے وکیل سے بولا۔ "شرما جی...... کوئی ایسی ترکیب کرو کہ اس سالی کو بارہ پندرہ سال سے کم کی سزا نہ ہو۔ جب سے اس کلنکنی نے محلے میں اپنا گندا قدم رکھا ہے' بھلے اور شریف آدمیوں کا سانس لینا بھی دوبھر ہو گیا ہے۔ یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ رات عین وقت پر میری آنکھ کھل گئی ورنہ اس دو کوڑی کی لڑکی نے تو میرے گھر کا صفایا ہی کر دیا تھا۔" پھر کیدار نے کن انکھیوں سے ایک نظر چمکی کے بھرے بھرے وجود پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "بارہ پندرہ سال کو اندر ہو گئی تو وہاں کے منجھے ہوئے پرانے پاپی اور بھوکے سنتری اس کے شریر کا ہر ایک کس بل نکال دیں گے۔ اس سے اسے مجھ سے ٹکرانے کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔

آخ تھو!‘‘

’’آپ کوئی چنتا نہ کریں سیٹھ...... جیت ہر حال میں آپ کی ہوگی۔‘‘

کہنے کو شرما جی نے وہ بات اس لئے کہہ دی تھی کہ اس معمولی کام کیلئے وہ دس ہزار پیشگی اینٹھ چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ کیدار ناتھ جیسی موٹی اسامی کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ورنہ یہ بات بھی سمجھ چکے تھے کہ ایک غریب‘ لاوارث لڑکی جو اپنا پیٹ پالنے کی خاطر دن بھر سڑکوں سڑکوں اور گلیوں گلیوں ننگے پیر گھوم کر سستے داموں والے کھلونے بیچتی ہو‘ اس بڑی حویلی میں قدم رکھنے کے وچار بھی کبھی من میں نہیں لاسکتی تھی جہاں بڑے پھاٹک پر دن رات ایک نہ ایک سنتری نما گبرو چوکیدار تیل پلائے لٹھ کو ہاتھ میں تھامے ہر وقت پوری طرح چوکس نظر آتا تھا۔ شرما جی کے کانوں تک تو اڑتے اڑتے یہ خبر بھی پہنچ گئی تھی کہ دھرم پتنی کے رام رام ست ہو جانے کے بعد کیدار ناتھ پہلے کے مقابلے میں زیادہ ٹھرکی ہو گئے تھے۔ اپنا دل پشوری کرنے کے کارن وہ رات کو چوری چھپے اپنے خاص کارندوں کی مٹھی گرم کر کے ہر پندرہ بیس روز بعد کسی ایسی سندر ناری کا بندوبست کراتے رہتے تھے جو سیٹھ کیدار ناتھ کا من بہلانے کے بعد اپنا اور اپنے بھوکے بچوں کا پیٹ بھی خاموشی سے بھر لیا کرتی تھی۔ ایسی ضرورت مند عورتوں یا لڑکیوں کو حویلی کے اس پچھلے دروازے سے بڑی دیکھ بھال کے بعد اندر لایا جاتا تھا‘ جہاں ملازموں کے رہنے کے کمرے بنے ہوئے تھے اور لوہے کی اس پھاٹک پر دن رات علی گڑھ کا بنا ہوا اصلی اور وزنی تالا جھولتا نظر آتا تھا‘ جس کی چابی صرف سیٹھ کے خاص آدمی کے پاس ہوتی تھی۔ حویلی کی چار دیواری‘ ویسے بھی اتنی اونچی تھی کہ اسے آسانی سے کوئی ڈاکو بھی نہیں پھلانگ سکتا تھا!

جج نے ایک نظر ہجوم پر ڈالی‘ پھر اس نے چمکی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ’’کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اوپر کیا جرم عائد کیا گیا ہے؟‘‘

’’جی سرکار......‘‘ چمکی نے سنبھل کر جواب دیا۔

’’کیا تمہارا اصلی نام بھی چمکی ہے؟‘‘ جج نے سرسری طور پر سوال کیا۔

’’جب سے ہوش سنبھالا ہے سرکار سب کو یہی نام لیتے سنا ہے تو یہی ہوگا۔‘‘ چمکی نے معصومیت سے کہا‘ پھر دبی زبان میں بولی۔ ’’اصلی اور نقلی کی پرکھ تو سیٹھ ساہوکار کرتے ہیں مالک...... اپنے پلے کیا دھرا ہے؟‘‘

چمکی کے جواب پر ہجوم نے قہقہہ لگانے کی کوشش کی تو جج کے آرڈر...... آرڈر نے انہیں

خاموش کر دیا۔

"تم کل سیٹھ کیدار ناتھ کے بنگلے پر کیوں گئی تھیں؟" جج نے اگلا سوال کیا۔

چمکی نے جواب دینے سے پیشتر کیدار ناتھ کو دیکھا' پھر اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلا تبسم جاگ اٹھا۔ اس نے بڑی معصومیت سے جج کی سمت دیکھ کر کہا۔ "کل رات سیٹھ جی کا ملازم مجھے بلانے آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ سیٹھ جی کی کوئی ماں نہیں ہیں۔ بیوی بھی بھگوان کو پیاری ہو چکی ہے' اس لئے ان کا من شاید ویاکل ہو رہا تھا۔ گیتا کا پاٹھ سنانے کیلئے مجھے بلایا تھا۔ ان کے دل میں کیا تھا' یہ تو بھگوان ہی کو خبر ہو گی سرکار۔"

"پوری بات کھل کر بتاؤ۔" جج کسمسا کر بولا۔ "ملازم نے تم سے کیا کہا تھا؟"

"پچاس روپے پہلے میری مٹھی میں دبا دیئے' پھر بڑی رازداری سے کہا کہ اگر منہ بند رکھا تو بعد میں سو اور ملیں گے۔" چمکی نے اس بار بھی بھولپن کا مظاہرہ کیا۔ "پھر میں نے اس مورکھ کو بتایا کہ اگر منہ اور زبان بند رکھی تو گیتا کا پاٹھ کس طرح سناؤں گی۔ کیوں سرکار؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

ہجوم میں پھر کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ کیدار ناتھ اپنی جگہ بیٹھا بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ جج کی آواز دوبارہ گونجی تو مجمع پھر خاموش ہو گیا۔ وہ چمکی سے مخاطب تھا۔

"سیٹھ کیدار ناتھ نے تمہارے اوپر الزام لگایا ہے کہ تم ان کے بنگلے میں چوری کی نیت سے داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ کیا تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

ایک لمحے کو چمکی کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے کیدار ناتھ کی طرف یوں دیکھا جیسے نگاہوں نگاہوں میں پوچھ رہی ہو۔ "کیوں سیٹھ! اب کیا کہتے ہو۔ کیا میں بھری عدالت میں تمہارے پاپ کی کہانی سنا کر لوگوں کو تمہارے منہ پر تھوکنے پر مجبور کر دوں؟ ارے مورکھ میں تو سدا کی ابھاگن ہوں۔ مجھے بدنام کر کے تجھے کیا حاصل ہو گا؟ ہاں اگر میری زبان پر پڑے تالے کھل گئے تو تمہاری عزت کی کرکری ضرور ہو جائے گی۔ سماج کی نظروں میں کیا مان باقی رہے گا؟ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہو گے...... اکڑی ہوئی گردن ایک بار جھک گئی تو پھر بھاگنے کو راستہ بھی نہیں ملے گا۔ شیشے کے محل میں رہتے ہو تو دوسروں کو پتھر مارنے کا موقع بھی نہ دو۔"

''تم نے کوئی وکیل بھی کیا ہے؟'' جج نے چمکی کی خاموشی کو محسوس کر کے دوسرا سوال کیا۔

''نہیں سرکار'' چمکی نے کمزور آواز میں جواب دیا۔ ''ہم جیسی بے سہارا لڑکیوں کا سب سے بڑا وکیل کیول...... پرماتما ہوتا ہے اور مجھے اپنے پربھو پر پورا پورا وشواس ہے۔''

جج نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کیدار ناتھ کے وکیل سے کہا۔ ''مسٹر شرما' اب آپ اگر چاہیں تو جرح کر سکتے ہیں۔'' لیکن یہ کہتے وقت اس کی آواز میں ہمدردی کا ایک جذبہ ضرور تھا' جسے چمکی نے بھی محسوس کیا۔ جج کو شاید چمکی کی حالت پر رحم آ گیا تھا' لیکن اس وقت وہ انصاف کا مقدس دیوتا ہونے کے سبب بے بس تھا' شاید اس لئے کہ اس کے کئے گئے فیصلے کا انحصار بیانات اور جرح کی نوعیت پر تھا۔

قانون کی موٹی موٹی کتابیں لکھنے والوں نے صرف اس لئے تو جھک نہیں ماری تھی کہ ان کی وزنی جلدوں کو گدھوں پر لاد کر سمندر میں غرق کر دیا جائے یا خوبصورت الماریوں میں سجا کر گرد و غبار سے بچانے کی خاطر مقفل کر کے محفوظ رکھا جائے۔ ان کتابوں کا استعمال تو ہمیشہ ہی سے ایسے موقعوں پر ہوتا تھا جب امیری غریبی سے ٹکراتی تھی۔ جب کوئی قوی ہیکل حریف اپنے کمزور مخالف پر شکاری عقاب بن کر پوری شدت سے جھپٹتا تھا' جب کوئی چرب زبان وکیل یا بیرسٹر کسی سیدھے سادے انسان کی شرافت کی دھجیاں اڑانے کا مصمم ارادہ کر لیتا تھا...... ایسی ہی اہم گتھیوں کو سلجھانے کے کارن یہ کتابیں عالم وجود میں آئی تھیں' جن کی گھسی پٹی دفعات اور مؤثر حوالے ملزم کو مظلوم اور مظلوم کو ملزم ثابت کرنے میں بڑے مؤثر ثابت ہوتے تھے۔ ان کتابوں کے لکھے کے آگے دیوی دیوتاؤں اور بھگوان کا انصاف ایک بیکار اور مہمل سی بات تھی۔ دیوی' دیوتا' پرماتما اور بھگوان کا زور تو آخرت میں چلتا ہے اور...... آخرت کی پرواجیون میں کون کرتا ہے؟

انصاف کے دیوتا کے ہاتھوں میں تو صرف وزن کرنے کا ترازو ہوتا ہے' لیکن وزن کرنے والے اوزان سدا سے ان ہی بڑے بڑے وکیلوں اور بیرسٹروں کے ہاتھ میں رہے ہیں...... جو کوئی بھی دھنوان مول چکتا کر کے خرید سکتا تھا۔ پھر...... انصاف کے ترازو کا پلڑا بھی اسی طرف جھکتا ہے جدھر وزن زیادہ ہو۔ یہی کارن تو ہے جو بدھی مانوں نے قانون کو اندھا کہا ہے۔

جج کا اشارہ پا کر شرما جی گردن اکڑا اکڑا اٹھے۔ کٹہرے کے قریب پہنچ کر اس نے چمکی کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا پھر سپاٹ آواز میں پوچھا۔ ''تمہارا نام چمکی ہے؟''

''کانوں کی کھوٹ بھی کبھی کبھی نکلوا لیا کرو وکیل بابو'' چمکی نے سادگی سے کہا۔ ''ابھی میں

نے بھری عدالت میں بڑے سرکار کو اپنا نام بتایا تو تھا۔ کیا اس سے تم نے کانوں میں سرسوں کا تیل ڈال رکھا تھا؟''

''می لارڈ!'' شرما نے جج کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں کہا۔ ''ملزمہ سے کہا جائے کہ وہ عدالت کے وقار کا خیال رکھے۔''

''چمکی!'' جج نے براہ راست چمکی کو مخاطب کیا۔ ''تم سے جتنا سوال کیا جائے' کیول اتنا ہی جواب دو۔''

''ٹھیک ہے سرکار'' چمکی نے اس طرح گردن ہلائی جیسے بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہے۔

''تمہارا نام چمکی ہے؟'' شرما وکیل نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''ہاں'' چمکی نے وکیل کو جواب دیا۔

''تمہارے ماتا پتا کہاں رہتے ہیں؟''

''پوتر گنگا کی لہروں میں جہاں ان کی چتا کی راکھ کو کسی دیس بھگت نے بہا دیا تھا۔'' چمکی نے کولھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بڑے تیکھے ہوئے الفاظ میں جواب دیا۔ ''ان کا کوئی کھوج اور کوئی نام یا پتا میرے پاس نہیں ہے' اس لئے ان کے بارے میں کوئی اور سوال نہ کرنا۔''

شرما جی تلملا کر رہ گئے۔ بڑی حقارت سے بولے۔ ''تم پیٹ کی آگ بجھانے کے کارن کیا دھندا کرتی ہو؟''

''کھلونے بیچتی ہوں۔'' چمکی نے منہ پھیر کر بے پروائی سے کہا۔

''کس قسم کے کھلونے؟'' سوال کرتے ہوئے شرما کی نظریں بھی چمکی کے خوبصورت بدن کی اونچ نیچ پر پھسلنے لگیں۔

چمکی نے بل کھا کر شرما کی گستاخ نظروں میں جھانکا۔ اس کے من میں تو آئی کہ عدالت کا دھیان من سے نکال کر شرما کی ماں بہنوں کو ایک کر دے' جس طرح وہ کسی چھیڑنے والے کو کھری کھری سناتی تھی' لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا' شرما کو گھور کر الفاظ چبا چبا کر بولی۔

''کتا...... الو...... گدھا...... سؤر...... کاٹھ کا گھوڑا...... بندر اور......''

''می لارڈ!'' شرما نے تیزی سے پلٹ کر جج کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ''کیا کٹہرے میں کھڑی اس لڑکی کی بدزبانی اور بے ہودگی اس کی آوارگی اور بدچلنی کا ثبوت نہیں ہے؟''

''آوارہ ہوگی تیری ماں اور تیری لگائی۔'' جج کے کوئی جواب دینے سے پہلے چمکی کی کڑک دار آواز عدالت کے کمرے میں گونج اٹھی۔ ''حرامی کہیں کا! اگر دوبارہ تو نے میرے اوپر کوئی بہتان لگایا تو تیرے سارے کنبے کو ایک ہی ہانڈی میں بگھار کر رکھ دوں گی۔ بڑا آیا آوارہ اور بدچلن کہنے والا!''

پورا کمرا فلک شگاف قہقہوں سے گونجنے لگا۔ شرما جی رومال نکال کر اپنی پیشانی کا پسینا خشک کرنے لگے۔ سیٹھ کیدار ناتھ بھی بری طرح سٹ پٹا کر رہ گیا۔

''آرڈر...... آرڈر!'' جج نے لکڑی کا ہتھوڑا میز پر دوبار مار کر پاٹ دار آواز میں کہا تو دوبارہ خاموشی طاری ہوگئی' لیکن چمکی کے متعدد چاہنے والے اس وقت بھی مسکرا رہے تھے۔ جج نے چمکی سے کہا۔ ''لڑکی...... تمہیں عدالت کی عزت کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''میرا کیا قصور ہے سرکار؟'' چمکی نے جج کی طرف معصوم نظروں سے دیکھا۔ ''میں تو وکیل بابو کو کھلونوں کے نام گنوا رہی تھی۔ یہی نہ جانے اپنے کس جنم کا بدلہ لینے کے کارن میری عزت اور آبرو کو نمک مرچ لگا کر بگھارنے لگے۔ جواب میں اپنی چمڑے کی زبان بھی ذرا پھسل گئی۔''

جج نے زیرلب مسکرا کر شرما جی کی طرف دیکھا جو آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔ عدالت کے انہی کٹہروں میں وہ اب تک نہ جانے کتنی شریف لڑکیوں کی عزت کو خاک میں ملا کر آوارہ اور بدچلن ثابت کر چکے تھے اور کتنی ویشیاؤں کو اپنی چرب زبانی سے سیتا ساوتری ثابت کر چکے تھے۔ جج کی طرف سے رخ پھیر کر انہوں نے دوبارہ اس جنگلی ہرنی کی طرف دیکھا جو جال میں پھنس جانے کے بعد اچھل کود کر رہی تھی۔ ان کی آواز دوبارہ ابھری۔

''تم سیٹھ کیدار ناتھ کے بنگلے میں کیوں گئی تھیں؟ وہ بھی رات کو ساڑھے بارہ بجے!''

''بڑے سرکار کو یہ بھی بتا چکی ہوں' سیٹھ نے بلوایا تھا مجھے'' چمکی نے خشک اور سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

''کیا اس سے پہلے بھی تم وہاں جا چکی تھیں؟'' شرما کا لہجہ چبھتا ہوا اور معنی خیز تھا۔

''نہیں۔'' چمکی نے زہر کا گھونٹ حلق کے نیچے اتار کر کہا۔

''رہتی کہاں ہو؟''

''ایک کرائے کی کھولی میں'' چمکی نے اس بار بھی بڑے ضبط سے کام لیا۔ کسی عدالت میں پیش ہونے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے الٹے سیدھے سوال

کیوں کئے جا رہے ہیں، جبکہ وہ نردوش تھی اور دوشی اکڑ کر سینہ تانے کرسی پر آرام سے بیٹھا تھا۔

"کیا یہ غلط ہے کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی؟" شرما نے پوچھا۔

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہی سچ ہے۔" چمکی نے پھر اپنی زبان کو قابو میں رکھا۔

"کیوں؟" شرما نے بھرپور ضرب لگانے کی کوشش کی۔ "کیا تم اس وقت آزادی کے ساتھ گھوم پھر کر اور اپنی مرضی سے روز جتنا مال کما لیتی ہو، وہی تمہارے لئے بہت ہے یا پھر تم شادی کرنے کے بعد کسی ایک کی ہو کر نہیں رہنا چاہتیں؟"

"بات ایک یا دو کی نہیں ہے وکیل بابو" چمکی نے نہ جانے کیوں نظریں نیچی کر لیں۔

"گویا یہ سچ ہے کہ تم کسی ایک مرد کے ساتھ......"

"سچ یہ ہے بابو کہ آج تک مجھے کوئی ایسا دیس بھگت اور دیالو مرد ملا ہی نہیں جو مجھے استری (بیوی) کی حیثیت سے سویکار کرتا۔" چمکی نے شرماتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "آج تم جیسا گبرو مرد اوتار نظر آ رہا ہے تو میں تم سے سوال کرتی ہوں، کیا تم میرے ساتھ لگن منڈپ سجانے کو تیار ہو؟ بولو بابو! کرو گے میرے ساتھ دواہ؟"

"می لارڈ!"

شرما نے پھر کوئی احتجاج کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی آواز ہجوم کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی۔ شادی کا بے معنی سوال کر کے شرما نے چمکی کو آوارہ ثابت کرنے کی جو کوشش کی تھی، وہ کارگر نہ ہو سکی، پھر اس وقت خود شرما بھی تلملا کر رہ گئے، جب انہوں نے ہجوم کے ساتھ ساتھ انصاف کے دیوتا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھرتے دیکھی۔

ہجوم کی کچھ مشتاق اور کچھ آوارہ نظریں بدستور چمکی پر مرکوز تھیں جو اپنے میلے گھاگرے اور پرانی تنگ چولی میں بھی فاتحانہ انداز کے ساتھ کھڑی زہرخند سے شرما وکیل کی بوکھلاہٹ کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ پھر جج نے کسی مصلحت کے تحت پیشی ختم کر کے دوسری تاریخ کا اعلان کیا، لیکن عدالت برخاست کرنے سے پہلے بڑی نرمی سے چمکی سے دریافت کیا۔

"کوئی تمہاری ضمانت دے سکتا ہے؟"

"نہیں سرکار" چمکی نے مضمحل لہجے میں جواب دیا۔ "بھلا ایک چور اور مجرم کی ضمانت کون لے گا؟"

"ایسا مت بول چمکی۔" ہجوم سے بیک وقت کئی ملی جلی آوازیں ابھریں۔ "میں لوں گا تیری

ضمانت۔"

چمکی کے اداس ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تڑپ کر نڈھال ہوگئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے جج کی طرف دیکھا جیسے کہنا چاہتی ہو۔

"دیکھا بڑے سرکار آپ نے میرے دیس کے ان نرم دل ساہو کاروں کو جو میری ضمانت کی بولیاں دے رہے ہیں۔ یہی تو ہمارے دیس کے وہ ہونے والے نیتا ہیں' جو مجھ جیسی سندر اور بے سہارا کی ضمانت دے کر اصل کے ساتھ بیاج بھی وصول کرنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ ایک رات کو من بہلانے کے کارن یہ بڑے سے بڑا مول لگا سکتے ہیں۔ پرنتو پوترا گنی کے گرد پھیرے لگا کر ایک کنیا کے ساتھ سارا جیون بتانے کا روگ نہیں پالتے۔ انہیں پرنام کرو بڑے سرکار جن کے دیئے ہوئے خرچے سے کئی اناتھ آشرم آباد ہیں۔ ایسے بچے پل رہے ہیں جن کو باپ کا نام دینے کی خاطر کوئی آگے نہیں آتا۔ اگر یہ نہ ہوتے سرکار تو کوٹھوں کے دھندے اور چھن چھن کی آواز بھی کبھی نہ گونجتی۔ اگر انہوں نے بھی ہاتھ کھینچ کر منہ پھیر لیا تو پھر ان بے سہارا لڑکیوں کا کیا بنے گا جو اپنی کوکھ میں ایسے ہی لوگوں کی نشانیاں لئے گلیوں گلیوں بھٹک رہی ہیں۔ ان کی کوکھ خشک ہوگئی تو معصوم اور بے قصور بچے اب دھرتی پر جنم لینے سے پہلے ہی دم توڑ دیں گے۔ ان ساہوکاروں کی پوجا کرو سرکار کہ اگر یہ نہ رہے تو پھر اس دھرتی کے سارے ہنگامے' سارے دنگے فساد ختم ہو جائیں گے۔"

ہجوم میں چمکی کی ضمانت لینے کے کارن کئی لوگ اس طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے تھے اور غرا رہے تھے جیسے کسی نے ایک گودے دار ہڈی ان کے بیچ پھینک دی ہو' پھر چمکی نے ایک نیک اور سیدھے سادے آدمی کو گردن جھکائے آگے بڑھتے دیکھا جس نے جج کے قریب ہو کر بڑی سادگی سے کہا۔

"میں لوں گا حضور چمکی کی ضمانت۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟ کیا کرتے ہو؟" جج نے پوچھا۔

"گردھاری نام ہے۔ سرکاری ملازم ہوں سرکار۔ بارہ سال سے چڑیا گھر میں ملازمت کر رہا ہوں۔ تھوڑی سی پونجی جمع کر رکھی تھی۔ اگر وہ چمکی کے کام آ گئی تو یہی سمجھوں گا کہ میری محنت وصول ہوگئی۔"

عدالت نے ضروری اطمینان کر لینے کے بعد چمکی کو گردھاری کی ضمانت پر رہا کر دیا۔ چمکی

عدالت سے باہر نکلی تو بے شمار جانے پہچانے چہروں کے درمیان گھر کر رہ گئی۔ ہر شخص اپنی اپنی بولی بول رہا تھا۔ چمکی کو ضمانت پر چھوٹ جانے کی مبارکباد دے رہا تھا۔ گنگو پنواڑی نے اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ''بس تو ایک بار حکم کردے چمکی۔ اگر میں اس حرامی سیٹھ کیدار ناتھ کی انتڑیاں باہر نہ کھینچ لوں تو نام بدل دینا۔ پھر نہ رہے گا بانس' نہ بجے گی بنسریا۔''

''گنگو ٹھیک کہتا ہے چمکی۔'' رام اوتار نے تائید کی۔ ''ہمارے ہوتے ہوئے تجھے کسی بات کی کوئی چنتا نہیں کرنی چاہئے۔''

''وہ تو یوں کہو کہ اپنی چمکی کو اس سیٹھ پر دیا آ گئی۔'' کپور نے ایک گندی سی گالی چٹخاتے ہوئے کہا۔ ''اگر سچ بات اگل دیتی تو بھری عدالت میں ناک کٹ جاتی اس کی۔ بڑا شریف ساہوکار بنا پھرتا ہے۔''

''میری مان چمکی' تو اب لالہ اونکار ناتھ کی کھولی چھوڑ کر میری کٹیا میں ڈیرا ڈال لے۔'' رامو تیلی نے پیش کش کی۔ ''تیرا اس کھولی میں رہنا اب ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو نے بھی بھلی کہی رامو'' چھمن چھاتی ٹھونک کر بولا۔ ''میری زندگی میں مجال ہے کسی کی جو چمکی کو میلی نظروں سے دیکھے۔ سالے کی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر چیر دوں گا۔''

''ایسا گجب بھی نہ کرنا چھمن بھیا'' جیون ناتھ بول پڑا۔ ''پورے چودہ سال کیلئے اندر ہو جاؤ گے۔''

''ارے جا جا! بڑا آیا سزا کرانے والا۔'' چھمن نے پھر چمکی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے نمبر بڑھانے کی خاطر چھاتی تان کر کہا۔ ''اور اگر چمکی کی خاطر سزا بھی ہو گئی تو میں دم دبا کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ دو بار پہلے بھی جیل یاترا کر چکا ہوں۔ تیسری بار چمکی کی خاطر سہی۔''

''ایک بات میری بھی دھیان سے سن لے چمکی۔'' سندر نرائن بولا۔ ''اپنا مقدمہ لڑنے کی خاطر کوئی اچھا سا وکیل پکڑ لے۔ جتنا بھی خرچ ہو گا' میں دوں گا۔''

''ہٹ پرے کو!'' چھمن نے سندر نرائن کو دھکا دیتے ہوئے غرا کر کہا۔ ''بڑا آیا خرچہ برداشت کرنے والا۔ رہی وکیل والی بات تو میں شرما کے مقابلے پر وکیل کے بجائے کوئی بیرسٹر کھڑا کر دوں گا۔''

سندر نرائن نے چپ سادھ لی۔ چھمن جیسے بدمعاش سے ٹکر لینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

''ایک بات اپنے پلے نہیں پڑی۔'' جیون نے دیدے نچاتے ہوئے کہا۔ ''آخر اس مُردار کیدار ناتھ کو بڑھاپے...... میں سوجھی کیا تھی جو اس نے اپنی چمکی پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کر ڈالی۔''

''اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔'' نتھو جولاہے نے خوامخواہ درمیان میں ٹانگ پھنسانے کی غلطی کر ڈالی۔ ''سیٹھ بوڑھا ضرور ہے لیکن اس کی رگوں میں ابھی تک جوانی کا تھوڑا بہت خون بھی ضرور موجود ہوگا ورنہ......''

''تیری نئی نویلی پتنی روزانہ بن سنور کر اس کے گھر برتن باسن کرنے کیوں جاتی!''، لچھمن نے برجستہ لہرا کر کہا تو پوری گیلری قہقہوں سے گونج اٹھی۔ نتھو خاموشی سے دم دبا کر پھوٹ لیا۔

ہر شخص اپنی اپنی بولی بول رہا تھا' لیکن چمکی ان تمام باتوں سے بے نیاز ہجوم میں گردھاری کو تلاش کر رہی تھی جو کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

❀❀❀

چمکی کو سروپ نگر میں آئے صرف ڈیڑھ ماہ گزرے تھے' لیکن اس مختصر مدت میں اس کے ہزاروں چاہنے والے پیدا ہو گئے تھے۔

تعداد تو اس وقت بھی کچھ کم نہیں تھی' جب اس نے ٹرین سے اتر کر پہلا قدم سٹیشن پر رکھا تھا' لیکن اس وقت جہاندیدہ لوگوں کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ چمکی تنہا ہے یا اس کے ساتھ کوئی مرد بھی ہے جو ایک ذرا سی بہکی نظر دیکھ کر اپنے رقیب کو روئی کی طرح دھن کر رکھ دے گا۔ پھر جیسے جیسے انہیں اس بات کا علم ہوا کہ چمکی کا اس دنیا میں سوائے اوپر والے کے کوئی نہیں ہے' چمکی کا قرب حاصل کرنے کے خواہش مندوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ ہر شخص اسے اپنی جاگیر سمجھ کر قبضہ جمانے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔

سروپ نگر میں قدم جمانے کی خاطر چمکی کو سب سے پہلے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں وہ سکون سے رہ سکے۔ اس تجارتی شہر میں مکان کا ذکر تو دور کی بات تھی' کسی گندی اور ٹوٹی پھوٹی کھولی کا ملنا بھی بغیر سفارش یا پگڑی کے ناممکن تھا' مگر چمکی کو پہلے دن ہی ایک صاف ستھری کھولی مل گئی۔ اسے کسی سفارش یا پگڑی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ شاید اس کا رنگ روپ اور لشکارے مارتی ہوئی جوانی ہی سب سے بڑی سفارش تھی' جس کے حصول کیلئے سر کی اونچی اونچی پگڑیاں بھی قدموں میں ڈھیر کر دی جاتی ہیں۔ چمکی کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو گیا۔

سٹیشن سے باہر نکل کر وہ خاصی دیر تک کشادہ سڑکوں اور پر رونق بازاروں میں چکراتی پھری' لیکن کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس کے سامنے وہ اپنا مقصد بیان کرتی۔ ویسے تو کئی گھاگ قسم کے لوگوں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے کہنی مار کر اسے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ کچھ من چلوں نے دور دور سے ہی مخصوص انداز میں اسے رام کرنے کی کوشش کی تھی۔ سڑک پار کرتے ہوئے دو تین چمچماتی گاڑیاں بھی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے مدھم پڑ گئی تھیں۔ آوارہ فقرے اس کے کانوں سے ٹکرائے تھے' لیکن چمکی نے کسی کو گھاس ڈالنے کی غلطی نہیں کی' پھر جب دن ڈھلنے لگا تو وہ ہمت کر کے ایک بوڑھے راہ گیر سے پوچھ ہی بیٹھی۔

''بابا جی! کیا آپ میری کچھ سہائتا کر سکتے ہیں؟''

''رام رام!'' بوڑھے نے اس کی سرکش جوانی کے تیکھے نقوش دیکھ کر پہلے کانوں کو ہاتھ لگایا' پھر خفگی سے کہا۔ ''مورکھ' ہاتھ پھیلانا ہے تو پھر بھگوان سے مانگ۔ بھلا منش کے پاس وہ شکتی کہاں جو وہ کسی کو......''

''میں بھکارن نہیں ہوں بابا جی۔'' چمکی بوڑھے کی بات کاٹ کر بولی۔ ''سر چھپانے کے کارن کسی کھولی کی تلاش میں کب سے بھٹکتی پھر رہی ہوں۔''

''اور کون کون ہے تیرے ساتھ؟'' بھگوان کی بات کرنے والے نے چمکی کو نظر بھر کر سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اکیلی ہوں بابا۔ کوئی دوسرا ساتھ ہوتا تو پھر رونا کس بات کا تھا۔''

''تیرے پاس کچھ نقد نرائن بھی ہے پگڑی دینے کیلئے؟''

چمکی نے جواب دینے کے بجائے نیفے میں اڑسی ہوئی اپنی کل جمع پونجی نکال کر بابا جی کے حوالے کر دی۔

''کیول اکیس روپے؟'' بابا جی نے مڑے تڑے اور داغ دھبے لگے نوٹ چمکی کو واپس کرتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا۔ ''میں تجھے دور سے اونکار ناتھ مہاجن کی دکان دکھا سکتا ہوں۔ پر سوچ لے' وہ بھلا مانس نہیں ہے۔ جو فیصلہ کرنا' سوچ سمجھ کر کرنا۔''

چمکی نے بابا جی کی بات سمجھنے کے باوجود ہامی بھر لی۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر رات کا اندھیرا پھیل گیا اور مکان نہ ملا تو وہ رات کی تاریکی میں سڑکوں پر منڈلاتے ان بھوکے بھیڑیوں سے خود کو کیسے بچائے گی۔ ان ہی انسان نما بھیڑیوں سے خود کو بچانے کی خاطر تو وہ اپنا پرانا شہر چھوڑ کر

سروپ نگر آئی تھی۔

چمکی خاموشی سے سر جھکائے باباجی کے پیچھے پیچھے قدم اٹھاتی رہی۔ ایک اوسط درجے کے علاقے میں پہنچ کر باباجی نے دور سے ہی لالہ اونکار مہاجن کی دکان دکھائی' پھر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ چمکی سے دور کھڑے کھڑے لالہ اونکار ناتھ کا جائزہ لیا جو کسی گاہک کی غیر موجودگی میں اپنے گلے پر بیٹھا گدی کی پشت سے ٹیک لگائے اپنی تھل تھل کرتی بے ہنگم توند پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی ضرور تھیں مگر پچکی ہوئی ناک نے اس کے چہرے کی ہیئت کو بالکل ہی بدل دیا تھا۔ لالہ کی عمر بھی چمکی کے اندازے کے مطابق ساٹھ سال کے کچھ اوپر ہوگی۔ گھٹی ہوئی چندیا پر دھرم کی نشانی ایک چٹیا ضرور تھی' جو بل کھاتی ہوئی پشت پر گردن تک چلی گئی تھی۔ لالہ جی کے ہاتھ پیروں میں بھی چمکی کو اپنے مقابلے میں اتنی جان نظر نہیں آئی جو اسے کسی نازک موقع پر آسانی سے پچھاڑ سکے۔

چمکی کچھ دیر دور کھڑی لالہ اونکار ناتھ کو اپنی تجربہ کار نظروں سے تولتی رہی' پھر قدم بڑھاتی دکان پر پہنچ کر رک گئی۔ ڈرتے ڈرتے دبی زبان میں بولی۔ ''مہاراج! کچھ مدد کرو گے؟''

چل بھاگ یہاں سے' کنجری کہیں کی! جانے کہاں منہ اٹھائے چلی آ......'' لالہ جی نے چمکی کو بھی بغیر دیکھے کوئی بھکارن سمجھ کر لتاڑنے کی کوشش کی تھی' لیکن جب انہوں نے نظر گھما کر اسے ایک نظر دیکھا تو ان کی گندی زبان پر جیسے تالا پڑ گیا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑے وہ چمکی کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ کوئی اپسرا تھی جو آکاش سے اتر کر اس کی نظروں کے سامنے آگئی تھی' جسے ہر قیمت پر ڈنڈوت کرنا اور سوئیکار کرنا ان کا دھرم تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے چمکی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کھلی آنکھوں سے کوئی سندر سپنا دیکھ رہا ہو۔

چمکی کے مدھ بھرے نین' کڑی کمان جیسی بھویں' چٹخے انار کے دانوں کی طرح سرخ اور بھرے بھرے گال' ستواں ناک' گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک نازک ہونٹ' گٹھا ہوا گدرایا گدرایا سندر شریر اور ناگن کی طرح بل کھاتے ہوئے سیاہ چمکدار بال' بوٹا سا قد' دیکھنے کا معصوم اور بھولا پن' دل موہ لینے والا انداز...... اور بھی بہت کچھ جو ایک نظر میں نہیں سما سکتا تھا۔

''تو...... تو کون ہے؟'' لالہ اونکار ناتھ نے لہجہ بدل کر بڑی لگاوٹ سے کہا۔ ''اس علاقے میں نئی لگتی ہے۔ بول' کیا چاہئے تجھے؟''

سر چھپانے کیلئے تھوڑی سی جگہ۔ پرنتو......'' چمکی نے سہمے ہوئے انداز میں رک رک کر

کہا۔ ''میرے پاس پگڑی دینے کیلئے......''

''نام کیا ہے تیرا؟'' لالہ جی نے چمکی کی بات کاٹ کر مدھم آواز میں سوال کیا۔

''چمکی!''

''تیری طرح تیرا نام بھی سندر ہے۔'' لالہ جی نے پیش قدمی کی۔ ''کٹار ہوتا تو زیادہ بجتا تیرے اوپر۔''

''میں نے سر چھپانے کیلئے کسی چھوٹی موٹی کھولی کی بنتی کی تھی؟'' چمکی نے دل پر جبر کر کے جواب دیا۔

''اکیلی ہے یا......'' لالہ جی نے ادھر ادھر دیکھ کر رازداری سے سوال کیا۔

''کوئی اور ہوتا تو پھر رونا کس بات کا تھا۔''

''روئیں تیرے دشمن'' لالہ جی نے بڑے دیالو انداز میں زیرلب مسکرا کر کہا۔ ''پگلی کہیں کی۔ جب تو اپنے پیروں سے چل کر لالہ اونکار ناتھ کی دکان تک آ گئی تو پھر اب چنتا کس بات کی ہے؟ بس یہ سمجھ لے کہ تیرے سارے دلدّر دور ہو گئے۔''

''سچ مہاراج؟'' چمکی کی نگاہوں میں امید کی کرن جاگ اٹھی۔

''سولہ آنے سچ! پرنتو تجھے میری شرط بھی ماننی پڑے گی۔''

''وہ کیا؟'' چمکی کے سینے میں پھر دھک دھک شروع ہو گئی۔

''تو کسی کو یہ نہیں بتائے گی کہ تو اکیلی ہے۔'' لالہ اپنی گدی سے کھسک کر چمکی کے کچھ اور قریب ہو کر بولا۔ ''سب سے یہی کہنا کہ تیرا مرد تجھے کھولی دلا کر کسی کام سے دوسرے شہر گیا ہے۔ کچھ مہینوں میں واپس آ جائے گا۔''

''لیکن......''

''سمجھا کر مورکھ'' لالہ نے پھر دائیں بائیں دیکھ کر سرسراتے انداز میں کہا۔ اس علاقے کے لوگ ایک نمبر کے حرامی ہیں۔ اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں نے بغیر کسی بھاڑے اور پگڑی کے تجھے کھولی دی ہے تو سارے محلے میں کتوں کی طرح بھونکتے پھریں گے۔ میرے علاوہ تیری زندگی بھی اجیرن کر دیں گے۔''

چمکی لالہ کی باتیں سن کر من ہی من میں مسکرا دی۔ کچھ دیر پہلے جب بوڑھے بابا نے دبی

ہوں گے تب لالہ جیسے کمینے اور بدذات پاپی نے جنم لیا ہوگا۔

''کیا سوچ رہی ہے چمکی؟'' لالہ جی نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ ایک لمحے کو انہیں اس بات کا کھٹکا ہوا تھا کہ چڑیا جال میں آتے آتے کہیں پھُر نہ ہو جائے۔

''میں نے تمہاری بات کو گانٹھ لگالی ہے۔'' چمکی نے لالہ کو رجھانے کی خاطر مسکرا کر چپکے سے جواب دیا۔ ''تم جیسا کہو گے میں ویسا ہی کروں گی مہاراج۔''

''پھر وہی مہاراج'' اونکار ناتھ کسی بچے کی طرح ٹھنک کر بولا۔ ''خالی اونکار ناتھ کہا کر۔ بھلا لگے گا تیرے منہ سے۔''

چمکی نے مسکرا کر گردن ہلائی تو لالہ اونکار کی باچھیں بھی کھل گئیں۔ اس نے چمکی کو دکان سے دور گلی کے نکڑ پر انتظار کرنے کو کہا، پھر خلاف معمول وقت سے پہلے ہی دکان بند کرنے کی خاطر سامان سمیٹنے میں جلدی جلدی مصروف ہو گیا۔

جب تک چمکی کو آبادی سے تھوڑے فاصلے پر ایک صاف ستھری کھولی رہنے کو نہیں ملی۔ اس کا دل بے چین ہی رہا۔ کھولی کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ لالہ اونکار ناتھ نے بھی اس کے ساتھ دیا نہیں کی تھی۔ وہ بوٹی دے کر پورا بکرا ہڑپ کرنے کا سپنا ضرور دیکھ رہا ہوگا، لیکن چمکی نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اس نے بھی اسی سنسار کے پاپی لوگوں کے بیچ بچپن سے لے کر جوانی تک سفر طے کیا تھا، لیکن پاپ کی کمائی کھانے سے ہمیشہ دور ہی رہی تھی۔ کھلونے بیچ کر اپنا پیٹ ضرور بھرتی تھی، مگر اس نے خود کو کبھی کھلونا نہیں بننے دیا تھا۔ دھرتی پر پاپ اور پن کا جو ناٹک کھیلا جا رہا تھا وہ بھی اس کا ایک حصہ تھی، لیکن جانے کیوں اس نے پاپ کے راستوں پر قدم آگے بڑھانے کے بارے میں کبھی بھول کر بھی کوئی دھیان من میں نہیں آنے دیا تھا۔

''اب تو آرام کر چمکی، میں چلتا ہوں۔'' اونکار ناتھ نے کھولی دینے کے بعد اپنا حق سمجھ کر بڑے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو دکان پر آ جانا۔ میں بھی موقع دیکھ کر تیری خیریت معلوم کرنے کیلئے کبھی کبھار چکر لگاتا رہوں گا۔''

''تم نے مجھ پر جو اپکار کیا ہے وہ میں سارا جیون یاد رکھوں گی۔'' چمکی نے بڑے خلوص سے جواب دیا تو لالہ اونکار نے اس کے کچھ اور قریب آ کر اپنے غلیظ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے

بڑی صاف گوئی سے اپنا مطلب بھی بیان کر دیا۔

"تالی ایک ہاتھ سے نہیں، دونوں ہاتھوں کے ملنے سے بجتی ہے۔ آج میں نے تیرا ساتھ دیا ہے تو کل تو بھی مجھے نراش نہیں کرے گی۔"

چمکی نے اسے مسکرا کر ٹالنے کی کوشش کی تو اونکار ناتھ نے اسی وقت گھیرنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔ "آج سویرے ہی کی بات ہے جب میرا ایک متر اپنی رکھیل کیلئے یہ کھولی حاصل کرنے کیلئے مجھے پورے دو ہزار دینے کے بجائے پندرہ سو کی بات کر رہا تھا اور مجھے پانچ سو کا گھاٹا منظور نہیں تھا۔"

"پھر؟" چمکی نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تم نے اپنے پرانے متر کو بھی ٹکا سا جواب دے کر ٹال دیا؟"

"اور کیا کرتا؟" اونکار ناتھ نے بڑی ڈھٹائی اور صاف گوئی سے کہا۔ "وہ اپنی دھرم پتنی کو نہیں، ایک رکھیل کو دنیا والوں کی نظروں سے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے پانچ سو کا گھاٹا سہنے کے بدلے رکھیل میں بھاگی داری کی بھی بات کی تھی۔ پرنتو جب اس نے انکار کیا تو میں نے بھی ہری جھنڈی دکھا دی۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ چوری چھپے اکیلا انگیٹھی کے قریب بیٹھا ہاتھ سینکتا رہے اور میں دور بیٹھا ٹاپتا رہتا۔ کاروبار کا تو ایک ہی اصول ہے میری بھولی رانی...... اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے۔"

اونکار ناتھ اسے اپنی زبان میں کاروبار کی اونچ نیچ سمجھا کر چلا گیا تو چمکی نے اپنا مختصر سا سامان جو ایک گٹھری کی صورت میں اس کے ساتھ تھا، بڑی بے پروائی سے ایک کونے میں رکھا پھر کچی زمین پر ہی ٹانگیں پسار کر لیٹ گئی۔ اس کے تھکے ہوئے ذہن میں کچھ دیر لالہ اونکار ناتھ کی لچھے دار باتیں گونجتی رہیں، پھر وہ گہری نیند کی آغوش میں اتنا بے سدھ ہو کر سوئی کہ باہر گلی میں بھونکتے ہوئے آوارہ کتے بھی اس کی نیند میں کوئی خلل نہیں ڈال سکے۔

اگلی صبح چمکی حسبِ معمول ٹھیک وقت پر اٹھی۔ دوسری ضرورتوں سے فارغ ہوئی تو اسے پیٹ پوجا ستانے لگی۔ ابھی کھولی میں پکانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اس کے پاس پورے اکیس روپے تھے۔ ان روپوں میں تنگی ترشی سے وہ ایک ہفتہ بآسانی گزار سکتی تھی اور کاروبار شروع کرنے کیلئے بچوں کے چھوٹے موٹے کھلونے بھی خرید سکتی تھی۔

چمکی نے کھولی سے باہر آ کر کنڈی لگانے کیلئے ہاتھ اٹھایا، پھر خود ہی اپنے آپ پر ہنسنے لگی۔

اس کے پاس سوائے ایک جوانی کے اور کوئی دوسرا قیمتی مال کہاں تھا جس کے چوری ہو جانے کا خطرہ ہوتا۔ خود اپنے ہی خیالوں پر مسکراتی وہ دو چار گلیوں سے گزر سڑک پر آئی تو سامنے ہی ایک نکڑ پر حلوائی کی دکان نظر آئی جہاں تازہ تلی جانے والی گرم گرم پوریاں دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ اس نے چار پوریاں خریدیں...... ساتھ آلو کی گرما گرم بھاجی کے علاوہ سوجی کا تھوڑا سا حلوہ بھی تھا۔ فٹ پاتھ پر کرسی اور میزوں پر اور بھی لوگ بیٹھے ناشتہ کررہے تھے۔ چمکی اپنی پلیٹ لے کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی' لیکن وہ محسوس کر رہی تھی قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظریں بار بار اسی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی' پھر قریب قریب کی میزوں سے ابھرنے والی کھسر پھسر کی آوازیں بھی اس کے کانوں تک پہنچنے لگیں۔

''کوئی نئی پنچھی معلوم ہوتی ہے۔ آج پہلی بار نظر آئی ہے۔''

''پر چیز ہے بڑی زوردار!''

''کسی بنگلے کے سرونٹ کوارٹر میں رہتی ہوگی اور......''

''وہاں کے ملازم موج اڑاتے ہوں گے۔'' دوسرے آدمی نے پہلے کی بات کاٹ کر کہا تو کئی ملے جلے قہقہے کھنک اٹھے۔ چمکی برداشت کرتی رہی۔

تیور تو دیکھو سالی کے!'' ایک نئی آواز ابھری۔ ''کیسے ٹھسے سے بیٹھی ہے۔''

''سب اوپر والے کی دین ہے۔'' کسی نے آہ بھر کر جملہ کسا' جسے دیتا ہے' چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔''

''اور دیتا بھی اتنا ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ ذرا دھیان سے دیکھو اس نے بھی چھپانے کیلئے لاکھ جتن کئے ہوں گے لیکن بہت کچھ ابلا پڑ رہا ہے۔''

''ہم سے اچھی قسمت تو سالے اس درزی کی ہوگی' جو بہانے کر کے بار بار اس سندر شریر کا ناپ لیتا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ میں کچھ کچھ جانتا ہوں اس چکوری کے بارے میں'' کسی نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا جانتا ہے؟ کچھ ہمیں بھی تو بتا۔'' دو تین آوازیں ملتی جلتی ابھریں۔

''میں نے کل رات اسے لالہ اونکار کے ساتھ کھولیوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔''

''جبھی اس نے اپنی دکان بھی سمے سے پہلے بند کر دی تھی۔'' ایک نے دور کی کوڑی لانے کی

کوشش کی۔

''اپنے اپنے بھاگ (قسمت) کی بات ہے یارو۔'' کوئی بڑی حسرت سے بولا۔'' کہاں وہ بڈھا کھوسٹ اور کہاں یہ جل پری۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ سمجھو کہ لالہ اونکار کی لاٹری نکل آئی۔''

''ہوسکتا ہے کہ لالہ نے اس سندری کو بھی کوئی کھولی مفت میں دان کر دی ہو۔''

''مفت کی بھی بھلی کہی تو نے!'' کسی دوسرے نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔'' اس نے سب سے پہلے تو کرایہ وصول کیا ہوگا۔ بیاج ہفتے کے ہفتے وصول کرتا رہے گا۔''

چمکی نے کھاتے کھاتے اپنا ہاتھ روک لیا۔ بپھرے ہوئے انداز میں اپنے اجلے شریر پر گند اچھالنے والوں کو غصیلی نظروں سے دیکھا۔ دل تو چاہا تھا کہ اٹھ کر باتیں بنانے والوں کی تھوڑی بہت مزاج پرسی کرے لیکن ابھی وہ سروپ نگر میں نئی نئی آئی تھی، اس لئے خون کا گھونٹ پی کر دوبارہ ناشتہ کرنے لگی۔

''بچ کے رہنا یارو...... ناگن ہے ناگن۔ نظروں میں کٹار چھپا رکھی ہے۔''

''ایسی بھی کسی ناری سے کیا ڈرنا؟'' ایک چبھتی ہوئی آواز اور ابھری۔'' مجھے تو بغیر میٹر کے ٹیکسی لگتی ہے۔''

چمکی کے کانوں میں سیٹیاں بجنے لگیں۔ اس کے خون میں ایک دم ابال آیا تو پوری بھاجی کی پلیٹ ایک طرف پھینک کر اٹھی، پھر بجلی کی طرح لپک کر اس آدمی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا جس نے اسے اپنی زبان میں دھندا کرنے والی ظاہر کیا تھا۔

''دھندا کرتی ہوگی تیری ماں، تیری بہن، تیری لگائی...... حرامی کہیں کا!'' چمکی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرجنے لگی۔'' ذرا اب تو اپنی زبان ہلا کر دیکھ۔ اگر تیرا سارا کھایا پیا ناک سے نہ نکال دوں تو چمکی نہ کہنا۔''

معاملہ دست و گریبان تک پہنچا تو حلوائی کی دکان کے ملازموں کے علاوہ کچھ راہ چلتے لوگ بھی بیچ بچاؤ کرانے جمع ہو گئے۔ چمکی نے جس کا گریبان تھام رکھا تھا وہ بھی تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے ساتھ ہاں میں ہاں ملانے والے پہلے ہی ایک ایک کر کے کھسک لئے تھے۔

''بس، اتنی ہی مردانگی تھی، تیرے اندر جو کتوں کی طرح بھونک رہا تھا۔'' چمکی نے اسے ایک اور جھٹکا دے کر کہا۔'' اتنی جلدی خون خشک ہو گیا تیرا۔ تھو ہے تیری مردانگی پر...... سؤر کا جنا!''

اس واقعے کے بعد لوگوں کو نہ صرف اس کا نا معلوم ہو گیا تھا بلکہ وہ یہ بھی سوچنے لگے تھے کہ گھی ٹیڑھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔ اس لئے قرب و جوار میں بسنے والے چمکی کے قریب آنے کی خاطر اس کی حمایت میں بولنے لگے۔ چمکی سمجھ رہی تھی کہ اس کی حمایت میں بولنے والے اس سے کیا چاہتے تھے؟ ان کی میٹھی میٹھی باتوں کے اندر جس زہر کی آمیزش تھی وہ چمکی سے پوشیدہ نہیں تھی، لیکن وہ اس بات سے خوش تھی کہ اب اس کے پاس پڑوس میں رہنے والوں کا انداز بدل چکا تھا۔ خود وہ بھی دریا میں رہ کر مگرمچھوں سے بیر نہیں چاہتی تھی، اس لئے سب کو ایک ہی چھڑی سے ہنکاتی رہی۔ سب اپنی اپنی کامیابی کے خوابوں میں مگن چمکی کے اشاروں پر ناچنے لگے۔ ان میں رام اوتار، گنگو پنواڑی، کپور، جیون ناتھ، سندر نرائن، چٹرجی، نتھو جولاہا اور رامو تیلی کے علاوہ لالہ اونکار ناتھ بھی شامل تھا، جس کی حقیقت چمکی پر آہستہ آہستہ کھلنے لگی تھی۔ اب وہ کسی بھیڑیے کی طرح ہر وقت دانت تیز کئے، چمکی کے جسم کو بھنبوڑ ڈالنے کے سپنے دیکھتا رہتا تھا۔ اور سب بھی جیسے ادھار کھائے بیٹھے تھے، لیکن پھمن کی وجہ سے کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھ کر چمکی کا ہاتھ تھام سکے۔

پھمن علاقے کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا، جو ایک دو بار جیل کی ہوا بھی کھا آیا تھا۔ سب ہی اس کی ''اگاڑی پچھاڑی'' سے ڈرتے تھے، لیکن چمکی نے اپنی بھولی بھالی معصوم اداؤں سے اسے بھی اپنا بے دام کا غلام بنا لیا تھا۔ وہ جس ماحول اور سماج کے بیچ سانس لے رہی تھی، اس میں ہر طرف گند ہی گند تھا۔ اسی گند کو پھلانگنے کے کارن تو وہ اپنا سب کچھ پیچھے چھوڑ کر سروپ نگر میں پناہ لینے آئی تھی، لیکن یہاں بھی ان ہی گندے جرثوموں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ وہ کہاں کہاں بھاگی بھاگی پھرتی؟ حالات کا تقاضا اب یہی تھا کہ وہ اسی گھٹے گھٹے ماحول میں اپنی جگہ بنا لے اور آزادی سے سانس لینے کا کوئی راستہ اختیار کرے۔ چمکی نے ایسا ہی کیا تو سب اس کے گن گانے لگے۔ یہ اور بات ہے کہ سب کے من میں پاپ ہی پاپ بھرا تھا......!

❁❁❁

چمکی نے چڑیا گھر میں قدم رکھا تو وہاں بھی بے شمار بھوکی نظریں اس کے سندر شریر میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگیں۔ چمکی کیلئے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات بھی نہیں تھی، جب سے اس نے ہوش سنبھال کر جوانی کی دہلیز پر پہلا قدم رکھا تب ہی سے بھانت بھانت کی بولیاں اس کے کانوں میں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ پہلے وہ ان باتوں سے بھٹی میں تپتے لوہے کے انوسار سرخ ہو جاتی تھی۔

اس کا من کرتا تھا ان لوگوں کا تیاپانچا کر کے ان کا خون پی جائے' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ ان باتوں کو برداشت کرنے کی عادی ہوگئی۔ اب وہ گلی میں بھونکنے والے کتوں کی پروا کئے بغیر بھی انکے بیچ سے گزر جاتی تھی۔ ان کے بھونکنے کا کوئی نوٹس نہیں لیتی تھی۔

دو تین میل کا لمبا سفر پیدل طے کرنے کے بعد وہ چڑیا گھر تک گردھاری سے صرف یہ پوچھنے آئی تھی کہ اس نے اس کی ضمانت لینے کی بھول کیوں کی؟ قانون کے منہ سے اس کا شکار چھین لینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ وہ گردھاری کو یہی سمجھانے آئی تھی کہ اگلی پیشی پر وہ اس کی ضمانت منسوخ کرادے' اس لئے کہ سیٹھ کیدار ناتھ کے مقابلے پر گردھاری کی حیثیت راستے کے اس پتھر سے زیادہ نہیں تھی جسے جب چاہے ٹھوکر مار کر ہٹایا جاسکتا تھا۔ ضمانت اور ٹکراؤ کا سوال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں برابر کی چوٹ ہو' ایک بلوان کی ٹکر کسی دوسرے بلوان سے ہو۔ چمکی کا معاملہ تو اس کے برعکس تھا۔ دولت کیدار ناتھ کے گھر کی لونڈی تھی اور دولت ہی دھرتی کی وہ سب سے بڑی شکتی ہے جس سے دنیا کی ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ اسی دولت کی خاطر تو منش اپنا دھرم اور ایمان بھی بیچ دیتا ہے۔

چمکی کو چڑیا گھر تک آنے کا ایک اور فائدہ بھی ہوا' جس نے اس کے راستے کی تمام تھکن دور کردی تھی۔ پندرہ بیس منٹ کے اندر اس نے بہت سستے خریدے ہوئے کھلونے منہ مانگی قیمت پر فروخت کردیئے تھے۔ یہ کھلونے بچوں سے زیادہ جوان لوگوں نے خریدے تھے جو چمکی کو قریب سے دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک دو نے تو ایسے فقرے بھی چست کئے تھے کہ چمکی کا دماغ گھومتے گھومتے رہ گیا۔

''اس گجریا کی کیا قیمت لے گی؟'' ایک منچلے نے ہاتھ سے کپڑے کی بنی ہوئی معمولی گڑیا کی طرف اشارہ کیا' لیکن اس کی بھوکی نظریں کسی گدھ کی طرح چمکی کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

''دو روپیا'' چمکی نے نوجوان کے گھورنے پر ٹیکس لگا کر دگنی قیمت بتائی پھر ساتھ ہی بانس کے اوپر بنے ہوئے چوکور خانوں میں لگی کیل سے گڑیا اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔

گڑیا پکڑنے کے بہانے نوجوان نے چمکی کا ہاتھ بھی تھام لیا' پھر فوراً ہی جیب سے دس کا کرارا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میرے پاس نوٹ کا کھلا نہیں ہے۔'' چمکی نے بڑی معصومیت سے جھوٹ بولا۔

نوجوان نے آہستہ سے کہا۔ ''پورا نوٹ ہی رکھ لے۔ میں بھی اسی نگر کا باسی ہوں کبھی موقع ملا تو حساب چکتا کرلوں گا۔''

چمکی نے نوٹ جلدی سے چولی کے اندر اڑس لیا۔ مسکرا کر اس نے نوجوان کو دیکھا پھر دل میں ایک گندی سی گالی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ اس طرح اس نے گردھاری کے ایک کمرے کے کوارٹر تک پہنچتے پہنچتے دس اور پانچ پانچ کے اتنے نوٹ چولی اور نیفے میں اڑسے تھے کہ اس کا صحیح حساب لگانا بھی اس کیلئے مشکل تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ مہینے میں چڑیا گھر کے ایک دو چکر ضرور لگا لیا کرے گی، جہاں ایک مصنوعی مسکراہٹ کا مول بھی کھلونے کی اصل قیمت سے آٹھ دس گنا زیادہ ہی مل گیا تھا۔ اس کے من کے اندر خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے، لیکن جب اس نے گردھاری کے کوارٹر کے باہر لگی کنڈی پر تالا لٹکتا دیکھا تو نہ جانے کیوں اس کا جی اداس ہو گیا۔ کچھ دیر کھڑی وہ تالے کو گھورتی رہی، پھر واپسی کے ارادے سے پلٹی تو دو قدم کے فاصلے پر گردھاری کو کھڑا دیکھ کر اس کا من دھک دھک کرنے لگا۔

''ادھر کیسے آنا ہوا تیرا؟'' گردھاری نے چمکی کو دیکھ کر کسی خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''ایسے ہی'' چمکی نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''بس، تجھ سے ملنے کیلئے آئی تھی۔''

''سب خیریت تو ہے؟'' گردھاری فکرمند سا ہونے لگا۔ ''مجھ سے کیا کام پڑ گیا تھا تجھے؟''

''کیا کھڑے ہی کھڑے بات کرے گا؟'' چمکی نے جھلا کر کہا تو گردھاری سنبھل کر ہری ہری گھاس پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ چمکی گردھاری کی معصومیت پر مسکرائی، پھر کھلونے کا بانس گردھاری کے کوارٹر کی دیوار سے ٹکا کر خود بھی گردھاری کے قریب آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ سرونٹ کوارٹر کا وہ حصہ چڑیا گھر سے الگ تھلگ ایک کونے میں تھا، اس لئے ادھر دوسرے لوگ نہیں آتے تھے۔

''اب بول'' گردھاری نے چمکی کو مخاطب کیا۔ ''کس کارن آئی ہے؟''

جواب میں چمکی نے اسے نظر بھر کر غور سے دیکھا۔ وہ ایک سیدھا سادہ معصوم انسان تھا اور اس کی عمر بھی چمکی سے کم از کم پندرہ سال زیادہ ہو گی۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ رکھ رکھاؤ کی وجہ سے یا تو زیادہ عمر کا لگتا تھا یا پھر کوئی روگ ضرور تھا، جو اسے اندر اندر ہی کھائے جا رہا تھا۔

''ایسے کیا ٹکر ٹکر دیکھ رہی ہے مجھے'' گردھاری نے بدستور خشک لہجہ اختیار کیا۔ ''میں اس سمے بھی ڈیوٹی پر ہوں اس لئے......''

''اگر کسی نے تجھے ایک جوان اور سندر چھوکری کے ساتھ ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر میٹھی باتیں کرتے دیکھ لیا تو تیری نوکری چلی جائے گی...... یہی سوچ رہا ہے نا؟'' چمکی نے گردھاری کو شوخ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''فضول کی باتیں مت کر'' گردھاری نے گھرک کر کہا۔ ''سیدھی سیدھی بات کر۔''

چمکی یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔ گردھاری کا مقام اس کی نظروں میں اور بڑھ گیا۔ گردھاری کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سب سے پہلے وہ کوارٹر کا تالا کھول کر اسے اندر لے جاتا' مال پانی کھلا کر اس کی آؤ بھگت کرتا اور پھر...... پھر کچھ بھی ہوسکتا تھا۔

''میں تجھ سے صرف ایک بات پوچھنے آئی ہوں'' چمکی نے اس کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''تو نے میری ضمانت کیوں لی تھی؟ کیا لگتا ہے تو میرا؟''

''کیوں! کیا تجھے میرا ضمانت لینا اچھا نہیں لگا؟'' گردھاری نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''ایک دوسرے کے کام آنا تو بڑے دھرم کی بات ہے۔''

'دھرم کرم کی بات چھوڑ'' چمکی نے مٹھی میں دبی گھاس نوچ کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا ''کیا تو نہیں جانتا کہ تو نے سیٹھ کیدار ناتھ کے مقابلے پر بھری عدالت میں سامنے آ کر مفت کا جھگڑا مول لے لیا۔''

''تجھے کس بات کا ڈر ستا رہا ہے؟''

''میری چھوڑ' اپنی بات کر۔'' چمکی نے تیزی سے کہا۔ ''میری مان تو اگلی پیشی پر اپنی ضمانت ختم کرادے۔''

''اور تجھے جیل جانے دوں۔'' گردھاری جھلا گیا۔

''میرے باہر رہنے سے بھی تجھے کون سے لڈو پیڑے مل رہے ہیں؟'' چمکی نے بھی چمک کر سوال کیا تو گردھاری گڑبڑا سا گیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر مدھم آواز میں بولا۔

''پگلی...... اگر ایک غریب دوسرے غریب کے آڑے وقت میں کام نہ آیا تو پھر دھنوان قسم کے لوگ ہمارا سانس لینا بھی اجیرن کر دیں گے۔ اتنی سامنے کی بات تیری موٹی عقل میں کیوں نہیں آتی۔''

چمکی نے ایک بار پھر گردھاری کو اپنی تجربہ کار نظروں سے گھورا' لیکن وہ کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکی۔ یا تو گردھاری سچ مچ سیدھا سادہ اور اجلے من کا مالک تھا یا پھر وہ پرانا پاپی تھا' جو اپنے

کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کو دور تک ڈھیل دیتے ہیں' پھر جب مچھلی کا زور ٹوٹ جاتا ہے تو اسے بے بس کر کے پوری طرح جال میں جکڑ لیتے ہیں۔

''اب کس وچار میں گم ہوگئی؟'' گردھاری نے پوچھا تو چمکی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اس نے گردھاری کا اصلی روپ جاننے کی ٹھان لی تھی۔

''گردھاری! ایک بات پوچھوں...... سچ سچ بتائے گا؟''

''چل' جلدی سے پوچھ لے۔''

''میں تجھے اچھی لگتی ہوں کہ نہیں؟'' چمکی نے اپنے رسیلے ہونٹوں پر بھرپور مسکان سجا کر کہا۔

''دیکھ' تجھے میری سوگند' جھوٹ مت بولنا۔''

''اچھی چیز تو سب ہی کو بھلی لگتی ہے۔'' گردھاری دبی زبان میں بولا۔

''دوسروں کی بات چھوڑ' صرف اپنی بات کر۔''

''تو جاننا کیا چاہتی ہے؟'' گردھاری نے بھولپن سے سوال کیا۔

''یہی کہ مجھے دیکھ کر تیرے من میں بھی میٹھا میٹھا درد اٹھتا ہے کہ نہیں۔'' چمکی کچھ اور بے باک ہوگئی۔

گردھاری نے کوئی جواب نہیں دیا' تھوک نگل کر رہ گیا۔

''ایک بات اپنی مرضی سے کہوں' مانے گا۔'' چمکی کھسک کر گردھاری کے کچھ اور قریب ہوگئی۔

''بول' کیا بات ہے؟''

''آج رات میں ادھر تیرے کوارٹر پر ہی رک جاتی ہوں۔ تو جی بھر کر اپنی قیمت وصول کرلے۔ تو نے میری خاطر جو روپے داؤ پر لگائے ہیں' اس کا منافع تو تجھے......''

''بکواس بند کر!'' گردھاری نے حقارت سے کہا' پھر اس کا بھرپور ہاتھ چمکی کے گال پر پڑا تو وہ ایک لمحے کو چکرا گئی۔ اس نے گھاس پر ہاتھ نہ ٹکایا ہوتا تو خود کو گرنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

گردھاری تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے اور پورا جسم غصے سے کپکپا رہا تھا۔ اس غصے میں بھی پیار کی ایک معصوم جھلک نظر آ رہی تھی۔ چمکی پر ہاتھ چھوڑ بیٹھنے کا غم بھی شامل تھا۔

چمکی تھوڑی دیر تک پھٹی پھٹی نظروں سے گردھاری کو دیکھتی رہی' جس نے اسے زوردار تھپڑ

مارنے کی ہمت کی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ گردھاری اس کی پیشکش سن کر اس طرح آ
سے باہر بھی ہوسکتا ہے۔ یہی بات اگر اس نے کیدار ناتھ سے کہی ہوتی تو شاید وہ چمکی کا منہ
سے بھر دیتا۔ لالہ اونکار ناتھ سے کہی ہوتی تو وہ کھولی اس کے نام کرنے کے ساتھ دن بھر
سے کمائی ہوئی وہ تمام پونجی بھی گلے سے نکال کر چمکی کے چرنوں میں ڈھیر کر دیتا جو اس نے
سینت کر رکھی تھی، لیکن گردھاری نے اسی بات پر اسے زوردار تھپڑ مار دیا تھا۔

''گردھاری! تو انسان نہیں، دیوتا ہے۔'' چمکی نے دل ہی دل میں کہا۔ اس کی نظر
گردھاری کے سراپا پر جم کر رہ گئی تھیں۔ اپنے گال میں ہونے والی تکلیف میں اسے ایک انجا
لذت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

''معاف کر دے مجھے'' گردھاری نے اچانک جھک کر اداس لہجے میں کہا۔ ''لیکن تو
بات ہی ایسی کی تھی کہ میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا۔''

''میں نے کیا غلط کہا تھا مورکھ'' چمکی نے اسے آزمانے کی کوشش کی۔ ''جب تو نے جھولی
رقم خرچ کی ہے تو پھر پہلا ادھیکار بھی......''

''تو نے پھر بکواس شروع کر دی!'' گردھاری نے دوبارہ نظریں اٹھا کر چمکی کو غصے
گھورا۔

چمکی مسکرا کر گھاس سے اٹھی۔ گردھاری کے قریب آ کر بولی۔ ''تو انسان نہیں، کسی اوتا
دوسرا روپ ہے۔''

''میں نے دھرتی پر آنکھ کھولی ہے۔ مجھے دھرتی پر ہی رہنے دے۔'' گردھاری نے سر
بھر کر جواب دیا۔ ''کسی اوتار کے چرنوں کی دھول بھی نہیں ہوں میں۔''

''اپنی نظروں سے نہیں، میری نگاہوں سے خود کو دیکھ۔'' چمکی نے پیار بھری نظروں
گردھاری کو دیکھا۔ ''تو پتھر کا، ماس کا بنا ہوا، بھگوان کا ایسا چمکتا رہے جسے میں نے آج سے
کہیں نہیں دیکھا۔''

''کیا تو جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سچے من سے کہہ رہی ہے؟'' گردھاری نے پہلی بار
اپنائیت سے دیکھا۔

''اپنے من کو ٹٹول کر دیکھ، وہ کیا کہتا ہے۔''

چمکی کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ گردھاری گڑبڑا سا گیا۔ پھر اس نے خو

سنبھالنے کی کوشش کی تو اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ شاید کوئی بات زبان تک آتے آتے اس کے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی۔ کم از کم چمکی نے اس سے یہی کچھ سوچا تھا۔

گردھاری کی کھانسی کم ہوئی تو چمکی نے اسے پیار سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ ''تو مجھ سے کچھ پوچھ رہا تھا؟''

''ہاں'' گردھاری نے سنبھل کر کہا۔ ''کیا تو جانتی ہے کہ دیوتا اور بھگوان کی شکتی کتنی اپرم پار (بے پناہ) ہوتی ہے؟''

''پتا ہے مجھے'' چمکی نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ ''دونوں دھرتی پر بسنے والے ہم جیسے غریب لوگوں کو۔ کٹھ پتلی کی طرح اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ہم ان کی بڑی بڑی مورتیاں خرید کر اپنے گھروں کو سجانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اپنے پلے تو دو وقت کی روٹی کا سہارا بھی نہیں ہوتا۔ دیوی دیوتاؤں کی جگ مگ کرتی مورتیاں تو کیول دھنوان ہی خرید سکتے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟''

''مورتیوں کی بات چھوڑ' اتنا تو مانتی ہے کہ ہم دیوتاؤں اور بھگوان کے سامنے ڈنڈت ضرور کرتے ہیں۔'' گردھاری نے کچھ توقف سے کہا۔ ''ان کی کسی بات' کسی حکم سے انکار نہیں کرتے۔''

''جانتی ہوں۔'' چمکی نے بیزاری سے جواب دیا۔

''اگر میں تجھے کوئی حکم دوں تو...... مانے گی؟'' گردھاری نے تھم تھم کر اپنا جملہ ادا کیا۔

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا'' چمکی نے سنبھل کر گردھاری کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''بول' تیری کس آگیا کا پالن کروں؟''

''ایک بنتی کروں' تو انکار تو نہیں کرے گی؟'' گردھاری کے حلق میں پھر سانس اٹکنے لگی۔

''تیری داسی بن کر وچن دیتی ہوں گردھاری' تو جو بھی کہے گا مجھے منظور ہوگا'' چمکی نے ہاتھ باندھ کر پجارنوں کا سا روپ دھار لیا۔

''تو پھر آج ہی اپنا سامان سمیٹ کر لالہ اونکار ناتھ کی کھولی کو لات مار کر میرے کوارٹر میں آجا۔'' گردھاری نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''ہم دونوں مل جل کر اپنا دکھ سکھ بانٹ لیں گے۔''

''پھر سوچ لے گردھاری'' چمکی نے دھڑکتے دل سے کہا۔ ''ہم ایک کمرے کے کوارٹر میں رہیں گے تو آوارہ کتے بھونکنا شروع کر دیں گے۔ تو کس کس کی زبان پکڑتا پھرے گا؟''

''کوئی چندر ما پر تھوکے تو سارا گند اسی کے منہ پر آتا ہے۔'' گردھاری نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''تو دنیا کی فکر چھوڑ' بس میری بات مان لے۔ رہا ایک کمرے کا کوارٹر تو دن بھر میں کام دھندے میں مصروف رہتا ہوں' رات کو کہیں بھی پیر پسار کر سو رہوں گا۔''

''سرکاری لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟''

''تو اس کی چنتا مت کر۔ میں بڑے افسر کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ایک دور پرے کی رشتے دار میرے ساتھ رہنے کو آنے والی ہے۔''

گردھاری کی بات سن کر چمکی اسے حیرت سے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس نے جواب میں کچھ کہنا چاہا تو کہہ نہ سکی' مسکرا کر گردھاری کو بڑی اپنائیت سے نظر بھر کر دیکھا' پھر کھلونے والا بانس اٹھا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی چڑیا گھر کے ہجوم کے بیچ آ گئی۔

چمکی کے جانے کے بعد نہ جانے کیا سوچ کر گردھاری کی آنکھیں نمناک ہوگئیں؟ اس نے گردن اٹھا کر نیلے آکاش کے پار دور خلاؤں میں جھانکا پھر دل ہی دل میں بھگوان سے نہ جانے کیا پرارتھنا کرنے لگا!

***

چمکی کو گردھاری کے کوارٹر میں آئے پندرہ روز گزر چکے تھے۔ زندگی اب ایک نئی ڈگر پر آ کر تھم سی گئی تھی' جس میں کوئی خوف وہراس یا گھٹن کا کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ ہر طرف سے آزاد ہوگئی تھی۔

گردھاری کا کوارٹر چڑیا گھر کے دوسرے ملازموں کے ساتھ احاطے کے مغربی گوشے میں تھا۔ ایک کمرہ ہونے کے باوجود وہ پوری طرح مطمئن تھی۔ کمرے کے باہر ایک مختصر سا برآمدہ تھا' اس کے بعد کچا صحن تھا' جس کے ایک کونے میں رسوئی بنی ہوئی تھی۔ دوسری جانب نہانے دھونے کی جگہ پردہ دیوار کھینچ کر اس کے اوپر ٹین کی چادر ڈال دی گئی تھی۔

چمکی نے ان پندرہ دنوں میں پورے گھر کو جھاڑ پونچھ کر چمکا دیا تھا۔ بکھری ہوئی چیزوں کو باقاعدگی سے سجایا تھا۔ دو روز تک بازار کا کھانا کھانے کے بعد اس نے گردھاری سے کہہ کر کھانے پکانے کی چیزیں بھی منگالی تھیں۔ صبح سویرے اٹھ کر وہ جلدی جلدی تمام کام سے فارغ ہوتی' پھر دوپہر کے کھانے کیلئے وہ گھی لگی دو روٹیاں لے کر کھلونے بیچنے چلی جاتی۔ گردھاری اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتا۔ شام کو وہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے واپس آجاتی۔ رات گئے تک وہ اور

گردھاری ایک ساتھ رہتے' پھر جب سونے کا وقت آتا تو گردھاری ایک چادر اٹھا کر باہر نکل جاتا۔ چمکی کمرے میں پڑی کھٹیا پر لیٹ جاتی تھی۔

چمکی کو گردھاری کے پاس رہتے ہوئے سکون و آرام تو ضرور ملا تھا' لیکن چند دنوں میں ہی اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ گردھاری اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس چمکی کا ساتھ رہنا پسند نہیں آیا تھا؟ اگر ایسا تھا تو پھر اس نے منہ پھاڑ کر اور بھگوان کا روپ دھار کر......اسے اپنے کوارٹر میں آنے کا حکم ہی کیوں دیا تھا؟

اس روز جب چمکی کھلونے بیچ کر واپس آ رہی تھی تو راستے میں اچانک اس کی مڈبھیڑ چھمن سے ہوگئی۔

''تو ابھی تک اسی شہر میں ہے؟'' چھمن نے اسے سر سے پاؤں تک پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ تو یا تو شہر چھوڑ گئی ہے یا کسی کے گھر بیٹھ گئی ہے۔''

''تو نے بھی تو اتنے دنوں پلٹ کر خبر نہیں لی کہ چمکی زندہ ہے یا رام رام ست ہوگئی۔'' چمکی نے چھمن کی باتوں میں بہلانے کی خاطر کہا۔ ''دوسرے لچے لفنگوں کی طرح تو بھی اپنی کھال میں مگن ہو گیا ہوگا۔ چمکی کا بھولے سے دھیان بھی نہ آیا ہوگا تیرے من میں۔''

''اچھا چل چھوڑ ان باتوں کو' یہ بتا تو اچانک چھومنتر کہاں ہوگئی؟''

''لالہ جی کے کرتوت سے تنگ آ کر کوئی ٹھکانا تو تلاش کرنا تھا' چمکی نے گردھاری کا پتا بتانے سے گریز کر کے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا مطلب!'' چھمن آستین چڑھا کر بولا۔ ''کیا تنگ کیا تھا لالہ نے؟''

''ہر دوسرے تیسرے دن' رات کو کھولی پر کرائے کا تقاضا کرنے آ جاتا تھا۔ ایک دن تو اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تیرے پاس پیسے نہیں ہیں تو کرائے کی رقم دوسری طرح چکا دیا کر۔'' چمکی نے بسورتے ہوئے' چھمن کو رام کرنے کی خاطر بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''میں غریب ضرور ہوں چھمن لیکن میں نے شریر کا دھندا کبھی نہیں کیا' اسی لئے تو میں نے دوسروں سے خود کو بچانے کے کارن تجھ پر زیادہ بھروسہ کیا تھا۔''

چھمن جواب دیتے ہوئے ہچکچایا تو چمکی نے اسے شیشے میں پوری طرح اتارنے کی خاطر ایک اور حربہ استعمال کیا۔

''دل لگی کی باتیں کرنا اور بات ہے چھمن لیکن روز رات کسی نئے پاپی کے ساتھ منہ کالا کرنا تو

گھور پاپ ہے۔تو خود سوچ' اگر تجھ سے میرا کوئی سمبندھ ہوتا کیا تو برداشت کرتا کہ راہ چلتا کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا مجھے میلی نظروں سے دیکھتا......"

"تو ٹھیک کہہ رہی ہے چمکی۔" پھمن نے سٹپٹا کر جواب دیا۔" پرنتو تو کوئی چنتا نہ کر۔ اگر اب لالہ یا کوئی دوسرا تیرے ساتھ ایسی ویسی بات کرے تو مجھے آ کر بتانا۔ اگر اس حرامی کی آنتیں پیٹ سے نکال کر تیرے چرنوں میں نہ رکھ دوں تو اس تھالی میں دینا جس میں کتا کھاتا ہے۔"

"مجھے وشواس ہے تجھ پر جبھی تو اپنے من کی بات تجھے بتا دی۔"

پھمن اتنا شریف بھی نہیں تھا کہ وہ چمکی کی موہنی صورت اس کے گدرائے ہوئے شریر سے اپنا بھتہ وصول کئے بغیر ہتھیار ڈال دیتا' لیکن اس سے اس نے کچھ سوچ کر چمکی کو اس بات کا یقین دلانا ضروری سمجھا کہ اس کے من میں کوئی گند نہیں ہے۔ چمکی پھمن سے پیچھا چھڑا کے آگے بڑھی تو اس کے دل میں ایک خیال نے بڑی شدت سے سر ابھارا" اگر گردھاری میرے ساتھ پورا اگنی کے پھیرے لگا کر مجھے اپنا لے تو پھر کوئی دوسرا آسانی سے سر بازار میرا ہاتھ زبردستی پکڑنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ میری مانگ میں بھرا سیندور سب کو بتا دے گا کہ میں اکیلی نہیں ہوں۔ ایک مرد بھی ہے جو میری حفاظت کر سکتا ہے۔"

چمکی لمبے لمبے قدم اٹھاتی چڑیا گھر پہنچ کر کوارٹر میں داخل ہوئی تو گردھاری کچے آنگن کی دیوار سے لگا بری طرح کھانس رہا تھا۔ شاید کھانسی ہی کی وجہ سے اس کا پورا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے گردھاری؟" وہ کھلونے کا بانس ایک طرف ڈال کر لپکتی ہوئی اس کے قریب چلی گئی۔" تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں......بس......یہ کھانسی......" گردھاری جملہ پورا نہ کر سکا' اس بار کھانسی شروع ہوئی تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی' پھر جب کھانستے کھانستے گردھاری نے ابکائی لینے کی خاطر زور لگایا تو اس کے منہ سے خون کی کچھ بوندیں بھی باہر آ گئیں۔

"یہ......یہ تیرے منہ سے خون کیوں آیا؟" چمکی نے گھبرا کر سوال کیا۔

"کک......کچھ نہیں۔" گردھاری نے سینہ سہلاتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا۔" نزلہ بگڑ گیا ہے۔ ڈ ڈ......ڈاکٹر نے یہی بتایا تھا مجھے۔ دو مہینے سے سرکاری ہسپتال میں علاج کرا رہا ہوں۔ کچھ دنوں میں لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

اس روز چمکی کے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی، لیکن تین روز بعد جب گردھاری آرام سے کھانا کھا رہا تھا تو چمکی نے اسے چھیڑ دیا۔

"ایک بات کہوں گردھاری؟"

"بول، کیا بات ہے؟"

"میرا من کہتا ہے تو میرے یہاں آنے سے خوش نہیں ہے۔"

"یہ کیسے سوچ لیا تو نے؟" گردھاری نے ہاتھ کا نوالہ منہ میں رکھنے کے بجائے پلیٹ میں ...ا۔

"اگر تو خوش ہوتا تو مجھ سے دور دور کبھی نہ رہتا" چمکی نے بڑے بھولپن سے شکوہ کیا تو ...ھاری کا پورا وجود مسرت وشادمانی کے جذبوں سے جھوم اٹھا۔ اس نے چمکی کو پیار بھری ...اں سے دیکھا۔ اس کا دل چاہا کہ چمکی کے مہکتے وجود کو لپک کر اپنی بانہوں میں بھر لے۔ اس کی ... پیشانی کو چوم کر اسے اپنی محبت کا وشواس دلا دے جو اس کے اندر ہی اندر اپنی جڑیں مضبوط ...ی تھی۔ لیکن گردھاری نے چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کیا۔ دل مسوس کر رہ گیا۔

چمکی نظریں جھکائے بیٹھی جواب کا انتظار کرتی رہی، پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر گردھاری کو ...ا تو گردھاری نہ جانے کن وچاروں میں گم نظر آیا۔

"گردھاری!" چمکی نے دھڑکتے ہوئے دل سے اسے آواز دی۔ "تو نے میرے سوال کا ...ہیں دیا۔"

"یہی تو سوچ رہا ہوں کہ کیا جواب دوں" گردھاری نے ٹوٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"کیوں؟ کیا تیرے منہ میں زبان نہیں ہے؟"

"ہے تو سہی"

"پھر تجھے للو ہلانے میں کون سے ہل جوتنے پڑ رہے ہیں۔" چمکی جھلا گئی۔ گردھاری کی آنا ...ے بھلی نہیں لگ رہی تھی۔

"بات سمجھنے کی کوشش کر چمکی" گردھاری نے کہا۔

"م...... میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی تیرے اوپر انگلی اٹھائے۔"

"اچھا، تو یہ بات ہے" چمکی کھانا چھوڑ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "اب تجھے بھی میری وجہ سے ...کی انگلیاں اٹھنے کا خیال آنے لگا ہے۔"

''چمکی، میں......'' گردھاری نے صفائی پیش کرنی چاہی' لیکن چمکی نے غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے تیکھے انداز میں کہا۔

''رہنے دے گردھاری۔ میں سمجھ گئی تیرا مطلب۔ کل اگر کسی نے میرے کارن تیرے اوپر کوئی الزام تھوپ دیا تو پھر تو بھی یہی کہے گا......چل چمکی' گول کر اپنا بوریا بستر اور کہیں اور منہ کالا کر......نکل جا۔''

''ارے ارے......'' گردھاری بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''یہ تو نے کیا بک بک شروع کر دی۔ میرا مطلب وہ نہیں تھا جو......''

''میں تیرا مطلب سمجھ چکی ہوں۔'' چمکی بپھر گئی۔ ''تو کوئی چنتا مت کر۔ میں دنیا والوں کو تیرے منہ پر کالک تھوپنے کا موقع نہیں دوں گی۔ آج ایک رات اور میرا بوجھ برداشت کر لے۔ میں کل ہی اپنا گٹھری باندھ کر پھر اپنی دنیا میں واپس......''

''تجھے بھگوان کی سوگند ہے چمکی'' گردھاری تڑپ کر بولا۔ ''آگے کچھ مت کہنا۔ اور مجھے وچن دے کہ تو پھر کبھی یہاں سے جانے کا نام زبان پر نہیں لائے گی۔''

''بہت خیال ہے تجھے میرا......کیوں؟'' چمکی نے گردھاری کی تڑپ کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں'' گردھاری چھاتی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تیرے کارن میں پوری دنیا سے ٹکر لینے کو تیار ہوں۔ اگر میری زندگی بھی تیرے کسی کام آئی تو کائروں کی طرح منہ نہیں پھیروں گا...... یہ ایک مرد کا وچن ہے۔''

''اگر تجھے مجھ سے اتنا ہی لگاؤ ہے تو پھر میرا ہاتھ ایک بار تھام کر دنیا والوں کی زبان پر تالے کیوں نہیں ڈالتا؟''

چمکی نے آخری پانسہ پھینکا تو گردھاری کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے من میں لڈو پھوٹنے لگے' کانوں میں شہنائیوں کی آواز گونجنے لگی۔ وہ چمکی کو خاموش کھڑا پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہا جو اپنا جملہ ادا کر کے خود بھی چھوئی موئی کے معصوم پودے کی مانند اپنے وجود میں سمٹنے لگی تھی۔ گردھاری کا دل چاہا کہ چمکی سارا جیون اسی طرح اپنے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکان سجائے اس کے سامنے کسی دیوی کی طرح کھڑی رہے اور وہ پجاری بن کر اپنی دیوی کے چرنوں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتا رہے۔ لیکن اسے چمکی کی دوبارہ ناراضگی کا خوف ہوا تو اس کے من کی گہرائیوں

سے ایک جملہ نکل کر چمکی کے انگ انگ میں مستیاں بکھیرنے لگا۔

''میں تیرا ہاتھ ضرور تھاموں گا چمکی ۔ یہ بات تو میں نے اپنے من میں اسی دن ٹھان لی تھی جب تو نے میرے کوارٹر میں پہلا قدم رکھا تھا' لیکن ابھی جلدی مت کر۔ بڑی کچہری سے تیرا کیس ختم ہو جائے تو آرام سے بیٹھ اپنی نئی دنیا بسانے کی بات بھی کرلیں گے۔''

''جیسی تیری مرضی'' چمکی نے جھکی جھکی نظروں سے جواب دیا' پھر اپنے دل کی دھڑکنوں کا شمار کرنے لگی۔ گردھاری کچھ دیر اپنی جگہ خاموش کھڑا سپنوں کی دنیا میں کھویا رہا' پھر کھانستا ہوا کوارٹر کے باہر چلا گیا۔

اس رات چمکی کو نیند نہیں آئی۔ اس کی گھری پلکوں کے نیچے کئی سہانے سپنے ابھر ابھر کر آپس میں گڈ مڈ ہوتے رہے۔ گردھاری نے اس کا ہاتھ تھام کر جیون ساتھ بتانے کی جو مہلت مانگی وہ بہت زیادہ بھی نہیں تھی لیکن...... دو دن بعد چمکی کو اس راز کا پتا بھی چل گیا جس نے گردھاری کو کسی گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگا رکھا تھا۔ گردھاری کے نزلہ بگڑ جانے والے جھوٹ کا پول بھی کھل گیا۔

اس شام وہ میلے برتن اٹھائے باہر لگے نلکے کی طرف جا رہی تھی جب سیتا رام کی کھولی کے قریب سے گزرتے ہوئے خود بخود اس کے قدموں کو بریک لگ گیا۔ اندر سے قہقہوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کسی نے قہقہہ لگاتے ہوئے چمکی کا نام بھی اونچی آواز میں لیا تھا۔ وہ حقیقت جاننے کیلئے سیتا رام کے کوارٹر کے کچھ اور قریب چلی گئی۔

''پربھو کی کرپا ہے بھیا...... جسے چاہتا ہے چھت پھاڑ کے بھی دان کر دیتا ہے۔'' سیتا رام کی آواز ابھری۔

''پر یہاں تو کوے کی چونچ میں رس بھرے انگور والا معاملہ ہے۔'' دوسری آواز تواری کی تھی جو جانوروں کے پنجروں کے اندر کی صفائی کرتا تھا۔

''رس بھرے انگور بھی کیا بیچتے ہیں اس گدرائی ہوئی چھوکری کے سامنے۔'' چمن لال کی آواز سنائی دی۔ ''تو نے دیکھا نہیں...... کس طرح کولھے مٹکا مٹکا کر چلتی ہے۔ یہ بھی پلٹ کر نہیں دیکھتی کہ کتنے یار دل تھام کر رہ جاتے ہیں۔ ناگن ہے ناگن!''

چمن لال کی بات سن کر چمکی کا خون کھول اٹھا۔ گردھاری نے بھی اس کے بارے میں ڈھکے چھپے جملوں میں بتایا تھا کہ چمن لال لڑکیوں کی دلالی کرتا ہے۔ چڑیا گھر کی نوکری تو اس نے دنیا

دکھاوے کو کر رکھی تھی ورنہ اس کیلئے دن بھر میں دلالی کے دھندے میں سو دو سو روپے کھرے کر لینا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ اس کے پہننے اوڑھنے کا رکھ رکھاؤ بھی دوسرے ملازموں سے کہیں زیادہ بہتر تھا۔ سارا دن ڈیوٹی کرنے کے بہانے کلف لگی وردی میں چڑیا گھر آنے والی لڑکیوں کو تاڑتا رہتا تھا۔ کوئی شکار ہاتھ لگ جاتا تو خود بھی مزے کرتا اور لگے بندھے گاہکوں سے بھی لمبی لمبی پیشگی وصول کر لیا کرتا۔ پولیس کے جگدیش نامی ایک سب انسپکٹر سے بھی اس نے یارانہ گانٹھ رکھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرنے کی خاطر مفت میں کام آتے تھے۔

''وہ ناگن ہے تو تم بھی کسی سپیرے سے کم نہیں ہو۔'' سیتا رام نے چمن لال کو اکسانے کی بات کی۔ ''کب نکالو گے اس کا زہر؟''

''ابھی تو گردھاری مزے لوٹ رہا ہے۔'' تواری بول پڑا۔ ''اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔''

''رام کسم چمن بھیا' چمکی کو دیکھ کر اپنے حلق میں تو پیاس بجھانے کیلئے کانٹے چبھنے لگتے ہیں۔'' سیتا رام نے پھر ماچس دکھائی۔ ''تمہارا داؤ چل جائے تو تھوڑا بچا کھچا اپنی جھولی میں بھی ڈال دینا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو میرے یار'' چمن لال نے کہا۔ ''تم سب جانتے ہو کہ گردھاری کی سفارش پر ہی مجھے ملازمت ملی تھی۔ اسی کارن لحاظ کرتا ہوں اس کا ورنہ میرے کاٹے کا تو کوئی منتر ہی نہیں ہے کسی کے پاس۔''

''چھوڑو یار......'' سیتا رام کی نشے میں ڈوبی آواز ابھری۔ ''صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم بھی اس ناگن سے اس لئے کتراتے ہو کہ ظالم کہیں پلٹ کر ڈس نہ لے۔ ایسا ہوا تو تمہاری بھی کرکری ہو جائے گی۔''

''تاؤ مت دلا سیتا رام ورنہ اگر چمن لال اپنی ضد پر آ گیا تو سالی چمکی کیا بیچتی ہے۔ اس کا سارا پریوار بھی میرے چرنوں پر ناک رگڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں نے بڑی بڑی سندریوں کو قابو کیا ہے۔ جو کبھی سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تھیں' اب میرے اشارے پر ناچتی ہیں۔ چمکی کیلئے بھی ایک داؤ ہے میرے پاس۔ گردھاری کا کانٹا خود بخود نکل جائے گا۔''

''وہ کیا؟'' تواری نے پوچھا۔

''جس دن میں نے چمکی کے کانوں میں یہ بات پھونک دی کہ گردھاری کو ٹی بی ہے' وہ

پلٹ کر اس کے جنم پر بھی نہیں تھو کے گی۔ پھر وہ گردھاری کے پٹارے سے نکل کر بھاگی تو میں اپنے جگدیش بابو سے کہہ کر ایسا چکر چلاؤں گا کہ چمکی کے اچھے بھی ہمارے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کیا سمجھا!"

جواب میں سیتارام نے کچھ کہا تھا' لیکن چمکی نے دور سے گردھاری کو آتے دیکھا تو برتن اٹھا کر نلکے کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ رات کو وہ سونے کیلئے لیٹی تو چمن لال کی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ اسے چمن لال سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن اس کی باتوں سے وہ یہ ضرور جان گئی تھی کہ گردھاری اس سے قریب ہو کر بھی الگ تھلگ کیوں رہتا تھا؟ اپنا بنانے کیلئے بھی اس نے بڑی عدالت کا آخری فیصلہ سننے کی مہلت کیوں مانگی تھی؟

چمکی نے سن رکھا تھا کہ تپ دق کے جراثیم ایک بار جس کے شریر میں داخل ہو جائیں تو پھر چتا کی آگ ٹھنڈی ہونے تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے' لیکن صرف اتنی سی بات جان لینے کے بعد وہ گردھاری کو بیچ منجدھار میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ گردھاری نے اس کی ضمانت نہ لی ہوتی تو شاید جیل جانے کے بعد وہ گردن اٹھا کر چلنے کے قابل بھی نہ رہتی۔ گردھاری نے اسے سہارا بھی دیا تھا اور چمکی ہی کی خاطر تو وہ کوارٹر کے باہر جا کر ادھر ادھر پڑا رہتا تھا۔ اگر گردھاری کے من میں پاپ ہوتا تو چمن لال کی بات کان میں پڑنے سے پہلے ہی وہ چمکی کو تمام احسانوں کی آ[illegible] کر پامال بھی کر سکتا تھا' لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا' پھر وہ بھلا اس کے منہ پر تھ[illegible] چلی جاتی!

دفعتاً چمکی کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ وہ [illegible]
[illegible]دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے ایک آخری فیصلہ [illegible]
[illegible]ہونے دے گی۔ جیون کی آخری سانس
[illegible]ہسپتال میں اس کا علاج کرانے کیلئے۔
[illegible]ل کے ساتھ شادی رچانے سے بھی انکار [illegible]
[illegible]پروالے کا اختیار ہے...... پھر ڈرنا کس بات سے
چمکی بڑی دیر تک بستر پر بیٹھی گردھاری کے با[illegible]
[illegible]باہر آ گئی جہاں گردھاری پرانے نیم کے گھنے درخت
[illegible]چمکی آہستہ سے سرہانے بیٹھ کر اسے والہانہ نظروں سے د[illegible]

دوسری صبح چمکی کی آنکھ دیر سے کھلی۔ گردھاری ناشتہ تیار کر کے کام پر جا چکا تھا۔ چمکی نے اٹھ کر جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا۔ پہلی بار گردھاری کے ہاتھوں کا تیار کیا ہوا ناشتہ کیا' پھر خود بھی تیار ہو کر کھلونوں کا بانس اٹھایا اور کوارٹر کو باہر سے کنڈی لگا کر اپنے دھندے کیلئے روانہ ہو گئی۔

پہلے کے مقابلے میں اب کھلونوں کی بکری بھی اچھی ہونے لگی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اسے کھلونے بیچنے کے کارن دوسروں کی میلی نظروں اور کڑوے کسیلے جملے بھی سننے پڑتے تھے۔ پیٹ کی خاطر خون کا گھونٹ پی کر بھی مسکرانا پڑتا تھا' لیکن دن بھر میں وہ تیس چالیس ضرور کما لیتی تھی۔ کبھی کوئی نیا نیا شوقین مل جاتا تو وہ بھی صرف چمکی کا ہاتھ تھامنے کے بہانے دس بیس اوپر سے پکڑا دیتا تھا۔

آج بھی چمکی بازاروں اور گلیوں کا چکر لگا رہی تھی' لیکن صبح سے اس کے ذہن میں گردھاری کا دھیان بار بار آ رہا تھا۔ چمکی کو سکھ کا سانس اور خوشیوں کا سیج دینے والا خود ایک کرب سے دوچار تھا۔ اندر اندر ہی گھٹ گھٹ کر سانس لے رہا تھا۔ ایک خطرناک مرض کے جراثیم اس کی زندگی سے گھن بن کر چمٹ گئے تھے۔ چمکی نے اپنے پرکھوں سے سن رکھا تھا اس موذی مرض کے علاج کی خاطر بہت ڈھیر سارے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیمار کو کسی سٹی فورم (سینی ٹوریم) میں داخل کرایا جاتا ہے جہاں دن رات ڈاکٹر اور نرسیں اس کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ اچھی سے اچھی غذا اور پھل فروٹ کھانے کو دیئے جاتے ہیں۔ دن میں دو دو بار ڈاکٹر آ کر مریض کا معائنہ کرتے ہیں' پھر جب وہ بھلا چنگا ہو کر گھر واپس آتا ہے تو اس کی صحت بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگتا ہے۔ چہرے پر رونق بھی آ جاتی ہے پھر اٹھتے بیٹھتے ہر سمے موت کا کھٹکا نہیں رہتا۔

چمکی بھی چاہتی تھی گردھاری بھلا چنگا ہو جائے۔ اس کے ہونٹوں پر بھی دوسرے جوانوں کی طرح مسکراہٹ کھیلنے لگے۔ وہ بیماروں کی طرح سینہ تھام کر چوری چھپے کھانسنا چھوڑ دے۔ خون بلغم کے منہ سے ابلنے کے بجائے اس کی رگوں میں دوڑنے لگے' مگر ان سپنوں کو خریدنے کیلئے تو ڈھیر سارے روکڑے کی ضرورت ہوتی ہے اور چمکی نے گردھاری کے کوارٹر میں آنے کے بعد ابھی تک بمشکل دو سو پچیس روپے اپنی ضرورتوں کا گلا گھونٹ کر جمع کئے تھے جو کسی بڑے ڈاکٹر کی دو وقت کی فیس سے بھی کم تھے۔

چمکی کا ذہن ان ہی خیالوں میں الجھتا رہا' پھر اسے اپنے اندر ایک دوسری عورت کلبلاتی محسوس ہوئی جو کوٹھے پر بیٹھ کر صرف ناچتی گاتی تھی۔ اپنی چھب دکھلا کر اور ہونٹوں پر جھوٹی مسکان

سجا کر کوٹھے مٹکا مٹکا کرنا چتی تھی۔ بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار اس کی ایک ایک ادا پر ہزاروں پھاور کر دیتے تھے۔ پھر کوٹھے کا سمے پورا ہونے پر انہیں دھتکار کر نکال دیا جاتا تھا۔ اگلے دن وہ پھر اسی ویشیا کے کوٹھے پر بن ٹھن کر آ جاتے تھے جس پر روزانہ سینکڑوں نظریں مچلتی تھیں، لیکن وہ صرف ناچنے گانے اور اپنے چاہنے والوں کو کیول نگاہوں نگاہوں سے سینکنے کی عادی تھی۔ اپنے شریر کو کبھی ان کے حوالے نہیں کرتی تھی۔ تماش بین سامنے ہوتے تو وہ انہیں سمجھانے بجھانے کیلئے کیسی کیسی دل لگی کی باتیں کرتی تھی لیکن ان کے جانے کے بعد گندی گندی گالیاں دے کر اپنے من کو شانت کر لیتی تھی۔

کوٹھے سے ہٹ کر بھی دھرتی پر اسی قسم کے ناٹک وہ روز دیکھتی تھی۔ جو بلوان ہوتا تھا، وہ دوسروں کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کا نوالہ بھی جھپٹ لیتا تھا۔ زوردار بھرے بازار میں بھی کمزوروں کی پگڑی اچھال دیتا تھا۔ سر ہتھیلی پر رکھ کر کوئی کمزور بھی جھوٹا پستول دکھا کر دھنوانوں کی تجوریوں پر ہاتھ صاف کر دیتا تھا، ایک ہی ساگر میں رہنے والی کوئی بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو پل بھر میں ہڑپ کر جاتی تھی اور پتھر کا بھگوان پھر بھی ہمیشہ چپ ہی رہتا تھا۔

چمکی کے پاس نہ کوٹھا تھا نہ پستول، جس کے سہارے وہ دولت مندوں کے جیب یا تجوریوں کا بوجھ ہلکا کر سکتی۔ پرنتو اس کے پاس جوانی تھی، بھرا بھرا بدن تھا جس کو دیکھ کر ہر کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لینے پر مجبور ہو جاتا۔ ہرنی جیسی بڑی بڑی کجرا لگی آنکھیں تھیں، جس کے ایک اشارے پر منچلوں کے دلوں پر چھریاں چلنے لگتی تھیں۔ تنگ لباس سے زور زوری کرتا ہوا جوبن تھا، جس کو دیکھ کر سب ہی حرامیوں کے منہ میں پانی آ جاتا تھا۔ گدرایا ہوا سندر اور کومل شریر تھا، جس کو اپنی بانہوں میں سمیٹنے کیلئے بھرے بازاروں میں بھی سینکڑوں لوگ ویاکل نظر آتے تھے۔ وہ بھی ان گاہکوں کو چھب دکھا کر الو بنا سکتی تھی۔ منہ پر ان سے لگاؤ کی باتیں کرتی، پھر پیٹھ پیچھے گندی گندی گالیاں دے کر اپنا من شانت کر لیتی۔

دل میں ایک نئی راہ اختیار کرنے کی ٹھان کر چمکی سب سے پہلے کوٹھے مٹکاتی لالہ اونکار ناتھ مہاجن کی دکان پر پہنچ گئی۔ گردھاری کے علاج کیلئے روپے جمع کرنے کی خاطر اس نے کچھ بھی کر گزرنے کی پوری طرح ٹھان لی تھی۔

لالہ اونکار ناتھ گلّے پر بیٹھا اپنے گاہکوں سے نمٹ رہا تھا، جب اس کی نظریں چمکی پر پڑیں تو سٹپٹا کر رہ گیا۔ جلدی جلدی گاہکوں کو نمٹانے لگا۔ چمکی دور کھڑی اپنے شکار کو مسکراتی نظروں سے

دیکھتی رہی جو خود ہی کانٹے پر منہ مارنے کی تیاری کر رہا تھا۔ لالہ آخری گاہک کو بھگتا چکا تو شام کا جھٹپٹا بھی پھیل چکا تھا۔ چمکی قدم بڑھاتی اس کے قریب چلی گئی۔ ''مجھے وشواس تھا کہ تو واپس ضرور آئے گی۔ پرنتو اچانک نو دو گیارہ کہاں ہو گئی تھی؟'' اونکار ناتھ کے نتھنے پھڑکنے لگے۔

''ایک مجبوری پیش آ گئی تھی ورنہ میں اور تجھے چھوڑ کر جاتی۔'' چمکی نے پہلی بار لالہ اونکار ناتھ کے سامنے کھل کر ڈھونگ رچانے کی بات کی۔ ''تیری کھولی میں سوندھی کچی زمین پر پاؤں پسار کر جو نیند آتی تھی، وہ اب کہاں؟''

''لیکن تو نے چلتے سے مجھے بتایا بھی نہیں۔'' لالہ نے شکوہ کیا۔ ''ایسی کون سی بپتا آن پڑی تھی؟''

''کیسے بتاتی!'' چمکی نے ٹھنک کر جواب دیا۔ ''گردھاری جو سر پر آ کر موت کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ آنکھیں لال پیلی کر کے کہنے لگا کہ یا تو تیری ضمانت پر جو مال خرچ کیا ہے وہ ترنت میری ہتھیلی پر دھر یا پھر میرے کوارٹر میں چل کر اس سمے تک گھر میں روٹی پکا، برتن باسن کر جب تک تیرا مقدمہ ختم نہیں ہو جاتا۔'' چمکی نے اچانک بسورتے ہوئے کہا۔ ''اگر میرے پاس اس کم جات کو دینے کیلئے رقم ہوتی تو نکال کر منہ پر مار دیتی، لیکن اس بڈھے کھوسٹ کے ساتھ......''

''بڑا احرامی نکلا یہ گردھاری۔'' لالہ اونکار ناتھ نے چمکی کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو سنا تھا کہ بڑا دیالو ہے۔''

''اوپر اوپر سے مجھے بھی ایسا دکھا تھا لیکن اب پتا چلا کہ کتنے پانی میں ہے۔'' چمکی نے بلاوجہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر پھیرے تو لالہ گدی سے لڑھک کر اس کے اور قریب آ گیا، دبی زبان میں پوچھا۔

''تو اس کے کوارٹر پر خالی برتن باسن ہی کر رہی ہے یا......؟''

''تو بھی کیسی بات کہہ رہا ہے لالہ۔'' چمکی نے غصے کا اظہار کیا۔ ''بھلا میں اس ٹی بی کے پٹارے کو گھاس کیوں ڈالوں گی؟ کیا دھرتی کے دوسرے سارے مرد مر گئے ہیں میرے لئے۔''

''کتنی رقم بھری ہے اس ماں کے سگے نے تیری ضمانت پر؟'' اونکار ناتھ کو جوش آ گیا۔ ''مجھ سے لے اور جا کر اس کے منہ پر مار کر کھولی میں آ جا۔''

''رہنے دے لالہ۔ تو بلا فضول اپنی رقم کیوں پھنسا رہا ہے۔'' چمکی نے اونکار ناتھ کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''جہاں اتنے دن بیت گئے، وہاں کچھ دن اور بھگت لوں گی۔

بڑی کچہری کا فیصلہ جس دن آ گیا' اس دن کے بعد ایک پل کیلئے بھی اس کے منہ پر نہیں تھوکوں گی۔"

"کیوں غیروں جیسی بات کر رہی ہے میری گجریا!" چمکی کے ہاتھوں کے لمس سے اونکار ناتھ کے بوڑھے شریر میں بجلی کی ایک لہر اٹھی تو اس نے بھی بے قابو ہو کر چمکی کا ہاتھ تھام لیا......

"تجھے میری سوگند' سچ سچ بتا کہ تو کتنے رقم کے بوجھ تلے دبی ہے؟"

"دو ہزار......" چمکی نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"بس!" لالہ اونکار نے حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے جوش سے کہا۔" کیول دو ہزار کیلئے اپنی زندگی کیوں جنجال میں ڈال رہی ہے' مورکھ۔"

مورکھ کہتے ہوئے لالہ اونکار ناتھ نے ہمت کر کے چمکی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو چمکی کے اندر کی حرارت ان کے شریر کو بھی گرمانے لگی۔ چمکی تھوڑا سا کسمائی تو لالہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا' پھر گلے سے دو ہزار کی رقم گن کر نکالی اور کاغذ کی پوٹلی بنا کر اس کے حوالے کرتے ہوئے بولا

"لے...... لے جا کر گردھاری کے منہ پر مار دے اور تھوک کر واپس کھولی میں واپس آ جا۔"

چمکی نے پہلے دل ہی دل میں لالہ کو گالی چٹخاتے ہوئے رقم اپنی مٹھی میں دبائی' پھر چولی میں اندر کی طرف احتیاط سے اڑستے ہوئے بولی۔ "میں تیرا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ مجھے وشواس تھا کہ تو چمکی کے کارن دو ہزار تو کیا دس ہزار سے بھی منہ نہیں پھیرے گا۔ اسی لئے چلی آئی سیدھی تیری دکان پر۔ ورنہ اس سوّر کے جنے سیٹھ کیدار ناتھ نے تو ایک رات کی بولی پچیس تیس ہزار تک بڑھا دی تھی۔ اگر چمکی کو دھندا ہی کرنا ہوتا تو تیری کھولی میں کیوں آتی۔ دن بھر کھلونے کا بانس اٹھائے بازاروں میں کیوں چکراتی رہتی؟"

چمکی کولہے مٹکاتی چلی گئی اور جاتے جاتے اونکار ناتھ کو ہری جھنڈی بھی دکھا گئی تو لالہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اسے اپنی دو ہزار کی رقم کے ساتھ اپنا دل بھی سینے کی گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا' لیکن وہ سوائے چپ رہنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ زبان کھولتا تو اس کی عزت خاک میں مل جاتی' کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتا!

چمکی کو پہلی منزل پر کامیابی نصیب ہوئی تو اس نے قدم اور باہر نکالنے شروع کر دیئے۔ ہفتے بھر میں اس نے تین چار موٹی موٹی اسامیوں کو الٹی چھری سے چھیل چھال کر پورے پانچ ہزار کی رقم بٹور لی تھی۔ پھر ایک دن اس نے گردھاری سے جو...... اب اس کی ضد کے کارن کوارٹر کے اندر

ہی سونے لگا تھا' سینی ٹوریم میں داخل ہونے کی بات چھیڑی تو گردھاری کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تجھ سے سینی ٹوریم والی بات......"

"تیرے ساتھ جیون گزارنے کی بات کی تھی تو پھر تیرے بارے میں کھوج لگانا بھی ضروری تھا۔" چمکی نے مسکرا کر کہا۔ "پر تو چنتا مت کر۔ چمکی نے کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا تو پھر ایک معمولی سی بیماری سے کیا ڈرے گی۔"

"تو نہیں جانتی چمکی۔" گردھاری نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میری زندگی کو جو روگ لگ گیا ہے' وہ آسانی سے......"

"تو بھی ابھی تک چمکی کو نہیں سمجھ سکا گردھاری۔" چمکی نے بڑے پیار سے گردھاری کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "تو اگر کہیں یہ سمجھ رہا ہے کہ میں تیرے ٹی بی کے مرض سے ڈرتی ہوں تو یہ دھیان من سے نکال دے۔ ابھی میرے ساتھ مندر میں دیوی کے سامنے چل' میں دیوی کے سامنے تیرا ہاتھ تھام کر تجھے اپنا پتی سوئیکار کرنے کو تیار ہوں۔ اس طرح تیرے من میں جو دھک دھک ہو رہی ہے' وہ بھی جاتی رہے گی' لیکن میں تجھے پا کر کھونا نہیں چاہتی گردھاری۔ اپنی چمکی پر وشواس کر۔ تو جب سینی ٹوریم سے نیا جیون لے کر ہنستا مسکراتا واپس آئے گا تو ہم بڑی دھوم دھام سے اپنا وواہ رچائیں گے۔ کیوں؟ ٹھیک ہے!"

"ٹھیک تو ہے چمکی...... لیکن سینی ٹوریم میں داخل ہو کر علاج کرانا ہم غریبوں کے بس کی بات......"

"پہلے مجھے بھی اس کی چنتا تھی' لیکن اب نہیں ہے۔" چمکی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"کیوں؟ اب کیا بات ہے؟"

"میں نے سینی ٹوریم کے ایک بڑے ڈاکٹر سے مل کر بات کر لی ہے۔" چمکی نے مسکرا کر بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بولا۔ "دو روز پہلے میں نے بڑے بازار میں ایک ننھی منی چاند سی بچی کے ہاتھ میں ربر کی بولنے والی گڑیا تھما دی تھی۔ وہ مجھے جانے کیوں اپنی اپنی سی لگی تھی۔ اس کے ماتا پتا بھی ساتھ تھے۔ بچی کی ماتا نے مجھے جھڑکا نہیں' بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر سو روپے کا مہکتا ہوا نوٹ پکڑانے کی کوشش کی تھی۔ تب میں نے جھک کر اس کے چرنوں کو ہاتھ لگا دیا۔ ہاں گردھاری' وہ ننھی منی پری جیسی بھولی بھولی معصوم بچی مجھے اس نوٹ سے زیادہ اچھی لگی

تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟" گردھاری نے چمکی کے چہرے پر ممتا کی کرن پھوٹتے دیکھ کر پوچھا۔" کیا اس دیوی نے تیری بنتی سویکار کرلی؟"

"ایسی ویسی" چمکی نے چہک کر اپنی جھوٹی کہانی میں ایک کڑی اور لگا دی۔" اس دیوی نے بھرے بازار میں سب کے سامنے مجھے اپنے چرنوں سے اٹھا کر گلے لگالیا۔ باتوں باتوں میں مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس بچی کا دیوتا سمان باپ سینی ٹوریم کا بڑا ڈاکٹر ہے۔ میں نے موقع دیکھ کر تیری بات نکالی تو اس نے بھی میرے سر پر ہاتھ رکھ کر وچن دیا کہ وہ تیرا علاج مفت میں کرے گا......اس کی دھرم پتنی نے بھی ہر طرح سے تیری سہائتا کرنے کو کہا تھا۔"

"تو نے میرے بارے میں انہیں کیا بتایا کہ...... تیرا کون ہوں؟" گردھاری نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"میں سمجھ رہی تھی کہ تو یہی سوال کرے گا۔" چمکی نے لجاتے ہوئے کہا۔" کبھی کبھی اپنا مطلب نکالنے کے کارن تو دیش کے بڑے بڑے نیتا بھی جھوٹ بول دیتے ہیں۔ میں نے بول دیا تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑا۔"

"کیا کہا تھا تو نے؟" گردھاری نے سپنوں کی دنیا میں ہچکولے لیتے ہوئے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"یہی......یہی کہ تو میرا گھر والا ہے۔" چمکی نے شرما کر منہ چھپایا تو وہ جھوٹ بھی چھپ گیا جو اس نے گھڑ کر سنایا تھا۔

چمکی کے من میں کوئی کھوٹ نہیں تھا' اس لئے بھگوان نے بھی اس کے جھوٹ کی لاج رکھ لی۔ اگلے روز ہی اتفاق سے اس کا ٹکراؤ ایک ایسے بھلے مانس سے ہوگیا جو سینی ٹوریم کا بڑا ڈاکٹر تو نہیں لیکن اسی کے آفس کا پرانا چپراسی ضرور تھا۔ اس نے چمکی کو وشواس دلایا تھا کہ وہ بڑے ڈاکٹر سے چمکی اور گردھاری کو اپنا رشتہ دار بتا کر بہت ساری رعایت بھی دلوا دے گا۔ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے گردھاری کا داخلہ بھی مفت کرا دے گا۔ اس نے چمکی کو یہ بات بھی بتا دی تھی کہ ٹی بی ہسپتال میں ڈاکٹروں کو کوئی فیس نہیں دینی پڑتی۔ اچھا کھانا پینا بھی سرکار کی طرف سے ملتا ہے لیکن پھل فروٹ اور صاف ستھرا پہننے اوڑھنے کا کچھ بندوبست ضرور برداشت کرنا پڑتا ہے۔ باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ سینی ٹوریم میں داخلے کی فہرست لمبی چوڑی ہونے کے کارن بڑی

بڑی سفارشیں بھی لانی پڑتی ہیں لیکن اس سلسلے میں بھی اس نے چمکی کی پوری پوری مدد کرنے کا وعدہ کرلیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ وہ چمکی کے اس جھوٹ کا بھرم بھی رکھنے کی کوشش کرے گا' جو اس نے گردھاری سے بڑے خلوص سے بول رکھا تھا۔

گردھاری کو سینی ٹوریم میں داخل ہوئے پورے دس دن گزر گئے تھے۔ بڑے ڈاکٹر نے چمکی کو اپنے دفتر میں بلا کر وشواس بھی دلایا تھا کہ گردھاری دو مہینے کے اندر اندر بھلا چنگا ہو جائے گا۔ اس نے بڑے ڈاکٹر کے پیروں کو ہاتھ لگا کر سچے من سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا' اس روز گردھاری سے مل کر وہ سینی ٹوریم سے نکلی تو سپنوں کی دنیا میں گم ہوگئی۔ اس نے سوچا' جب گردھاری اچھا ہو کر واپس گھر آ جائے گا تو وہ اسے لے کر سروپ نگر سے کہیں دور چلی جائے گی جہاں اس کا کوئی جاننے والا نہ ہو' پھر وہ کھلونے بیچنے کا دھندا بھی چھوڑ دے گی۔ گردھاری کما کر لائے گا' وہ اس کا گھر سنبھالے گی۔ اس کا اپنا گھر ہوگا' جہاں گردھاری کے سوا کوئی اس کے شریر کو ہاتھ نہیں لگا سکے گا اور جب اسکے اور گردھاری کے سچے پیار کی نشانی ایک گول مٹول بیٹے کی صورت میں جنم لے گی تو وہ دن بھر اس کے لاڈ پیار میں لگی رہے گی۔ اپنے ببلو کیلئے خود اپنے ہاتھوں سے اچھے اچھے کپڑے سیئے گی۔ بڑھیا صابن سے روز نہلایا کرے گی۔ جب وہ ذرا بڑا ہو جائے گا تو سارا سارا دن اس کے ساتھ اپنے آنگن میں کھیلا کرے گی۔ سانجھ گئے جب گردھاری تھکا ماندا گھر واپس آئے گا تو شوخ لہجے میں کہے گی...... ''لو سنبھالو اپنے شرارتی ببلو کو!...... سارا دن پورے گھر میں دھما چوکڑی مچاتا رہتا ہے''...... اور گردھاری اپنے جگر کے ٹکڑے کو چھاتی سے لگا کر' دن بھر کی تھکن بھول کر بڑے پیار سے کہے گا...... ''تو نے فضول بدنام کر رکھا ہے میرے منے کو۔ ذرا دیکھ تو غور سے' میرا ببلو کیسا راج دلارا لگ رہا ہے۔ تو میری ایک بات کو یاد رکھنا' ہمارا بیٹا بڑا ہو کر ہمارے سارے دلدر دور کر دے گا۔ ہم اسے کسی بڑھیا سے سکول میں پڑھا لکھا کر بڑا افسر ضرور بنائیں گے۔''

لیکن کیا ضروری ہے کہ لڑکا ہی ہو؟ ننھی منی پریوں جیسی بیٹی بھی تو جنم لے سکتی ہے۔ چمکی کو یہ خیال آیا تو وہ خود ہی شرما کے رہ گئی۔ گھر پہنچ کر وہ کچھ کھائے پیے بغیر ہی تھکی ماندی چارپائی پر لیٹی تو نیند کی آغوش میں ڈوب کر سپنوں کی دنیا میں گم ہوگئی۔ دوسری صبح آنکھ کھلی تو وہ پھر کام میں جت گئی۔ گردھاری کیلئے ناشتہ بنا کر پوٹلی میں باندھا' بازار سے ڈاکٹر کے بتائے ہوئے پھل خریدے'

بھر دو اڑھائی میل کا سفر پیدل طے کر کے سینی ٹوریم پہنچ گئی جہاں گردھاری دروازے سے آنکھ لگائے اس کی راہ تکتا رہتا تھا۔

چمکی کو اب پیسوں کیلئے کھلونوں کا بانس اٹھا کر گلیوں گلیوں چکر نہیں لگانا پڑتا تھا۔ اس نے اپنے اندر جس دوسری عورت کو جنم دیا تھا' اس کے اندر بھی چمکی جیسی ساری خوبیاں موجود تھیں۔ کیول ایک فرق تھا۔ دوسری عورت نے بات بات پر غصے میں آ کر اپنی طرف گندی اور میلی نظروں سے دیکھنے والوں کو کھری کھری سنانے کے بجائے انہیں رجھانے' اُلو بنانے اور نگاہوں نگاہوں میں اشارے کر کے لمبا لمبا مال ان کی جیبوں اور تجوریوں سے نکلوانے کا گر پوری طرح سیکھ لیا تھا۔ اس دوسری عورت کے اشاروں پر پالتو جانور کی طرح دم ہلانے والوں میں صرف لالہ اونکار ناتھ' پھمن یا سیٹھ کیدار ناتھ جیسی موٹی اسامی کے علاوہ اور بھی کئی سیٹھ ساہوکار اور کچھ دیس کے ایسے نیتا اور دن بھر رام رام جپ کر۔ پرایا مال اپنا کرنے والے دھرم کے جھوٹے نام لیوا بھی شامل ہو گئے تھے۔ ''جو کل کے وعدے'' پر ہی ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھر کر چمکی کو منہ مانگے دام چکتا کر دیتے تھے۔ اب اسے چمن لال جیسے لڑکیوں کے دلال یا اس کے دوست سب انسپکٹر جگدیش چند سے بھی ڈر نہیں لگتا تھا۔ وہ اپنے کسی بڑے چاہنے والے کی گود میں بیٹھ کر رضامندی ظاہر کر دیتی تو چمن لال جیسے دو ٹکے کے ملازم کو دوسرے ہی دن جوتے مار کر ملازمت سے نکال دیا جاتا۔ جگدیش کی بھی وردی اتر جاتی یا اس کا تبادلہ سروپ نگر سے کہیں اور کر دیا جاتا۔ پرنتو بات ابھی اس حد تک نہیں بڑھی تھی کہ اسے جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچانا پڑتا۔

گردھاری کے سینی ٹوریم میں داخل ہونے کے بعد سیٹھ کیدار ناتھ والے کیس کی ایک پیشی اور ہو چکی تھی' لیکن اس روز کیدار ناتھ کے وکیل نے تاریخ لے لی تھی۔ چمکی اس کو دل ہی دل میں گالیاں دیتی واپس لوٹ آئی۔ دوسری تاریخ ڈیڑھ مہینے کے بعد کی پڑی تھی۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا' چمکی کے خوشیوں کے آنگن میں پھول کھلنے کے دن بھی قریب آتے گئے۔ گردھاری بڑی تیزی سے زندگی کی طرف واپس لوٹ رہا تھا۔ چمکی بڑے ڈاکٹر سے ایک دو بار مل کر گردھاری کے بارے میں پوچھ بھی چکی تھی' لیکن اس دن تو خود بڑے ڈاکٹر نے سے اپنے دفتر میں بلا کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ''چمکی! گردھاری کیلئے تیرا سچا پیار اور تیری پرارتھنا پوری ہو گئی۔''

''مم...... میں سمجھی نہیں ڈاکٹر بابو۔'' اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ ''کوئی ایسی ویسی

بات تو نہیں ہے؟"

"نہیں پگلی' اب خطرہ ٹل چکا ہے۔ تیرا گردھاری زندگی کی طرف واپس آ گیا ہے۔"

"سچ ڈاکٹر بابو!" چمکی کے تن بدن میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔

"بالکل سچ" بڑے ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "ایک ہفتے بعد تو اسے واپس گھر لے جا سکتی ہے۔"

بڑے ڈاکٹر کے کمرے سے وہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی تو ایک نرس سے ٹکرا گئی۔

"کیا بات ہے چمکی؟" نرس نے اس کے ہونٹوں پر خوشی کو ناچتے دیکھ کر سوال کیا۔ "کیا تمہارے گردھاری کو چھٹی مل رہی ہے؟"

"ہاں دیدی۔ لیکن سات دن بعد۔" اس نے نرس کو جواب دیا' پھر دوڑتی ہوئی گردھاری کے کمرے میں داخل ہوئی جو اجلے بستر بیٹھا چم چم کرتے گلاس میں کوئی جوس پی رہا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" گردھاری نے پوچھا۔ "نرائن چپراسی بتا رہا تھا کہ تجھے بڑے ڈاکٹر نے بلایا تھا۔"

"ہاں گردھاری" چمکی نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔ "ایک ہفتے بعد تیری چھٹی ہو جائے گی۔ بڑے ڈاکٹر بابو نے کہا ہے کہ تو بالکل بھلا چنگا ہو گیا ہے۔ اب تجھے کسی سے منہ چھپا کر گھوں گھوں کر کے کھانسنا نہیں پڑے گا اور...... بگڑے ہوئے نزلے کا جھوٹ بھی نہیں بولنا پڑے گا۔"

گردھاری نے پہلی بار ہاتھ بڑھا کر چمکی کو بڑے پیار سے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور اس کے کانوں میں اتنا کہا "اور تجھے اپنا بنانے کے بعد تیرے رس بھرے ہونٹ بھی چوم سکوں گا۔"

"اس کیلئے تو تیری چمکی نے تجھے پہلے بھی کبھی نہیں روکا۔" وہ روانی میں کہہ گئی پھر شرما کر جلدی سے چہرے کو ہاتھوں میں چھپا کر کمرے سے باہر آ گئی۔

اس روز وہ آنے والے دنوں کے سندر سپنے دیکھتی چڑیا گھر کے پھاٹک کے قریب پہنچی تو پچھمن کو سامنے کھڑا دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ پچھمن کے ہونٹوں پہ نظر آنے والی معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر اس کے اندر کچھ اتھل پتھل سی ہونے لگی۔ وہ قدم اٹھاتی پچھمن کے قریب گئی تو اس نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے آج ہی پتا چلا کہ تو ادھر گردھاری کے کوارٹر میں رہتی ہے۔"

''کیا مجھ سے ملنے آیا تھا؟'' چمکی نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

''تیرے پاس پھر کسی سمے آرام سے آؤں گا۔'' کچھمن نے چمکی کو ہمیشہ کی طرح للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا' پھر سرسراتے لہجے میں بولا'' ویسے اس سمے بھی میں جس کام سے آیا تھا اس کا سمبندھ بھی تجھ سے ہی ہے۔''

''میں تیری بات نہیں سمجھی؟'' چمکی نے حیرت کا اظہار کیا۔'' میں نے تو تجھ سے کوئی کام نہیں کہا تھا۔''

''تو نے نہیں کہا تو کیا ہوا'' کچھمن کی نظریں چمکی کے شریر پر پھسلنے لگیں۔ اس نے آنکھ مار کر جواب دیا۔'' کچھمن کو تو خبر ہے کہ سروپ نگر میں تیری جوانی میں نقب لگانے کیلئے سب سے پہلے اس حرامی سیٹھ کیدار ناتھ نے کوشش کی تھی۔ جس کے کارن تو ابھی تک عدالت کے سنائے جانے والے کسی فیصلے کی سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔ مجھے یہ بھی خبر ہے کہ اس کے بھاڑو وکیل نے پچھلی پیشی پر نئی تاریخ لے لی تھی لیکن اب کیدار ناتھ اگلی پیشی پر خود تیرے خلاف اپنا مقدمہ واپس لے لے گا۔''

''تو یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ رہا ہے؟'' چمکی نے پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔

''تجھے خبر ہے کہ پچھلی پیشی پر نئی تاریخ کیوں لی گئی تھی؟''

''نہیں'' چمکی نے معصومیت سے جواب دیا۔

''کیدار ناتھ کی پتری ریکھا ولایت سے گٹ پٹ سیکھ آگئی ہے۔ دس بارہ روز بعد دیپک نامی ایک بڑے گھر کے لونڈے سے اس کا لگن ہونے والا ہے۔'' کچھمن نے مدھم آواز میں کہا ''سیٹھ نہیں چاہتا کہ دیپک یا ریکھا کے کانوں میں اس کے شیطانی پن کی بھنک پڑے۔ اس نے ان دونوں کو اگلی پیشی سے پہلے ہی دوبارہ موج کرنے کیلئے باہر بھیجنے کا معاملہ بھی سیٹ کر لیا ہے۔''

''لیکن وہ میرے خلاف مقدمہ کیوں واپس لے گا؟'' چمکی نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کیلئے میں نے اور چمن لال نے مل کر ایسا آنکڑا فٹ کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے کہ سیٹھ کی ماں بھی اگر دوبارہ جنم لے کر تیرے خلاف مقدمہ چلانے کی بات کرے تو بھی کیدار ناتھ خودکشی تو کر سکتا ہے لیکن تیرے بارے میں کچھ برا کرنے کا بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا...... کیا سمجھی میری بلبل!''

''تو...... تو چمن لال کو کب سے جانتا ہے؟'' چمکی نے تیزی سے سوال کیا۔

''ساگر میں ایک ساتھ بہنے والی لہریں اگر ایک دوسرے کو نہ جانیں گی تو اور کون جانے گا۔''

پچھمن نے الٹا ہاتھ چہرے پر پھراتے ہوئے کہا ''بس تو آج رات اور بیت جانے دے پھر میں سب کچھ سمجھا دوں گا۔ ابھی چلتا ہوں۔'' پچھمن تیزی سے آگے جانے کیلئے دو چار قدم بڑھا' پھر واپس پلٹ کر چمکی کے قریب آ گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈی نکالی اور پچاس کا ایک نوٹ زبردستی چمکی کی مٹھی میں دبا کر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا ''تو بھی کیا یاد کرے گی کہ کس رئیس سے پالا پڑا ہے۔''

پچھمن دوبارہ قدم مارتا دور نکل گیا تو چمکی خیالوں میں ڈوبی اپنے کوارٹر میں آ گئی۔ پچھمن کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ تو بس سوچ رہی تھی کہ چمن لال اور پچھمن کا گٹھ جوڑ اس کیلئے بھی خطرے کی کوئی گھنٹی نہ بجا دے؟

دو چار لقمے زبردستی زہر مار کرنے کے بعد جب وہ چارپائی پر لیٹی تو اس وقت بھی اس کے ذہن میں پچھمن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ پچھمن نے سامنے آ کر گردھاری کے صحت مند ہو کر گھر واپس آنے کی ساری خوشی بھی کرکری کر دی تھی۔

رات دس بجے تک چمکی چارپائی پر پڑی کروٹیں بدلتی رہی' پھر اس نے ایک لمبی جماہی لے کر آنکھ موندنے کی کوشش کی تو پچھمن کا ایک جملہ اس کی کھوپڑی میں صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگا' بس آج کی رات اور بیت جانے دے پھر میں تجھے سب کچھ بتا دوں گا۔'' اچانک چمکی ہڑبڑا کر سن گن لیتی چمن لال کے کوارٹر کی عقبی پتلی گلی میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب جا کر دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ اندر سے کسی کے سسکنے کی مدھم مدھم آواز آ رہی تھی' چمکی کا تجسس جاگ اٹھا۔

''اب رونا دھونا چھوڑو شریمتی جی۔ میں جو سمجھا رہا ہوں' وہ سیدھی طرح مان لو ورنہ پھر مجھے ٹیڑھی انگلیوں سے بھی گھی نکالنا آتا ہے۔'' چمن لال کی آواز چمکی کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ سمجھ گئی کہ اندر پھر کوئی پاپ کا ناٹک کھیلا جا رہا ہے۔

''نہیں'' کسی لڑکی کی سہمی ہوئی آواز ابھری ''میں مر جاؤں گی لیکن اپنے ساتھ کوئی پاپ نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتی ہوں۔ چمن لال مجھے جانے دو میں تمہیں منہ مانگا انعام دینے کو تیار ہوں۔''

''سبز باغ دکھا رہی ہے؟ اور وہ بھی چمن لال کو!'' چمن لال کے جواب میں کسی شیش ناگ کی پھنکار جیسی آواز شامل تھی۔ ''ایک بار تیری نظریں جھک گئیں تو میں سارا جیون تیرے باپ سے اصل کے ساتھ ساتھ بیاج بھی وصول کرتا رہوں گا۔ تو ایک ہی بار ٹر خانے کی بات کر رہی

ہے۔"

"مجھ پر دیا کرو چمن لال' میں تم سے ہاتھ باندھ کر بنتی کرتی ہوں' میرا جیون برباد مت کرو۔"

"چمن لال کی کمان سے جو تیر ایک بار نکل جائے' وہ کبھی واپس نہیں آتا۔" چمن لال نے کرخت آواز میں کہا۔ "ہنستے ہنستے میرا کہا مان لو ورنہ جو ہوگا' وہ بہت برا ہوگا۔ میں نے تمہارے شریر کے کپڑے پھاڑ کر آگ میں جھونک دیئے تو پھر کوارٹر سے باہر نکلنے کے قابل بھی نہیں رہ جاؤ گی۔"

"نہیں...... نہیں" لڑکی کی خوفزدہ آواز ابھری پھر اس نے ایک آخری حربہ استعمال کرنے کی خاطر بڑے کمزور لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے مجھے تباہ کرنے کی بھول کی تو پھر تم لوگ بھی نہیں بچ سکو گے۔"

"اب بڑے اونچے سروں میں بول رہی ہو ریکھا دیوی۔ دیپک کا نام سن کر اس کا پہلو گرم کرنے کیلئے کتنی خاموشی سے گھر سے نکل آئی تھیں۔"

"تم دھوکے باز ہو...... کمینے ہو...... میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔" ریکھا کی اونچی آواز بس ایک لمحے کو رات کے سناٹے میں گونجی پھر گھٹ کر رہ گئی۔ شاید چمن لال نے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔

چمکی ریکھا اور دیپک کا نام سن کر چونکی۔ پھمن نے یہی بتایا تھا کہ ریکھا سیٹھ کیدار ناتھ کی بیٹی تھی جو لندن سے شادی کرنے کے کارن آئی تھی اور...... دیپک اس کا منگیتر ہوگا' جس سے ریکھا کا لگن ہونے والا تھا۔ چمکی نے دماغ پر زور ڈالا تو اس کی سمجھ میں یہ بھی آ گیا کہ پھمن نے اگلی پیشی پر سیٹھ کیدار ناتھ کی طرف سے کیس واپس لینے والی بات پورے وشواس سے کیوں کہی تھی!

چمکی ابھی اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے ایک کار کی آواز سنی' جو چمن لال کے کوارٹر کے باہر آ کر رکی تھی۔ آنے والے نے گاڑی کی بتی نہیں جلائی تھی۔ چمکی نے دیوار کی آڑ سے...... دیکھا تو پولیس کی وردی والا ایک آدمی نشے میں دھت کار سے اترا پھر لڑکھڑا کر آگے بڑھ کر اس نے چمن لال کے دروازے پر رک رک کر تین بار ہاتھ مارا تھا۔

"جگدیش......" چمکی کے دماغ میں ایک ہی نام گونجا۔ گردھاری نے اسے بتایا تھا کہ چمن لال نے پولیس کے ایک سب انسپکٹر سے دوستی گانٹھ رکھی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے مفت کام آتے تھے۔

چمکی کے ذہن میں یہی باتیں چکرانے لگیں۔ وہ کیدار ناتھ ہی تو تھا جس نے چمکی کو جھوٹے مقدمے میں پھانس رکھا تھا۔ صرف اس لئے کہ اس نے کیدار ناتھ کی ہوس کی آگ بجھانے کے بجائے نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ آج اسی بڑے سیٹھ کی لڑکی جگدیش کے ہاتھوں لٹنے والی تھی۔ چمکی نے سوچا اسے خاموشی سے وہاں سے ہٹ جانا چاہئے' جب بھگوان اور دھنوان ہی دھرتی پر ایسے ناٹک رچا رہے تھے تو وہ کون ہوتی تھی' ان کے رنگ میں بھنگ ڈالنے والی......

لیکن پھر چمکی کے اندر کی دوسری عورت تڑپ کر بیدار ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ عورت ہونے کے ناتے ریکھا بھی اس کی بہن سمان ہے' جسے بچانا اس کا دھرم بھی ہے۔ پھر جب دروازہ کھلنے پر جگدیش نے اندر جانے کو قدم اٹھایا تو چمکی نے پیچھے سے زوردار دھکا دیا۔ وہ نشے میں ہونے کی وجہ سے لڑکھڑا کر گرا تو چمکی بجلی کی طرح کوندتی ہوئی اندر چلی گئی۔

''تو......'' چمن لال نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا اور کڑک کر بولا۔ ''الٹے قدموں واپس چلی جاورنہ آج میں تیرا کریا کرم کرنے سے بھی منہ نہیں موڑوں گا۔''

''تو مرد ہو کر عورتوں کی دلالی کرتا ہے حرامی کے پلّے اور آنکھیں بھی دکھاتا ہے؟'' چمکی نے غرا کر کہا' پھر وہ کسی جنگلی بلی کی طرح چمن لال سے لپٹ گئی اور چلا کر ریکھا سے بولی۔

''جلدی کر ریکھا...... بھاگ جا یہاں سے ورنہ یہ شکاری کتے تجھے بھی بھنبھوڑ ڈالیں گے۔ دیر مت کر میری بہن نکل جا......''

جتنی دیر میں جگدیش سنبھل کر اٹھتا اور چمن لال چمکی سے جان چھڑاتا ریکھا چمکی کو تشکر بھری نظروں سے دیکھتی تیزی سے لپک کر جگدیش کو پھلانگتی باہر نکل گئی۔ غصے میں بھرا ہوا چمن لال چمکی پر ٹوٹ پڑا' اسے گھسیٹتا ہوا اندر کمرے میں لے گیا' پھر ایک لمحے بعد چمکی نے جگدیش کی آواز سنی۔

''یہ سودا بھی برا نہیں رہے گا چمن لال۔ تم باہر جاؤ' اس کبوتری کو پکڑنے کی کوشش کرو جو ہاتھ سے نکل گئی۔ اس جنگلی ہرنی کو میں قابو کرتا ہوں۔''

چمن لال باہر کی طرف لپکا تو جگدیش نے آگے بڑھ کر چمکی کے سر پر کچھ مارا۔ اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔ چمن لال باہر نکل کر ریکھا کو ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتا رہا اور...... چمکی بے ہوشی میں پوری طرح لٹ گئی برباد ہوگئی!!

❀❀❀

عدالت کا کمرا آج بھی کھچا کھچ بھرا تھا۔آج بھی وہی شکلیں نظر آ رہی تھیں جنہیں وہ کئی بار دیکھ چکی تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ان مانوس چہروں پر اجنبیت کے اثرات گہرے ہو گئے تھے۔ کل تک وہ چمکی کے پیچھے دم ہلائے پھرتے تھے' آج ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی اپنی آوازوں میں بھونک رہے تھے۔ گردھاری بھی ایک طرف کونے میں دیوار سے لگا چمکی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔چمکی کی گرفتاری کی خبر اسے سینی ٹوریم کے ملازم نے دی تھی جسے سن کر وہ دیوانوں کی طرح بھاگا چلا آیا تھا۔

''مجھے تو پہلے دن سے شبہ تھا کہ یہ عورت اچھے چال چلن کی نہیں تھی۔ کھلونے بیچنے کے بہانے گاہک تلاش کرتی پھرتی تھی۔'' جیون ناتھ نے اپنے ساتھی سے کہا'' جرا صورت تو دیکھو اس کی۔ چار سو کے نشان جدہ نوٹوں کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑ گئی پھر بھی کیسی بھولی بنی سر جھکائے کھڑی ہے۔''

''ایک نمبر کی چھٹی ہوئی پاپن ہے۔'' لالہ اونکار ناتھ نے دل کے پھپولے پھوڑتے ہوئے کہا'' میری کھولی کا بھاڑا کسی یار کا مال سمجھ کر چٹ کر گئی۔ میں نے گریب جان کر اس کی باتوں پر وشواس کیا تھا اور سالی مجھے چونا لگا گئی۔ بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔''

''گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا ہے حرام جادی نے۔'' رام اوتار...... حقارت سے بولا ''گردھاری بے چارے کو بیماری کے بہانے سینی ٹوریم میں داخل کرا دیا اور خود اس کے کوارٹر میں دھندا کرنے لگی۔ چمن لال بتا رہا تھا کہ پولیس نے کوارٹر کی تلاشی پر سات آٹھ ہجار کی رقم بھی برآمد کی ہے۔ جانے کس کس کا پہلو گرم کر کے کمائی کی ہوگی۔''

''اور ہمارے سامنے سیتا کا روپ دھار کر بڑی بڑی باتیں کرتی تھی۔'' گنگو پنواڑی نے بھی دوسروں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''قصور اس کا بھی نہیں۔'' راموتیلی نے گنگو کے کان میں سرگوشی کی'' سارا چمتکار نیلی چھتری والے کا ہے جس نے چھپڑ پھاڑ کر اس میں اتنی جوانی کوٹ کوٹ کر بھر دی کہ سنبھالے نہیں سنبھلی۔''

''تو چنتا مت کر۔'' گنگو برہم آواز میں بولا'' جیل جائے گی تو پولیس کے ہٹے کٹے سانڈ دو دن میں اس کی ساری مستی نکال کر ایک طرف دھر دیں گے۔''

''سالی نے جھوٹا الزام دھرا تھا کیدار ناتھ پر۔'' رامو نے سندر نرائن سے کہا'' اب پتا چلے گا اس کو کہ کتنے بیسی کے سو ہوتے ہیں۔''

''پولیس نے اپنے کسی آدمی کو جعلی گاہک بنا کر بھیجا ہوگا ورنہ یہ اتنی آسانی سے قابو میں کبھی نہ آتی۔'' پھمن کے بجائے پاس کھڑے نتھو جولاہے نے جواب دیا تو پھمن جھلا کر بولا۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سارا چکر خود پولیس نے چلایا ہو۔ یہ وردی والے بھی جب اپنا الو سیدھا نہیں کر پاتے تو قانونی چکروں میں پھانس لیتے ہیں۔''

اس لمحے انصاف کا دیوتا اپنے چیمبر سے نکل کر سامنے آیا تو سب ہی خاموش ہو گئے۔ ایک گردھاری تھا جو ابھی تک من ہی من میں چمکی کیلئے بھگوان کے آگے جھولی پھیلائے' اس کے نردوش ثابت ہونے کی پرارتھنا کر رہا تھا۔ اسے وشواس تھا کہ چمکی ویسی نہیں تھی جیسا کہ سرکاری وکیل منہ تانے کھڑا...... اس کے خلاف زہر اگل رہا تھا۔ سب کان لگائے اس کی باتیں سن رہے تھے جو گردھاری کے خیال کے مطابق جھوٹ کے پلندے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جج بھی اپنے اونچے استھان پر بیٹھا سامنے رکھے پیڈ پر بار بار کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

سرکاری وکیل کا بیان ختم ہوا تو جگدیش نے فرضی گاہک اور گواہ پیش کئے' وہ نوٹ بھی جج کے سامنے رکھ دیئے جس پر مجسٹریٹ کے دستخط تھے۔ اس کے ساتھ کچھ گندی تصاویر بھی لفافے سے نکال کر جج کے روبرو پیش کر دیں' جس میں چمکی کو کپڑوں کی قید سے آزاد دکھایا گیا تھا۔ تصویر میں چمکی کی دونوں آنکھیں بند نظر آ رہی تھیں۔

جج ساری باتوں کو گواہوں کے بیانات' نشان زدہ نوٹ اور سب سے بڑا ثبوت چمکی کی برہنہ تصویر کو اپنی کسوٹی پر پرکھتا رہا' پھر اس نے نظریں اٹھا کر مجرموں کے کٹہرے کی جانب دیکھا جہاں چمکی سر جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

''مجرم چمکی! کیا تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے'' جج کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے نظریں گھما کر اگلی صف میں بیٹھے ہوئے سیٹھ کیدار ناتھ' ریکھا اور ریکھا کے برابر بیٹھے ہوئے ایک خوبصورت نوجوان کو باری باری دیکھا۔ سیٹھ کیدار ناتھ کی نظروں میں ایک خاص چمک تھی جیسے وہ چمکی سے کہنا چاہ رہا ہو...... ''دیکھ لیا تو نے اپنا انجام' میرے چنگل سے بچ کر نکلی تو پولیس کے جال میں پھنس گئی۔''

ریکھا کے برابر بیٹھا ہوا نوجوان مقدمے کی کارروائی سے قطعی غیر متعلق نظر آ رہا تھا' پھر چمکی کی نظریں ریکھا کی نظروں سے ٹکرائیں تو ریکھا کا کہا ہوا ایک جملہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔

''مجھ پر دیا کرو چمن لال' میں تم سے ہاتھ باندھ کر بنتی کرتی ہوں۔ میرا جیون برباد مت

کرو۔''

چمکی کے اندر کی ''دوسری عورت'' پھر کروٹ لے کر جاگ اٹھی۔ اس نے ایک آخری فیصلہ کرلیا۔'' وہ اپنی صفائی میں ایک شبد بھی نہیں کہے گی۔ خود تو وہ برباد ہو چکی تھی لیکن ایک ناری ہونے کے ناتے کسی دوسری ناری کا جیون تو بچا سکتی تھی......!!''

انصاف کے اندھے دیوتا نے بار بار چمکی کو صفائی پیش کرنے کی دعوت دی، لیکن چمکی کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی رہی تو جج نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''سرکاری وکیل کی روداد، موقع کے گواہوں اور سب انسپکٹر جگدیش کا بیان سننے اور نشان زدہ نوٹ اور مجرمہ چمکی کی تصویریں دیکھنے کے باوجود اس عدالت نے مجرمہ چمکی کو صفائی پیش کرنے کی دعوت دی، لیکن اس کی مسلسل خاموشی بھی اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ مجرمہ چمکی کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ بھی نہیں...... اس لئے...... یہ عدالت مجرمہ چمکی کو حالات اور واقعات کی روشنی میں تین سال قید کی سزا سناتی ہے اور سب انسپکٹر جگدیش کو محکمے کی طرف سے اعزازی سرٹیفکیٹ اور مناسب انعام دینے کی سفارش بھی کرتی ہے۔''

جج اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ گیا تو ہجوم میں پھر چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ پولیس چمکی کو گھیرے میں لئے باہر نکل کر جیل جانے والی گاڑی کی طرف بڑھی تو دفعتاً گردھاری ہجوم کو چیرتا ہوا سامنے آ کر بڑی گلوگیر آواز میں بولا۔ ''نراش مت ہونا چمکی۔ میں جانتا ہوں کہ تیرے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ گردھاری کی نظروں میں تو گنگا جل کی طرح پوتر ہے، نردوش ہے۔ تین سال تو کیا، تین جنم تک گردھاری تیرا انتظار کرے گا، مجھے بھول مت جانا......''

چمکی نے پلٹ کر گردھاری کو بس ایک نظر دیکھا، پھر گردن جھکا کر آگے بڑھ گئی۔ گردھاری بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

❁❁❁

ابھاگن

مدھیہ پردیش میں باگاھاٹ اور ناگپور کے درمیان درگانگر کی آبادی تین ہزار پریوار کے لگ بھگ تھی۔ کبھی یہ علاقہ کسی ودھوا کے سہاگ کی طرح اجڑا اجڑا اور ویران نظر آتا تھا۔ سال دو سال میں کبھی کبھی خانہ بدوشوں کی کوئی ٹولی یہاں کچھ دنوں کیلئے پڑاؤ ضرور ڈال لیتی تھی' لیکن پھر سارا علاقہ غیر آباد ہو جاتا تھا۔

درگانگر کی کہانی سنانے والے جانے کیسی کیسی باتیں من سے گھڑ گھڑ کر سناتے ہیں' پرنتو سچائی کیول یہ ہے کہ اس جگہ کو درگا نامی ایک ودھوا ہی نے سب سے پہلے آباد کیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے درگا کی طرح اور بھی کئی ایسے پریوار...... سیٹھ ساہوکاروں نے جن کا جینا مرنا دوبھر کر دیا تھا' اپنا برتن باسن سمیٹ کر اسی علاقے میں سر چھپانے آ گئے' پھر جب آبادی دس بارہ ہزار ہو گئی تو یہاں کے باسیوں نے اس کا نام درگانگر رکھ دیا' جسے حکومت کے کھاتوں میں بھی درج کر لیا گیا۔ مدھیہ پردیش کے کچھ بڑوں نے اس کی طرف دھیان دیا تو یہاں اسکول اور ڈاکخانہ بھی کھل گیا۔ کمیٹی والوں کی بلڈنگ بھی بن گئی' جس کے بعد مٹی کی لالٹین کے نظر نہ آنے والے دھویں سے بھی سب کو چھٹکارا مل گیا تھا۔ گھروں میں نلکے لگنے شروع ہوئے تو دور دریا سے گھڑے کولھے پر لاد لاد کر پانی لانے والی لڑکیوں اور عورتوں کو بھی نجات مل گئی۔ درگانگر نے جب ایک بستی کی شکل اختیار کر لی تو سب ہی چھوٹے بڑوں نے سکھ کا سانس لیا۔

اسی درگانگر کے پوسٹ آفس میں شرمانا تھ جی اسسٹنٹ پوسٹ ہو کر بھنڈارا کے علاقے سے آئے تھے۔ ان کا تعلق پنڈت پجاریوں کے خاندان سے تھا۔ وہ خود بھی دھرم کرم کے معاملے میں سب سے آگے آگے رہتے تھے اس لئے درگانگر میں بھی ہر جانب اس کی جے جے کار

ہونے لگی۔بستی کے سارے لوگ ان کو بڑی عزت کی نظروں سے دیکھتے تھے' بڑا مان کرتے تھے ان کا۔اس کا ایک کارن یہ تھا کہ شرما جی نے دان پن کے معاملے میں بھی اپنا ہاتھ ہمیشہ کھلا رکھا تھا۔

درگانگر میں جہاں تین چوتھائی لوگ شرما جی کے نام کی مالا جپتے تھے وہاں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کا کہنا تھا کہ شرما جی کا بستی والوں سے میل ملاپ' جھک جھک کر ملنا اور سب کے کام آنا کیول ڈھونگ ہے۔اس کا کارن وہ یہ بتاتے تھے کہ شرما جی کو ریٹائر ہونے میں دو تین سال اور باقی تھے' جس کے بعد انہوں نے درگانگر کی کمیٹی کی طرف سے صوبائی الیکشن لڑنے کی ٹھان رکھی تھی اور سیدھے سادے لوگوں کو اپنا بنانے کی خاطر دیش بھگتی اور پنڈت پجاریوں کی آڑ میں دان پن کر کے اپنا ووٹ بینک بنانے کی چالا کی میں لگے ہوئے تھے۔

سچ کیا تھا اس کا علم بھگوان کے سوا کسی کو نہیں تھا' لیکن حقیقت یہ تھی کہ شرما جی بہت نیک' سیدھے' سادے اور بڑے دیالو آدمی تھے۔ان کی دھرم پتنی ادشا دیوی نے بھی بستی کی عورتوں میں اونچا استھان حاصل کر رکھا تھا۔شرما جی کی طرح وہ بھی بہت ملنسار تھیں اور اونچ نیچ کا خیال کئے بغیر آڑے وقتوں میں سب کی سہائتا کرنے کو اپنا دھرم سمجھتی تھیں لیکن......ان کی بیٹی پورنیما جسے اس کی ہم عمر سکھیاں پورن کے نام سے یاد کرتی تھیں' عادت واطوار سے ماتا پتا دونوں سے مختلف تھی۔ اسے دھرم کرم کی باتوں سے کوئی سمبندھ نہیں تھا۔شاید اس لئے کہ وہ ''جوانی دیوانی'' کی کہاوت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔چودہ سال کی عمر میں ہی اس نے ایسا رنگ روپ نکالا تھا کہ بستی کے تمام کنوارے اسے دیکھ کر آہیں بھرا کرتے۔

اس کا نام بھی پورن اس لئے پڑ گیا تھا کہ وہ درمیانہ قد ہونے کے ساتھ ساتھ بھرپور رنگ روپ اور سندر ہونے کے علاوہ بھرپور جوانی کی سرحدیں پھلانگتی نظر آتی تھی۔اس کی اٹھان دیکھ کر ادھیڑ عمر کے لوگ بھی اپنی گھر والیوں سے منہ چھپا چھپا کر ٹھنڈی آہیں بھر لیتے تھے۔

پورنیما ایک الھڑ ہرنی تھی' جو پوری بستی میں قلانچیں بھرتی پھرتی تھی۔وہ کسی چڑھتی ندی کی ایسی موج تھی جو کناروں کو بھی پھاندنے کے کارن اپنا زور لگاتی رہتی ہے۔دیسی چمپا کا ایسا مہکتا پھول تھی جو پتیوں کے بیچ چھپا ہونے کے باوجود ہر طرف اپنی خوشبو' اپنی مہکار بکھیرتا رہتا ہے۔ایسی الھڑ اور لشکارے مارتے سندر شریر کی مالک تھی جس نے بستی کے سارے نوجوانوں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا' لیکن اتنی معصوم بھی تھی کہ اسے خود اپنی حقیقت کے بارے میں کوئی جانکاری نہیں تھی' وہ

سب سے ہنستی بولتی، سب کے ساتھ چہلیں کرتی، لیکن یہ دھیان بھول کر بھی اس کے من میں کبھی نہیں آیا کہ دوسرے اسے کن کٹیلی نظروں سے گھورتے ہیں۔ ان کے وچاروں میں کتنا گند بھرا ہوتا تھا۔ وہ پورنیا کو نگاہوں سے دل میں اتار کر کس طرح کے سپنے بنتے تھے۔ کس کس طرح اس کی من میں بسی تصویر میں آتما پھونک کر اسے زندہ کر لیتے تھے، پھر اس کے انگ انگ کو کسی بھوکے درندے کی طرح بھنبھوڑتے تھے۔ کیسے کیسے وچار ان کو گدگداتے تھے، پھر جب ان کی آنکھ کھلتی تو وہ سارے کے سارے دوشی ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ جاتے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ مرد بنے...... آگے بڑھ کر پورنیا کا ہاتھ تھام لے۔ اسے بستی سے گھسیٹ کر کسی دور ویرانے میں لے جائے۔ اپنے من کی پیاس بجھانے کے کارن جان ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سندر شریر پر اپنی بہادری کی چھاپ لگا دے۔ شرما ناتھ کی وجہ سے سب ہی ڈرتے تھے اور دور ہی دور سے کیول آنکھیں سینکنے اور ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرنے پر گزارہ کرنے پر مجبور تھے۔

پورنیا کبھی بازار سودا سلف لانے کسی دکان پر جاتی تو پنساری سودا تولنے کے ساتھ ساتھ اپنی جوانی کے پلڑوں میں اپنی سفلہ خواہشیں اور پورنیا کی جوانی کے بھید بھاؤ بھی تولتا رہتا تھا۔ پوری بستی میں ایک مدن ہی ایسا ویوپاری تھا جو صرف اپنے کام سے کام رکھتا۔

مدن نے ڈاکخانے کے قریب ہی میدان کے ایک کونے میں گنا پیلنے کی دستی چرخی لگا رکھی تھی۔ گاؤں کے سارے شوقین اسی کے ٹھیلے پر کھڑے ہو کر گنے کے سوندھے سوندھے اور ٹھنڈے رس کے گلاس پیا کرتے تھے۔ پورنیا کے علاوہ اس کی سب سے چہیتی سہیلی بندیا کو بھی گنے کا رس پینے کا شوق تھا۔ وہ دونوں ہفتے میں تین چار بار مدن کے ٹھیلے پر ضرور جاتی تھیں، لیکن مدن نے کبھی بھولے سے بھی آنکھ اٹھا کر پورنیا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ شاید اس کا کارن یہ تھا کہ وہ اپنی ودھوا ماں کا اکیلا کماؤ پوت تھا اور غریب بھی تھا، اس لئے صرف اپنے دھندے سے جتا رہتا تھا۔ پورنیا نے بھی کبھی مدن پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ بندیا دوسروں سے نظریں بچا کر رس پیتے سمے بار بار مدن کو تاڑتی رہتی تھی۔ شروع شروع میں پورنیا نے اس آنکھ مچولی پر غور نہیں کیا لیکن جب اس نے بندیا کے من کا چور پکڑ لیا تو ایک دن اسے چھیڑنے کی خاطر بولی۔

"بندیا! ایک بات پوچھوں، سچ سچ بتائے گی؟"

"ایسی کیا بات ہے جو تو مجھ سے اجازت مانگ رہی ہے؟" بندیا نے شکوہ کیا۔ "پوری بستی کی لڑکیاں جانتی ہیں کہ میرے تیرے بیچ دوستی کا کیسا بندھن ہے۔ میں نے کبھی تجھ سے کوئی بات

بھی نہیں چھپائی، پھر آج تو کیا کھوجنے بیٹھ گئی۔"

"پہلے وچن دے کے تو اپنے من کا بھید بتانے میں کوئی کتر بیونت نہیں کرے گی۔"

بندیا نے گہری نظروں سے پورنیما کو دیکھا۔ وہ اس سے عمر میں تین سال بڑی تھی، اس لئے زیادہ عقلمند اور گھاگ بھی تھی۔ ایک دو جگہ اس کی سگائی کی بات بھی چل رہی تھی، اس لئے اس نے زنت کوئی جواب نہیں دیا۔

"کس وچار میں گم ہے؟" پورنیما نے بھولپن سے کہا پھر اس زور کی چٹکی بھری کہ بندیا تلملا کر رہ گئی۔

"کیا دیوانی ہوگئی ہے؟" اس نے پورنیما کو گھور کر دیکھا۔ "سیدھی طرح بات نہیں کرسکتی؟"

"ایسے نہیں...... پہلے وچن دے۔"

"اچھا بابا، وچن دیتی ہوں...... چل اب پوچھ۔ کیا کھد بد ہو رہی ہے تیرے من میں؟"

"مدن کے سامنے تیری نظریں بہکتی کیوں رہتی ہیں؟" پورنیما نے اسے شوخ نظروں سے ھورا۔

"کس نے کہہ دیا؟"

"بندیا کی بچی......" پورنیما کے تیور بدل گئے۔ "تو نے سچ بولنے کا وچن دیا ہے۔ میں کسی کی سنائی نہیں، اپنی نظروں سے دیکھی بات پوچھ رہی ہوں۔"

"کسی اور کے سامنے تو زبان نہیں کھولے گی؟" بندیا نے دبی زبان میں کہا تو پورنیما سمجھ گئی ھری بات کیا ہے۔

"مدن تجھے اچھا لگتا ہے نا؟" اس نے بندیا کے قریب ہو کر رازداری سے پوچھا۔

"ہاں......" بندیا نے سنبھل کر کہا پھر پورنیما کی جھیل جیسی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ۔ "کیا تو نے کبھی اسے غور سے نہیں دیکھا، کیسا گبرو اور سندر جوان ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر "

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تیرے ماتا پتا کو بھنک مل گئی تو وہ کیا سوچیں گے؟" پورنیما نے ی سے کہا۔ "تو نے تو کہا تھا کہ تیرے رشتے کیلئے راجن اور سریش کے درمیان رسا کشی ہو ہے۔ تیرے پتا کو سریش پسند ہے، لیکن تیری ماتا جی راجن کے حق میں ہیں، پھر تو مدن کیلئے ا دیوانی ہو رہی ہے؟"

''یہ بات ابھی تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔'' بندیا نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''تو...... تو سمجھا دے۔'' پورنیا چڑ کر بولی۔ ''ہر بات میں تو زیادہ سیانی بننے کی کوشش کرتی ہے اور مجھے مٹی کا مادھو سمجھتی ہے۔''

''ناراض ہو گئی؟'' بندیا نے اس کا ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے کہا۔ ''ایک تو ہی تو ہے جس سے پوری بستی میں مجھے سب سے زیادہ پیار ہے۔''

''جانتی ہوں...... لیکن تو نے مدن والی بات میں یہ کیوں کہا کہ میں نہیں سمجھ سکوں گی۔ کیا تو مجھے دودھ پیتی بچی سمجھتی ہے؟''

''تو غلط مطلب نکال رہی ہے پورن۔'' بندیا نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔

''میں نے مدن کے بارے میں تیرے سوال سے انکار تو نہیں کیا۔ کہہ تو دیا کہ وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔''

''پھر...... وہ کیا بات تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ سکتی؟'' پورنیا نے بندیا کو پھر سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''اچھا...... میری ایک بات کا جواب دے' کیا تجھے نیرا اور تاڑی کا فرق معلوم ہے؟''

''دونوں ہی تاڑ کے درخت کے پھل سے نکلے ہوئے رس ہوتے ہیں۔'' پورنیا نے جواب دیا تو بندیا مسکرا کر بولی۔

''یہی تو بات ہے بھولی رانی کہ تجھے ان کا فرق نہیں معلوم...... نیرا ہر کوئی پی سکتا ہے لیکن جب تاڑ کے پھل کو سورج کی پہلی کرن چھوتی ہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے جسے تاڑ کہتے ہیں۔''

''بات کیا بنی؟'' پورنیا نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''ابھی تو نیرا ہے۔'' بندیا معنی خیز انداز میں بولی۔

''سورج کی کرن نے ابھی تجھے نہیں چھوا' ورنہ تیرے اندر بھی نشہ پیدا ہو جاتا۔ پھر مدن جیسے سندر اور گبرو جوان کو دیکھ کر تیرے من میں بھی گدگدی ضرور ہوتی۔''

پورنیا اتنی بچی بھی نہیں تھی کہ بندیا کی وضاحت کے بعد بھی کچھ نہ سمجھتی۔ اس کے گدرائے ہوئے گالوں پر ایک رنگ آ کر گزر گیا' اس نے دبی زبان میں کہا۔

''تو نے اس بات پر بھی دھیان نہیں دیا کہ گنا جب چوتھی بار مشین کی چرخی سے گزر کر پھوک بن جاتا ہے تو مدن اسے کتنی بے دردی سے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیتا ہے؟''

''تو نے کتنی گہری بات کہہ دی۔'' بندیا نے پورنیما کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا پھر مدھم سروں میں بولی۔'' اس کا مطلب بھی جانتی ہے؟''

''ہاں...... پورنیما نے مسکرا کر جواب دیا۔'' پرش جب کسی بات کا عادی ہو جائے تو اسے آسانی سے نہیں چھوڑتا۔ میری مان' تو راجن اور سریش میں سے کسی ایک کا دامن تھام لے۔ مدن کا دھیان من سے نکال دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدن تجھ جیسی سندر اور رسیلی ناری کے کومل شریر کے اکھ (مونث) کو بھی اپنی چرخی میں کچھ دنوں پیلنے کے بعد سارا رس نکال کے پھر پھوک سمجھ کر تجھے بھی نظروں سے گرا دے۔''

''پورن......'' بندیا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پورنیما کو بہت غور سے دیکھا۔'' کہاں سے سیکھ لی ہیں تو نے اتنی گہری باتیں؟''

''میں بھی اسی بستی میں سانس لے رہی ہوں جہاں تو پل کر جوان ہوئی ہے۔ پرش کی میلی نظروں کی پہچان ہے مجھے لیکن میں جان بوجھ کر انجان بنی رہتی ہوں۔''

اور بندیا کو پورنیما کی بات سن کر اپنے کانوں پر وشواس نہیں آ رہا تھا۔ دیکھنے میں وہ کتنی بھولی اور معصوم نظر آتی تھی لیکن اسکے وچار' اس کی سوچ کسی گہرے ساگر سے بھی زیادہ تھی۔ بندیا اسے پہلی بار بہت غور سے دیکھنے لگی۔

''ایسے کیا ٹکر ٹکر گھور رہی ہے؟'' پورنیما نے لہک کر پوچھا۔

''دیکھ رہی ہوں کہ اب تو کتنی سیانی ہو گئی...... اوپر سے بھولی بھالی اور اندر سے چتر چالاک۔''

''پوسٹ ماسٹر شرما ناتھ کی پتری ہوں' جو سارا دن بند لفافوں پر ٹھپے لگا لگا کر پوری بستی میں بانٹتا رہتا ہے۔'' پورنیما نے بڑی شان سے جواب دیا۔

''مگر تو' تو اپنے پتا سے بھی زیادہ سیانی ہو گئی ہے۔ وہ تو بند لفافوں پر ٹھپا لگاتا ہے' لیکن تیرے کنول جیسے نین تو لفافے کے اندر کا لکھا بھی تاڑنے لگے ہیں۔'' بندیا شوخی سے بولی۔'' میں تجھے اتنا گہرا نہیں سمجھتی تھی۔''

پورنیما نے کوئی جواب نہیں دیا' لیکن بندیا کی زبان سے اپنی تعریف سن کر وہ کڑی کمان کی

طرح کچھ اور اکڑ گئی۔

''ایک بات میں بھی پوچھوں؟''

''اب تیرے من میں بھی کھد بد شروع ہوگئی۔''

''ٹالنے کی کوشش مت کر میری بھولی رانی۔ سچ بتا کہ تو نے کس بھاگوان کو اپنے من مندر میں سجا رکھا ہے؟'' بندیا نے رازداری سے پوچھا۔ ''کوئی تو ہوگا؟''

''ہماری بستی میں کیول منش نہیں بستے کچھ مویشی بھی رہتے ہیں۔ ان میں ایسے کتے بھی ہیں جو سندر ناریوں کو دور بیٹھے بھوکی نظروں سے تاڑتے رہتے ہیں۔ ان کے پیٹ میں زیادہ مروڑ ہوتی ہے تو اپنی گندی زبان لپلپانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں ان سب کی بھوکی نظروں کو پہچانتی ہوں۔''

''کسی غریب کو چارا ڈالنے کا نہیں سوچا؟''

''ماتا جی تو میری ٹھان دیکھ کر نئے دن پتا جی کے کان کھاتی رہتی ہیں کہ چھوری اب سیانی ہوگئی ہے۔ جان پہچان والوں میں کوئی اچھا بر تلاش کر کے اسے بھی کسی کھونٹے سے باندھ دو' لیکن پتا جی ہر بار یہی کہتے ہیں کہ ابھی نہیں۔ اپنی پورن ابھی چودہ سال کی ہے' ایک دو سال اور اپنے گھر' اپنے آنگن میں سکھ کے سانس لے لے پھر اس کا وواہ بھی کر دیں گے۔''

اپنے گونے کی بات سن کر تیرے من میں لڈو بھی ضرور پھوٹتے ہوں گے؟''

''میں نے لڈو پھوٹنے پر کبھی دھیان بھی نہیں دیا۔'' پورنیا نے مسکرا کر کہا۔ ''جب کہیں سگائی کی بات چلے گی پھر سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''کیا مطلب ہے تیرا؟'' بندیا نے اسے چونک کر گھورا۔ ''جب چاچا چاچی تیری بات پکی کر دیں گے تو پھر سوچنے کو کیا رہ جائے گا؟''

''یہی تو میں بھی کہہ رہی تھی۔'' پورنیا نے بندیا کو شوخ نظروں سے دیکھا۔ ''ایک طرف تیرے لئے راجن اور سریش میں سے کسی ایک کے چناؤ کی بات ہو رہی ہے اور تو مدن کے سپنے دیکھ رہی ہے۔''

''میں انکار نہیں کروں گی۔'' بندیا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''سریش اور راجن ماتا پتا کو پسند ہیں لیکن سچ پوچھ تو میں مدن کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔''

''خالی خولی پسند کرنے سے کام نہیں چلے گا بندیا رانی۔'' پورنیا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اگر تیری رال مدن پر ٹپک رہی ہے تو ایک بار من میں ٹھان کر ہمت کر اور گھر والوں کے

کانوں میں اپنے من کی بات ڈال دے' ورنہ بعد میں ٹھنڈی آہیں بھرنے سے کچھ پراپت (حاصل) نہیں ہوگا۔"

"مجھے لاج آتی ہے۔" بندیا کا چہرہ تپ کر گلنار ہو گیا۔

"بات پھیل گئی اور مدن بھی ہاتھ سے نکل گیا تو بڑی جگ ہنسائی ہوگی۔"

"سوچ لے...... جیون تجھے بتانا ہے تیرے ماتا پتا تو اپنی چین کی بنسری بجا چکے۔ اب تیرا نمبر ہے۔ اگر لاج کے مارے زبان بند رکھی تو سارا جیون بھوبل کی آگ کی طرح اندر ہی اندر تپتی رہے گی۔"

"میں ہمت کرلوں تو بھی پتا جی نہیں مانیں گے۔" بندیا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نظریں جھکا کر کہا۔

"وہ کیوں؟"

"وہ ذات پات کے معاملے میں بڑے کٹھور ہیں اور...... مدن کے پاس اتنی دھن دولت بھی نہیں ہے جو وہ سریش یا راجن کا مقابلہ کرسکے۔"

"پھر کسی مورنی کی طرح جیون بتاتی رہنا جو سندر ہونے کے باوجود اپنے پیروں کو دیکھ کر نیر بہاتی ہے اور اپنے ہی آنسو پی پی کر بچے جنتی رہتی ہے۔" پورنیما نے جل کر کہا تو بندیا نے اسے بھیگی بھیگی نظروں سے دیکھا' لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔

"مدن سے کبھی تیری بات بھی ہوئی ہے؟" پورنیما نے سوال کیا۔

"بس ایک بار موقع ملا تھا لیکن...... میں اپنے دل کا بھید اس پر نہیں کھول سکی۔"

"اور مدن......؟ کیا وہ بھی کچھ نہیں بولا۔" پورنیما نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ کیول ایک بار ہمارے بیچ سرسری بات ہوئی تھی۔ میں بھی لاج کے مارے کچھ نہیں کہہ سکی اور...... شاید مدن نے بھی اپنے من کا بھید بتانا ضروری نہیں سمجھا۔"

"تو کہے تو میں مدن کو ٹٹولنے کی کوشش کروں؟"

"اور اگر اس نے انکار کر دیا تو؟"

"تو...... پھر تو بھی اس کا دھیان من سے نکال دینا۔"

پورنیما نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ "جب کسی گاؤں نہیں جانا تو اس کے کوس گننے سے کیا فائدہ؟"

بندیا لاجواب ہو کر خاموش ہوگئی' پھر وہی ہوا جو دھرتی پر جنم جنم سے ہوتا چلا آیا ہے۔ چار مہینے بعد بندیا نے راجن کے پلّو سے پلّو باندھ کر دھرم کے انوسار پوترا گنی کے سات پھیرے کاٹے اور سر جھکا کر اپنے نئے گھر کو سدھار گئی!

❁❁❁

''مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ بندیا کا باپ تجھے سال چھ مہینے اپنی پرکھ کی سولی پر لٹکائے رہے گا' پھر لال جھنڈی دکھا کر تیری چھٹی کر دے گا۔'' جوگیندر نے سریش کو گھور کر کہا۔ ''تو پاپ اور پن کے چکر میں پڑا رہا۔ اب منہ لٹکا کر بیٹھنے سے فائدہ؟ ایک بار اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ کر من کی پیاس بجھا لیتا تو راجن سے شادی کے بعد بھی اس کی نگاہیں تیرے سامنے جھکی رہتیں۔ اب تو وہ چھاتی تان کر چلے گی۔''

''تو مجھے چڑھانے کی بات مت کر۔'' سریش جھلا کر بولا۔ ''میں نے بندیا کو من کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ سچا پیار کیا تھا جس میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔''

''لیکن اب تو تیرا کھرا مال راجن کے بس میں چلا گیا' پھر تجھے چپ کیوں لگ گئی ہے؟'' پرکاش نے کہا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''محبت اور جنگ میں سارے ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ایک چڑیا تیرا جال توڑ کر پھر سے اڑ گئی تو اس کا سوگ منانے کے بجائے کہیں اور جال پھینک۔ بندیا سے زیادہ تر مال بھی ابھی بستی میں کئی ایک ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' سریش نے پرکاش سے پوچھا۔ ''تو کہاں کی سوچ رہا ہے؟''

''کبھی دھیان سے پورنیما کو بھی دیکھا ہے؟ ہرنی کی طرح پھلانگتی پھرتی ہے پوری بستی میں۔ بندیا کی سب سے زیادہ چہیتی سہیلی بھی ہے۔'' پرکاش نے سریش کو کہنی مار کر کہا۔ ''شرما ناتھ جی سے تیرے پتا کا یارانہ بھی ہے۔ میری مان تو ابھی سے پورنیم کیلئے اپنے پتا کے کان میں بات ڈال دے۔ تو اگر کامیاب ہو گیا تو پھر بندیا کی چھاتی پر بھی سانپ ہی لوٹیں گے۔ تیرا اور پورنیما کا بندھن ایک بار ہو گیا تو راجن بھی سینہ پھلا کر چلنا چھوڑ دے گا' اپنی گڈی زیادہ اونچی اڑے گی۔''

''کوڑی تو' تو دور کی لایا ہے لیکن میرا خیال ہے' پورنیما اس شادی پر کبھی تیار نہیں ہوگی۔'' جوگیندر نے کہا۔ ''وہ اتنی بھولی بھی نہیں جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔ بندیا اور اس کا گٹھ جوڑ بھی بڑا پکا تھا۔ وہ ترنت تاڑ جائے گی کہ ہم کیا چکر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''تو اس کی چنتا مت کر۔'' پرکاش آستین چڑھا کر بولا۔ ''ایک بار سگائی کی بات شروع ہو جائے پھر مجھے وشواس ہے کہ پورنیما ہرنیوں کی طرح چوکڑی بھرنا بھول جائے گی۔''

''خیال ہے تمہارا۔'' جوگیندر کسمسا کر بولا۔ ''بندیا کی بات درمیان میں نہ ہوتی تو پھر سب کچھ ممکن تھا لیکن۔''

''لیکن کیا؟'' پرکاش نے جوگیندر کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''تو کیوں بار بار پورنیما کی طرف داری کر رہا ہے، کہیں کوئی اور چکر تو نہیں ہے؟''

''دماغ چل گیا ہے تیرا۔'' جوگیندر نے بھی آنکھیں لال پیلی کرتے ہوئے جواب دیا، پھر اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ ''تو بھی یہ جانتا ہے کہ میری بات کلپنا کے ساتھ چل رہی ہے۔''

''کلپنا سے پہلے تو نے کامنی کے سلسلے میں بھی چکر چلانے کی کوشش کی تھی۔'' پرکاش نے بات کاٹ کر کہا۔ ''میں تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تو دیکھتا ایک طرف ہے اور نشانہ دوسری طرف ہوتا ہے۔ پھر اس بستی میں ایسا مٹی کا مادھو کون ہے جو پورنیما کے لشکارے مارتی ہوئی جوانی کو دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں نہ بھرتا ہو۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تو بھی......'' سریش نے جوگیندر کو گھور کر دیکھا۔

''ہاں۔'' جوگیندر نے چھاتی پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔ ''میں نامرد نہیں ہوں کہ کسی ناری کے بھرپور جوبن اور سندر شریر کو چمکتا دمکتا دیکھ کر آنکھیں موندلوں۔ پورنیما کو دیکھ کر میرے شریر پر بھی چیونٹیاں لپٹ جاتی ہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ بستی میں میری ساکھ اچھی نہیں ہے۔ تو بھی جانتا ہے کہ میں ڈال ڈال پات پات موج میلہ کرنے کا عادی ہوں۔ کسی ایک شاخ پر بسیرا نہیں کر سکتا۔ کلپنا کے گھر والے بھی میرے رشتے سے انکار کر دیں گے۔''

جواب میں پرکاش کے نتھنے پھڑ پھڑائے تھے، لیکن سریش درمیان میں بول پڑا۔

''بندیا سے میری پرانی جانکاری تھی، اس لئے میں نے کبھی پورنیما کے بارے میں نہیں سوچا، لیکن اب بندیا نے میرا راستہ کھوٹا کر کے کسی اور کا گھر بسا دیا تو میں بھی سارا جیون لنگوٹ کسے رام رام نہیں جپوں گا۔ بندیا کے بعد اب پورنیما ہی رچ بس گئی ہے میری نظروں میں۔''

''یہ ہوئی نامردوں والی بات۔'' پرکاش نے سریش کے پٹھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''اگر تو نے ٹھان لی ہے تو ابھی سے دوڑ بھاگ شروع کر دے۔'' جوگیندر نے بھی سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ ''میں نے سنا ہے کہ اور بھی کئی کھاتے پیتے گھروں کی عورتوں نے شرما تھ جی کے

کانوں میں پورنیما کے رشتے کی بات ڈال رکھی ہے۔''

''تم چنتا مت کرو۔'' سریش نے دور خلاؤں میں جھانکتے ہوئے پورے وشواس سے کہا۔

''میں ایک کشتی میں ضرور ہار گیا ہوں لیکن دوسری کو جیت کر نہ دکھایا تو میرا نام بدل دینا۔''

''ہم بھی ہر موڑ پر تیرا ساتھ دیں گے۔'' جوگیندر اور پرکاش نے اس بار یک زبان ہو کر کہا تو سریش بھی چھاتی اور چوڑی کر کے بیٹھ گیا۔

❁❁❁

پورنیما نے بندیا کی شادی کے موقع پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ دن رات وہ اپنی ماں کے ساتھ مل کر بندیا کی ماں کا ہاتھ بٹاتی رہتی۔ بات پکی ہو جانے کے بعد بندیا نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ پورنیم نے بھی بھول کر مدن کا نام دہرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے بستی کے رسم و رواج کو بہت غور سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ وہ جانتی تھی پرش کے مقابلے میں ناری کو ہمیشہ کمزور سمجھا جاتا ہے۔ مرد کے مقابلے میں اس کی بات نہیں چلتی۔ ہوتا وہی ہے جو ماتا پتا چاہتے ہیں۔ ان بڑوں نے کبھی اپنی جوان لڑکیوں کے من میں جھانک کر یہ دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ انہوں نے اپنے من مندر میں کس کی مورتی سجا رکھی ہے' وہ کس کے سپنے دیکھتی ہیں اور کسے دیوتا سمجھ کر پوجتی ہیں' دن رات کس کی آرتی اتارتی ہیں؟

بڑے تو بس بڑے ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کو پال پوس کر بڑا کرنے کا احسان کرتے ہیں تو پھر انہیں اپنی من مانی کرنے کا ادھیکار بھی رہتا ہے اور اگر کبھی کوئی لڑکی کھل کر اپنے پیار کا اقرار کر لے' اپنی پسند سے اپنا جیون بتانے کی بات کرے تو یہی بڑے اپنی پگ' سر سے اتار کر لڑکی کے چرنوں میں ڈال دیتے ہیں' اپنی عزت اور آبرو کا واسطہ دیتے ہیں اور...... کمزور لڑکیاں ان کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اپنے پیار کو اپنے ہی چرنوں تلے روند کر کسی اور کا ہاتھ تھام لیتی ہیں۔ گیلی لکڑی کی طرح ان کے ارمان اندر ہی اندر سلگتے رہتے ہیں۔ وہ زبان نہیں کھولتیں...... کولھو میں بندھی گائے کی طرح اپنی آنکھوں پر پٹی باندھے سارا جیون مرد کے آگے پیچھے' دائیں بائیں چکر لگا کر بتا دیتی ہیں۔ کبھی موت کو ان پر رحم آ جائے تو وہ جیون سے ناتا توڑ کر سارے دکھوں سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ مرد دوسرا گھر بسا لیتا ہے لیکن...... اگر لڑکی کی قسمت سے مرد رام رام ست ہو جائے تو اسے ودھوا کا نام دے کر سارا جیون اسی مردہ انسان کے نام پر بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے!

پورنیما کے نزدیک یہ ساری باتیں ظلم تھیں۔ مردوں کی اور ان کے سماج کے بنائے ہوئے

جھوٹے قاعدے قانون کی وہ آہنی بیڑیاں تھی، جنہیں کمزور عورتوں کے پیروں میں ڈال کر جیتے جی موت کی اندھیری گھپ وادیوں کی طرف دھکیل دیا جاتا تھا۔

پورنیا نے بندیا کی بدائی کے وقت بھی اسے مسکراتی نظروں سے الوداع کہا تھا، لیکن اس کے ڈولی میں بیٹھ کر جانے کے بعد اس کا دل بھر آیا تھا۔ وہ بندیا کی رازدار تھی، اسے معلوم تھا کہ بندیا نے اپنے سپنوں میں مدن کو سجا رکھا تھا، لیکن اسے راجن کے ساتھ نتھی کر دیا گیا اور...... وہ غریب اف بھی نہ کر سکی!

دوسرے دن بندیا گھر آئی تو تمام سکھیوں نے اسے گھیر لیا۔" اس سے بھانت بھانت کے سوالات کرنے لگیں۔ پہلی رات کیسی گزری؟ راجن کی بپھری ہوئی سرکش موجوں نے کتنا زور مارا؟ ساحل کی کشتی نے ان موجوں کا مقابلہ کس طرح کیا؟ طوفان کس طرح آیا؟ کیسے گزر گیا؟ سونے کا موقع ملا یا وہ ساری رات اس شبھ گھڑی کا جشن مناتی رہی جو کسی ناری کے جیون میں کیول ایک بار آتی ہے؟ راجن نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟ اور نہ جانے کیسے کیسے سوال کئے گئے، جن کو سن کر ہی لاج آتی تھی۔ پورنیا قریب بیٹھی دوسروں کی خاطر زبردستی مسکراتی رہی۔ اگر بندیا کی شادی مدن کے ساتھ ہوتی تو شاید وہ بھی کوئی سوال ضرور کرتی۔ لیکن اس نے بندیا سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کے پہلو سے پہلو ملائے بیٹھی رہی۔ بندیا سکھیوں کی بات سن کر کبھی لجا جاتی، کبھی شوخی سے ایسا جواب دیتی کہ سوال کرنے والی خود جھینپ کر نظریں جھکا لیتی۔

بندیا سب کچھ دیکھتی رہی، سنتی رہی لیکن اس کی نگاہیں محسوس کر رہی تھیں۔ اس کا سب سے من پسند اور مہکتا ہوا پھول بندیا کے روپ میں صرف ایک ہی رات میں کتنا مرجھا گیا تھا۔ یوں جیسے بھونرے نے اس کا سارا رس چوس لیا ہو۔ پھر جب اسے اکیلے میں بندیا سے بات کرنے کا موقع ملا تو اس نے دل پر پتھر رکھ کر پوچھ ہی لیا۔

"کیسی ہو بندیا؟"

"بہت خوش ہوں۔"

"مجھ سے جھوٹ بول رہی ہے...... اپنی پورن سے۔"

"اسی کا نام جیون ہے پورن۔" بندیا نے زبردستی مسکرا کر کہا۔" جو کچھ بھوش میں لکھ دیا گیا ہو اسے تو بھوگنا ہی پڑتا ہے۔"

"تو چاہتی تو انکار بھی کر سکتی تھی۔" پورنیا کے دل کی بات زبان تک آ گئی۔

''فائدہ کیا ہوتا؟ مفت میں ساری بستی میں بدنام ہو جاتی۔ میری وجہ سے میرے ماتا پتا کے سر بھی شرم سے جھک جاتے۔ نہ جانے کیسی کیسی گندی باتیں پھیلنی شروع ہو جاتیں' میں کس کس کی زبان پکڑتی۔'' بندیا نے دبی زبان میں کہا۔

''راجن میری پسند نہیں پرنتو بھلا آدمی ہے۔ مجھے پا کر اتنا خوش ہے جیسے اس کی کوئی بڑی لاٹری نکل آئی ہو۔ مجھے وشواس ہے کہ اس کے ساتھ جیون سکھ سے بیت جائے گا۔''

پورنیا نے اسے زیادہ نہیں کریدا۔ اب ان باتوں کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ جو تیر کمان سے نکل چکا تھا وہ واپس نہیں آ سکتا تھا' آکاش پر براجمان بھگوان کی اچھا (خواہش) بھی پوری ہو گئی اور...... یہ سب یک طرفہ ہوا تھا۔ شاید مدن کو خبر بھی نہیں تھی کہ کسی نے اسے من کی گہرائیوں سے پیار کیا تھا۔ اپنے من میں کسی دیوتا کی مورتی کی طرح سجایا تھا' لیکن پھر وہ سماج کے اندھے رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ گئی تھی!

بندیا اپنے گھر چلی گئی تو پورنیا نے کومل سے دوستی بڑھالی' لیکن نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں بار بار مدن کا خیال ابھر آتا۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اسے بھی بندیا کی بھگتی کی خبر تھی یا نہیں۔ اب اس کا کھوج لگانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا' مگر ایک دن جب مدن اپنے ٹھیلے پر اکیلا کھڑا برتن باسن دھونے اور صفائی میں مصروف تھا' پورنیا لمبے لمبے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی گئی۔ مدن نے اسے ایک نظر دیکھا' پھر ایک رس دار گنا گٹھے سے نکال کر مشین کی چرخی میں پھنسانے لگا تو پورنیا نے دبی زبان میں کہا۔

''مدن! میں آج تجھ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا مجھ سے کوئی بھول ہو گئی؟'' مدن نے گھبرا کر کہا۔

''میں تو بڑی منڈی سے چھانٹ کر اچھا گنا لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں دام بھی زیادہ چکتا کرتا ہوں' پھر بھی ہو سکتا ہے کہ......''

''میں اس سمے تجھ سے رس کے ٹھنڈے گرم یا میٹھے پھیکے کی بات نہیں کر رہی ہوں۔'' پورنیا نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

''اور کیا بات ہے؟'' مدن نے نظریں اٹھا کر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''ہے ایک بات میں جس کا کھوج لگانا چاہتی ہوں۔'' پورنیا نے ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی لیا۔ ''کیا تو نے کبھی بستی کی کسی لڑکی سے پیار کیا ہے؟''

''ماں کی سیوا اور دو پیسے کمانے سے اتنی فرصت کہاں جو تیرے سوال کا جواب دوں۔'' مدن نے بھولپن سے جواب دیا۔

''ہو سکتا ہے کسی اور نے تجھے پیار کیا ہو؟'' پورنیا نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''کسی اور کے من کا بھید میں کیسے جان سکتا ہوں۔'' مدن نے معصومیت سے کہا' پھر چرخی کو گھمانے کے کارن زور لگانے لگا۔ پورنیا اسے بدستور دیکھتی رہی اسے وشواس تھا کہ مدن نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ نہیں ہوگا۔

مدن نے بڑے لگاؤ سے ٹھنڈا رس نکال کر پورنیا کو گلاس بھر کر دیا تو پہلی بار اس کی نظریں پورنیا کو بہکی بہکی سی لگیں۔ وہ اس خیال ہی سے مسکرا دی کہ شاید مدن نے اس کی باتوں کا غلط مطلب نکال کر کچھ اور ہی سمجھ لیا ہے۔ جواب میں اس نے بھی غور سے دیکھا تو مدن جلدی سے نظریں چرا کر پھر چرخی گھمانے میں جت گیا۔ رس پینے کے بعد پورنیا نے انگیا سے ایک روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو مدن نے مدھم لہجے میں رک رک کر کہا۔

''آج میں تجھ سے رس کا مول نہیں لوں گا۔''

''وہ کیوں؟''

''بس...... میرا دل نہیں کرتا۔''

''تیرا دماغ چل گیا ہے شاید؟'' پورنیا ایک دم ہی بھڑک اٹھی۔ ''میں نے جو بات تجھ سے پوچھی تھی اس کا وہ مطلب نہیں تھا جو تو سمجھ رہا ہے۔ خبردار جو تیرے من میں اس کا خیال بھی کبھی آیا۔'' پھر وہ روپے کا نوٹ ٹھیلے پر پھینک کر بل کھاتی واپس مڑ گئی۔ پیسے واپس لینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

مدن دم بخود کھڑا پورنیا کو سہمی سہمی نظروں سے دیکھتا رہا جس نے اپنے من میں نہ جانے کیا وچار کر کے پہلی بار محبت کی جوت جگانے کی کوشش کی تھی' لیکن اسے دھتکار دیا گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ پلکیں جھپکاتا پورنیا کو تکتا رہا' پھر کندھے جھٹک کر دوبارہ اپنے دھندے میں لگ گیا۔

ایک سال پلک جھپکتے میں بیت گیا۔ بندیا ایک بچے کی ماں بھی بن گئی۔ پورنیا نے محسوس کیا تھا کہ راجن کے پیار نے پورنیا کا من جیت لیا تھا۔ اب وہ دوبارہ چہکنے لگی تھی۔

دونوں ہی پریوار نے بچے کی خوشی مل جل کر دھوم دھام سے منائی۔ پورنیا نے بھی کومل کے ساتھ مل کر بندیا کی خوشی میں بھرپور حصہ لیا۔ ڈھولک کی تھاپ پر مسرتوں کے گیت الاپے گئے۔

سارے مہمانوں کو چار چار بیسن کے لڈوؤں کا ڈبا بانٹا گیا۔ ڈومنیوں اور کچھ شادی شدہ بچوں والی عورتوں نے مل کر کچھ ایسے گیت بھی گائے کہ نوجوان لڑکیاں شرم سے پانی پانی ہوگئیں۔ پکی عمر کی عورتیں دل کھول کر ان گیتوں پر ٹھٹھے لگا رہی تھیں۔

''بھگوان کی سوگند۔'' کومل نے پورنیما اور بندیا سے کھسر پھسر کی۔ ''مجھے تو ان عورتوں پر شرم آ رہی ہے۔ گیت کے ساتھ ساتھ کیسے کیسے اشارے کر رہی ہیں۔ انہیں لاج بھی نہیں آتی۔''

''بچے پیدا ہونے کی خوشی میں ایسی ہی محفلیں سجتی ہیں۔'' پورنیما نے دبی زبان میں کہا۔ ''تیرا نمبر آئے گا تو تجھے بھی ڈھیٹ بن کر یہ سب دیکھنا ہوگا۔ ابھی سے تیاری کر لے۔ میں نے سنا ہے کہ تیرے رشتے کی بات بھی چل رہی ہے۔''

''ہائے ماں......'' کومل نے لجا کر کہا۔ ''تجھے خبر مل گئی اور مجھے بھنک بھی نہیں ملی۔''

''اب تو مل گئی بھنک۔'' پورنیما نے اس کو ہلکی سی چٹکی کاٹ کر کہا۔ ''سچ بتانا...... کتنے لڈو پھوٹے من میں۔''

''تو لڈو کی بات کر رہی ہے اور میں یہ بھی نہیں جانتی کہ کہاں بھاگ پھوٹ رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' بندیا نے چونک کر سوال کیا۔ ''کیا تو نے کہیں اور پیچ لڑا رکھی ہے؟''

''ابھی تو میں نے شادی کے بارے میں بھی نہیں سوچا تھا اور تم پیچ پھنسانے کی بات کر رہی ہو۔'' کومل معصومیت سے بولی۔

''کچھ مٹھی گرم کرنے کی بات کر تو میں یہ بھی بتا دوں کہ تیرا پلّو کس کے ساتھ بندھنے والا ہے۔'' بندیا نے شوخی سے کہا۔

''کون ہے وہ عقل کا اندھا جو تاڑ چکا اور مجھے ایک ذرا خبر تک نہ ہوئی؟'' کومل ڈھیٹ ہونے لگی تو بندیا نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

''ابھی تو باتیں بنانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اس کا نام سنے گی تو تیرے دیوتا بھی کوچ کر جائیں گے۔''

''مجھے تو بتا دے میری رانی۔'' پورنیما درمیان میں بول پڑی، پھر اس نے آگے بڑھ کر اپنے کان بندیا کے قریب کر دیئے۔ اس کے بعد بندیا نے چپکے سے نہ جانے کیا نام لیا کہ پورنیما نے بھی کانوں کو ہاتھ لگا کر کومل کو دیکھا۔ سنجیدگی سے کہا۔

''میری مان تو تو کسی اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دے۔''

''پورن تجھے میری سوگند!'' کومل نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔''سچ بتا دے کہ بندیا نے تیرے کان میں کس کا نام لیا ہے۔''

''میں بتاتی ہوں۔'' بندیا نے مسکرا کر کہا۔''یہ سمجھ لے کہ پہلی ملاقات میں وہ تو تجھے ایسا دھوبی پاٹ مارے گا کہ دن میں بھی تارے نظر آ جائیں گے۔''

''سمجھ گئی۔'' کومل نے دیدے نچائے۔''تم شاید گوپال کا نام چھپا رہی ہو۔''

''تو نے کیسے پہچانا؟'' پورنیما نے کومل کو تیز نظروں سے گھورا۔

''کرشن مہاراج کے ناتے سے'' کومل شوخی سے بولی۔''اکھاڑے میں بھی اس کا بڑا نام ہے۔ سب ہی جانتے ہیں۔''

''اور تو جان بوجھ کر انجن بن رہی تھی۔'' پورنیما نے جواب میں زور سے چٹکی بھری تو کومل مچل کر رہ گئی۔ ران سہلاتے ہوئے بولی۔

''رنگ سے بے چارہ ضرور مار کھا گیا ہے لیکن بستی کے سارے ہی چھوکرے اس کی اگاڑی پچھاڑی سے ڈرتے ہیں۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا تو پھر کوئی مجھے میلی نظروں سے دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کرے گا۔''

''کیسی معصوم بن رہی ہے۔'' بندیا نے پورنیما سے کہا۔''اس نے ضرور کوئی چکر چلایا ہو گا۔''

''چکر کا خیر میں پورے وشواس سے نہیں کہہ سکتی' لیکن اڑتی پڑتی میرے کان میں یہ بھنک ضرور پہنچی ہے کہ اب بکری کی ماں بھی زیادہ دنوں تک اپنی خیر نہیں منا سکتی۔'' جواب میں کومل نے معنی خیز نظروں سے پورنیما کو دیکھا تو اس نے چونک کر کہا۔

''خبردار جو تو نے میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات زبان سے نکالی۔''

''تو جو چاہے سوچ لے لیکن میں نے سیدھی بات ہی زبان سے نکالی ہے۔'' کومل نے سادگی سے جواب دیا۔

''سچ کہہ رہی ہے تو؟'' بندیا نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔''کون ہے وہ مقدر کا سکندر جو ہماری بستی کی چنچل ہرنی کے گلے میں پٹا ڈالنے کی سوچ رہا ہے؟''

''کومل کی بچی۔'' پورنیما نے آستین چڑھاتے ہوئے اسے گھورا۔''اگر تو نے مذاق میں بھی کوئی ایسی ویسی بات کہی تو سوچ لے' میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔''

''تجھے میری بات بری لگ رہی ہے تو میں زبان نہیں کھولوں گی' لیکن چاچا رام پرشاد کو کون

روکے گا جو آج کل تیرے پتا کے پاس بار بار چکر لگا رہا ہے۔'' کومل نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''آج جو ہانڈی میں پک رہا ہے وہ کل ڈوئی میں بھی آ جائے گا۔''

''تو......'' بندیا چونکی۔ ''تو سریش کی بات کر رہی ہے؟''

''میری بات پر وشواس نہیں تو اپنے راجن سے معلوم کر لینا۔''

بندیا نے سریش کا نام سنا تو چپ سی ہو گئی۔ پورنیما نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کر لیا۔ کچھ دیر وہ خاموش بیٹھی رہی پھر جب ہنگاموں کا شور غل کم ہوا اور کومل اٹھ کر کسی سہیلی سے ملنے چلی گئی تو اس نے بندیا سے پوچھ ہی لیا۔

''تو سریش کا نام سن کر چپ کیوں ہو گئی تھی؟''

''سریش سے اگر میرا بندھن نہیں ہو سکا تو اس میں میرا کیا دوش' لیکن اس کے من میں میری طرف سے میل آ گیا ہے۔'' بندیا سر جھکا کر بولی۔

''کچھ کہا تھا اس نے تجھ سے؟''

''نہیں لیکن راجن نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میری طرف سے ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ میری مجبوری کا بدلا......''

''سمجھ گئی میں۔'' پورنیما مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ ''تو میری چنتا نہ کر۔ میں وہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گی جو سریش نے اپنے گندے من میں ٹھان رکھی ہے۔''

کچھ اور سکھیاں ہنستی بولتی قریب آ گئیں تو پورنیما اور بندیا ان سے ہنسنے بولنے لگی' لیکن پورنیما کے من میں ایک جوالا مکھی اندر ہی اندر دھواں دینے لگی تھی' وہ اپنی ہمجولیوں سے ہنس بول رہی تھی لیکن اس کے بھیتر (اندر) بھڑکتی آگ کے انگارے دہک رہے تھے' وہ سوچ رہی تھی۔

کیا استری اور پرش میں کیول ایک ہی رشتہ ہے کہ پرش جب من چاہے اپنی پسند کی ناری کو بھیڑ بکری کی طرح ہنکا کر اپنے باڑے میں بند کر لے۔ اپنے کھونٹے سے باندھ لے۔

جو من چاہے کرتا رہے۔ اور استری اس کے اشاروں پر چلتی رہے۔

کیا...... کیا...... کیا استری اور مدن کی اس چرخی میں کوئی فرق نہیں تھا جو گنے کا رس نکالنے کے سوا کچھ اور نہیں کر سکتی تھی!

یہ سماج کی کیسی رسمیں تھیں' جس نے عورت کو مرد کا غلام بنا رکھا تھا؟

یہ سراسر نیائے ہے جسے وہ کسی بھاؤ بھی قبول نہیں کرے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے!

بندیا کی خوشیاں منانے کی رسم پوری ہوئی۔ بندیا دو روز بعد راجن کے ساتھ پھر اپنی دنیا' اپنے نئے سنسار میں واپس لوٹ گئی تو پورنیما کے من میں بس ایک ہی خیال ساگر کی کسی بپھری ہوئی لہر کے انوسار بار بار اس کے ذہن سے ٹکراتا تھا۔ وہ کسی طرح سریش کے سپنوں کو پورا نہ ہونے دے۔ اس کی راہ میں دیوار بن کر کھڑی ہو جائے۔ ایسی دیوار جسے سریش کبھی پھلانگ نہ سکے۔

پھر ایک دن وہ کومل کے ساتھ سرسوں کے کھیت کے کنارے کچی منڈیر پر بیٹھی ہنس بول رہی تھی کہ سریش اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ کومل نے ٹھونگا مارا تو پورنیما نے گھور کر سریش کو دیکھا۔ وہ دور کھڑا اپنی سائیکل ٹھیک کرنے کے بہانے پورنیما کی اٹھتی جوانی کے نظارے کر رہا تھا۔ پورنیما کے اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ وہ کومل کے منع کرنے کے باوجود اس کا ہاتھ جھٹک کر سینہ تان کر سریش کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی' کولھوں پر ہاتھ ٹکا کر بولی۔

"تو سائیکل ٹھیک کر رہا ہے یا تیرے من میں کچھ اور کیڑے کلبلا رہے ہیں؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہے تو......" سریش ایک پل کو گھبرایا پھر اکڑ کر بولا۔ "تیرے من میں کیا ہے جو تو بلاوجہ بات بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے؟"

"بات تو اب بڑھ چکی ہے۔" پورنیما نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں کہ تو کیا چکر چلانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا جانتی ہے تو؟" اس بار سریش نے پورنیما کے دھڑکتے ہوئے سینے کی طرف ایک نظر ڈال کر مدھم آواز میں پوچھا۔ "کیا چکر چلا رہا ہوں میں؟"

"تو' میرے ساتھ منڈپ سجا کر اگنی کے پھیرے لگانے کا جو سپنا دیکھ رہا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔" پورنیما نے بپھر کر کہا۔ "چاچا رام پرشاد کو منع کر دے کہ وہ میرے پتا سے میرے تیرے رشتے کی بات نہ کرے۔"

"میرے تیرے پتا کے بیچ پیار کا جو سمبندھ ہے اسے جانتی ہے؟"

"جانتی ہوں' لیکن میرا نام بیچ میں کیوں آ گیا؟"

"اس لئے کہ میں...... میں تجھے پسند کرتا ہوں۔" سریش نے دبی زبان میں کہا۔ "اور کسی کو سچے من سے اپنا بنانے کے سپنے دیکھنا کوئی پاپ بھی نہیں ہے۔"

"تو......" پورنیما کا سینہ دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔ "اس نے سریش کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تجھے مجھ سے پیار ہو گیا ہے' یہی بات ہے ناں؟"

''ہاں!'' سریش نے ایک بار پھر پورنیما کے انگ انگ پر پیاسی نظر ڈال کر بڑے لاڈ سے کہا۔ ''مجھ سے جو چاہے سوگندے لے لے۔مم...... میں تجھے رانی بنا کر رکھوں گا۔''

''سچ کہہ رہا ہے؟'' پورنیما کے ہونٹوں کے مخروطی گداز پر ایک مسکان تڑپ اٹھی۔

''تو جس طرح من چاہے' آزما کر دیکھ لے۔'' سریش نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

''اپنی بات سے پھرے گا تو نہیں؟''

''کبھی نہیں۔'' سریش کے اندر ایک طوفان سا مچلنے لگا۔اس کی نظریں پورنیما کے شریر کی سندرتا کو پرکھ رہی تھیں جب پورنیما نے مسکرا کر کہا۔

''پکی بات؟''

''ہاں۔ایک دم پکی۔'' سریش خوابوں کی دنیا میں گم ہونے لگا' جب پورنیما کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکان ابھری۔

''پھر میری ایک بات مان۔'' اس نے لجا کر کہا تو سریش کے شریر پر جیسے چیونٹیاں رینگنے لگیں۔جوڑ پٹھوں میں میٹھا میٹھا سا کھچاؤ ہونے لگا۔

''تو ایک بات کہہ رہی ہے میری رانی' میں تیری ہزاروں بات مان سکتا ہوں۔'' سریش ترنگ میں آ گیا۔

''ایسا کر کہ تو مجھے اپنی دھرم پتنی بنانے کا دھیان من سے نکال کر اپنی بہن بنا لے۔'' پورنیما کی سندر پیشانی پر آڑی ترچھی ریکھائیں ابھرنے لگیں' وہ کسی چوٹ کھائی ناگن کی طرح پھنکار کر بولی۔''بہن بھائی کا رشتہ پتی پتنی کے رشتے سے زیادہ اٹوٹ ہوتا ہے' میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟''

سریش کا سارا نشہ پورنیما کی ایک ہی بات سے ہرن ہو گیا' اس کے تیور بھی بدل گئے۔روکھی اور سپاٹ آواز میں بولا۔

''یہ بات میرے بجائے اپنی ماتا کو سمجھانے کی کوشش کرنا۔''

''تو نہیں سمجھے گا سیدھی طرح؟'' پورنیما کی آنکھیں غصے سے سرخ ہونے لگیں۔

جواب میں سریش کے اندر کا مرد جاگ اٹھا۔اگر اس سے کومل قریب نہ ہوتی تو شاید وہ پورنیما کو اٹھا کر زبردستی سرسوں کے کھیت کے بیچ لے جاتا۔اس کا سارا زہر نکال کر اپنی بین پر ناچنے پر مجبور کر دیتا' لیکن اس نے بات بڑھانا اچھا نہیں سمجھا۔جھک کر سائیکل کی اتری ہوئی چین چرخی پر دوبارہ چڑھا کر پورنیما کو غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا چلا گیا۔

''تو نے اچھا نہیں کیا پورن۔'' سریش کے جانے کے بعد کومل نے پورنیما کے قریب آتے ہوئے کہا۔'' کسی مرد سے ٹکر لینا ہمارے لئے کبھی نیک شگون نہیں ثابت ہوتا۔ تجھے دھیرج سے کام لینا چاہئے تھا۔''

''کوئی اور بات کر کومل۔'' پورنیما جھلا کر بولی۔'' یہ بھی کان کھول کر سن لے کہ میں کسی...... سے ڈرنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''ایسی ہی بات رام کلی نے ایک بار بڑے زمیندار کے لڑکے درگا داس سے کہی تھی۔'' کومل نے آہستہ سے کہا۔'' پھر اس کے بعد رام کلی پر کیا قیامت گزر گئی تھی یہ سب ہی جانتے ہیں۔ اس ابھاگن نے نیلا تھوتھا پیس کر پھانک لیا تھا۔ جب تک زندہ رہی اسے سب پاگل اور دیوانہ کہتے رہے' پھر وہ پرلوک سدھار گئی۔''

''میں رام کلی نہیں ہوں۔'' پورنیما نے کسی چوٹ کھائی زہریلی ناگن کی طرح بپھر کر کہا' پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتی گھر کی طرف چلی گئی' پلٹ کر کومل کی کوئی دوسری بات بھی نہیں سنی۔

پندرہ بیس روز تک وہ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ وہ ڈر کر گھر میں چھپ کر نہیں بیٹھی۔ ہمیشہ کی طرح بستی کے اندر ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی رہی۔ کئی بار سریش بھی اس کے راستے میں آیا' لیکن خاموشی سے نظریں بچا کر نکل گیا۔ پورنیما کو اپنی وجے (جیت) کا احساس ہوتا تو دل ہی دل میں مسکرا کر سوچتی۔

''کیسا کائر (بزدل) نوجوان ہے جو ایک ناری کے سامنے نظریں نیچی کر کے گزر گیا۔ تھو ہے اس کی مردانگی پر۔ ایک ہی گھرکی میں پیار کے سارے ارمان' دوسرے راستے سے نکل گئے۔''

دو ماہ تک وہ یدھ (جنگ) کے سارے محاذ پر سریش کو نیچا دکھاتی رہی' لیکن ایک دن جب اس کی بوڑھی ماں نے اس کو قریب بلا کر ایک سوال کیا تو اس کا دل پھر دھڑکنے لگا۔

''سریش تجھے کیسا لگتا ہے؟''

وہ ماں کا سوال سن کر چونکی' پھر انجان بن کر بھولپن سے بولی۔'' سب ہی چھورے ایک جیسے ہیں' کوئی من کا اجلا اور کوئی من کا کالا' لیکن آج تک کسی نے میرا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی۔''

''سب بھگوان کی کرپا ہے۔'' ماں نے کہا۔'' تیرے پتا اس بستی میں شروع سے آ بسے تھے اس لئے سب ہی ان کا دھیان رکھتے ہیں۔''

''تو بھی سب کے دکھ درد میں...... حصہ لیتی رہتی ہے۔'' پورنیما نے ماں کے گلے میں بانہیں

ڈال کر بڑے لاڈ سے کہا۔

''جانتی ہے میں نے تجھ سے سریش کے بارے میں کیوں پوچھا تھا؟''

ماں نے دوبارہ سریش کا نام لیا تو پورنیما بھانپ گئی کہ سریش کو آنکھیں دکھانے کے بعد بھی اس کے اور سریش کے پتا کے درمیان کوئی کھچڑی ضرور پکتی رہی ہے۔

''بات کیا ہے ماں؟'' اس نے سنبھل کر پوچھا۔ ''تو آج بار بار سریش کا نام کیوں لے رہی ہے؟''

''تو جانتی ہے ناں کہ تیرے پتا اور رام پرشاد جی کے درمیان کتنا پرانا سمبندھ ہے بلکہ تیرے پتا تو اسے اچھا' سچا اور کھرا متر سمجھتے ہیں۔''

''خبر ہے مجھے لیکن یہ سریش درمیان میں کہاں سے ٹپک پڑا؟''

''تو گھر میں پیر ٹکائے تو تجھے کچھ خبر بھی ہو۔'' ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''کیسی خبر؟'' اس نے ماں کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''یہی کہ تو اب بچی نہیں رہی۔ جوان ہو گئی ہے۔''

''پھر' اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے؟'' پورنیما نے پھر انجان بن کر کہا۔ ''ایک میں کیا' میرے ساتھ کی ساری سکھیاں اب سیانی ہو گئی ہیں' لیکن اس کا سریش سے کیا سمبندھ ہے؟''

''سریش کے ماتا پتا کئی پھیرے لگا چکے ہیں تیرے لئے۔'' ماں نے پیار سے کہا۔ ''چار روز پہلے تیرے پتا نے رام پرشاد جی سے ہاں بھی کر دی ہے۔''

پورنیما کو ماں کی زبانی 'ہاں' والی بات سن کر ایسا لگا جیسے بھرے بازار میں کسی نے اس کے شریر کے تمام کپڑے نوچ کھسوٹ کر اسے ننگا کر دیا ہو۔ اسے سریش کے معاملے میں اپنی ہار کسی بھاؤ بھی منظور نہیں تھی۔

''ماں......'' اس نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال کر شکوہ کیا۔ ''ہاں کرنے سے پہلے تو نے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا۔''

''کیوں؟'' ماں کے چہرے کی خوشی پر جیسے کالے بادل چھا گئے۔ ''کیا سریش کا رشتہ تجھے پسند نہیں ہے؟''

''میں ابھی شادی کے بندھن میں نہیں بندھنا چاہتی۔'' اس نے دل کی بات کھل کر کہنے کے بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ''میری عمر سے زیادہ کی لڑکیاں بھی ابھی تک سکھ چین کا سانس لے

رہی ہیں پھر میرے سلسلے میں کیا جلدی پڑ گئی؟''

''ہم تیرے لئے بھی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی بات نہیں کر رہے۔'' ماں نے سکون کا سانس لے کر جواب دیا۔ ''ابھی صرف رشتہ پکا ہوا ہے۔ شادی کیلئے تیرے پتا نے رام پرشاد جی سے کھل کر کہہ دیا ہے کہ ایک سال انہیں انتظار کرنا پڑے گا۔''

''ماں۔'' پورنیما نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ایک بات کہوں' تو ناراض تو نہیں ہو گی؟''

''پہلے کبھی میں تجھ سے خفا ہوئی ہوں جو اب ناراض ہوں گی۔ بول' تو کیا کہنا چاہتی ہے؟''

''میں سریش سے شادی نہیں کروں گی۔'' پورنیما نے سچ اگل دیا۔

''کیوں؟'' بوڑھی ماں کے ارمانوں پر پھر اوس پڑ گئی۔ اس نے جوان بیٹی کو غور سے دیکھتے ہوئے دبی زبان میں اس کے من کا بھید جاننے کے کارن مدھم لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تجھے کوئی اور......''

''ایسی بات نہیں ہے ماں۔'' پورنیما نے تیزی سے کہا۔ ''پتا جی اور تو جہاں مرضی آئے میری سگائی کی بات کر دے لیکن میں سریش کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔''

''اس انکار کا کوئی کارن بھی ہو گا؟'' ماں نے اسے سر سے پاؤں تک اپنی تجربے کار نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' پورنیما نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''بستی کے بڑوں کے علاوہ تو بھی جانتی ہے کہ پہلے سریش نے بندیا کے ساتھ ناتا جوڑنے کی کوشش کی تھی' لیکن راجن درمیان میں آ گیا تو اس کی دال نہیں گل سکی اور اب وہ بندیا کا گھر بسنے کے بعد میرے لئے رشتے کی بات کر رہا ہے۔''

''تو اس میں تجھے کیا برائی نظر آ رہی ہے۔'' ماں نے بیٹی کو کھوجنے کی کوشش کی۔ ''یہ تو دنیا کی ریت ہے مورکھ' ایک جگہ سے منش نراش ہو جائے تو سارا جیون ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہتا اور پھر پتی پتنی کے رشتے تو آکاش پر لکھے جاتے ہیں۔''

''میں تیری جتنی سیانی نہیں ہوں کہ دھرتی کی ریت کو اپنے بھاگیہ کی ریکھا بنا لوں۔'' پورنیما نے اس بار دوسرا رخ اختیار کیا۔ ''سریش بھی جانتا تھا کہ میں اور بندیا سگی بہنوں کی طرح ایک دھاگے میں گندھے تھے۔ جب اس نے پہلے میری طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو اب دامن پھیلانے سے فائدہ...... کیوں ترس کھا رہا ہے مجھ پر؟''

''تو تو پگلی ہو گئی ہے۔'' ماں نے پورنیما کے جواب کو اس کا بچپن سمجھ کر سمجھانے کی کوشش کی۔

''سریش کے بارے میں تیرے پتا نے چھان کر دیکھ لیا ہے۔ تیرے لئے اس سے اچھا رشتہ نہیں ملے گا۔''

''اور پھر بھی اگر میں انکار کر دوں تو؟'' پورنیما سنجیدہ ہوگئی۔

''تیرے پتا کے علاوہ مجھے بھی دکھ ہوگا کہ تو نے ہمارا مان نہیں رکھا۔'' ماں نے اداس لہجے میں جواب دیا' پھر دبی زبان میں بولی۔'' ہاں اگر تو نے اپنے من میں کسی اور کو بسا رکھا ہے تو مجھے کھل کر بتا دے۔ ماں ہونے کے ناتے میں تیرے پتا کو اونچ نیچ سمجھانے کی کوشش ضرور کروں گی۔''

''میرے من میں کوئی مرلی لئے نہیں بیٹھا۔ نہ ہی میں نے کسی کو گھاس ڈالی ہے۔'' پورنیما نے صاف گوئی سے جواب دیا۔'' ایسی کوئی بات ہوتی تو میں ابھی تیرے گلے میں بانہیں ڈال کر تجھے منا لیتی لیکن......سریش......''

''تو اپنے پتا کو نہیں جانتی مورکھ۔'' ماں کی بوڑھی آنکھوں میں نیر چھلک اٹھے۔'' میں نے ان کے ساتھ ایک جیون گزارا ہے۔ وہ تیرا آخری جواب سن کر زہر کا گھونٹ تو حلق کے نیچے ضرور اتار لیں گے لیکن اپنی زبان سے کسی کو وچن دینے کے بعد اسے توڑنے کو کبھی تیار نہیں ہوں گے۔''

''کیا وہ اپنی پورن کی بنتی بھی سویکار نہیں کریں گے۔'' پورنیما نے ماں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔

''تجھے میرے کہے پر وشواس نہیں تو خود آزما کر دیکھ لے۔'' ماں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''تیرے پتا تیرا من رکھنے کے کارن جیون ہتیا (خودکشی) تو کر سکتے ہیں لیکن اپنی پگ کو نیچے نہیں گرنے دیں گے۔''

''پھر ٹھیک ہے ماں۔'' پورنیما نے ماں سے بے اختیار لپٹ کر منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔'' تم اور پتا جی جو چاہو گے وہی ہوگا۔''

''بھگوان تجھے سکھی رکھے۔''

ماں نے سکون کا سانس لیا' لیکن پورنیما کے من میں ایک نیا طوفان سر ابھار رہا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ جیون میں مرتے دم تک سریش کے سامنے کبھی سر نہیں جھکائے گی چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو!

❁❁❁

سریش سے پورنیما کی ذاتی دشمنی نہیں تھی‘ لیکن بندیا کی وجہ سے اب اسے ضد ہوگئی تھی کہ وہ اپنی سی پوری کوشش ضرور کرے گی کہ اسے چاہے کسی کے پلو سے بھی باندھ دیا جائے لیکن سریش سے اس کی سگائی نہ ہو۔ اسے اس بات کا دکھ بھی تھا کہ اس کے ماتا پتا نے اس سے پوچھے بغیر سریش کے پتا سے ہاں بھی کردی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر ایک بار اس کا پتا کسی کو وچن دے بیٹھے تو پھر کسی بھاؤ بھی قدم پیچھے نہیں رکھتا‘ لیکن اس نے اب بھی ہار نہیں مانی۔ اٹھتے بیٹھتے ہر دم اس کے اندر بس ایک ہی کھل بل ہوتی رہتی تھی کہ وہ کوئی ایسا راستہ اختیار کرکے کہ خود سریش یا اس کے پتا رشتے کی بات واپس لے لیں۔ ایک بار سریش سے...... جھگڑا کر لینے کے بعد وہ اس کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں تھی۔ یہ اس کا نہیں ایک استری کا اپمان ہوتا۔

جس دن سے اس کی بات ماں سے ہوئی تھی اس دن سے اس کے اندر کی عورت اپنی تب پر اتر آئی تھی۔ اس نے ایک دو بار یہ بھی محسوس کیا تھا کہ ”ہاں“ ہو جانے کے بعد اب سریش اس کے سامنے سینہ زیادہ تان کر چلنے لگا ہے۔ ایک دو بار اس نے خون کے گھونٹ پی کر خاموشی اختیار کر لی‘ لیکن پھر ایک بار جب سریش نے اکیلے میں بڑے پیار سے اس کے قریب آنے کی کوشش کی تو وہ تلملا اٹھی۔

”کیا بات ہے سریش؟“ اس نے حقارت سے مسکرا کر کہا۔ ”جب سے میرے پتا نے چاچا جی سے ہاں کر دی ہے تو کسی پالتو کتے کی طرح ہر دم میرے آس پاس دم ہلاتا نظر آتا ہے۔“

سریش اس کی بات سن کر سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کیلئے شعلے سے لپکے پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

”مجھے خبر ہے کہ تو میرے بارے میں کسی کارن تتیا مرچ بنی ہوئی ہے لیکن۔“

”تو چکنا گھڑا بن کر رہ گیا ہے۔“ پورنیما نے پھر اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ ”مرد ہو کر بھی میرے چرن چاٹنے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔“

”پورن...... زبان سنبھال کر بات کر۔“ سریش کی مردانگی میں ابال آ گیا۔ ”اتنے نخرے بھی نہ دکھا کہ بعد میں تجھے پچھتانا پڑے۔ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر کی تو بڑے گھاٹے میں رہے گی۔“

”ارے جا جا...... بڑا آیا مگر مچھ کہیں کا۔“ پورنیما نے جلتی آگ پر پانی ڈالنے کے بجائے مٹی کا تیل چھڑک دیا۔ ”بہت دیکھے ہیں تجھ جیسے مٹی کے شیر۔“

‘‘تو چاہتی کیا ہے؟’’ سریش نے غصہ ضبط کر کے پوچھا۔

‘‘میں تیرے منہ پر تھوکنا بھی نہیں چاہتی' لیکن تو نے خود ہی اپنی مٹی پلید کرانے کی ٹھان لی ہے تو مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے۔’’ وہ چمک کر بولی۔ ‘‘اتنا ہی اپنی عجت (عزت) کا خیال ہے تو چھوڑ کیوں نہیں دیتا میرا پیچھا؟’’

سریش بل کھا کر رہ گیا' پھر کچھ سوچ کر اس نے کینچلی بدل کر کہا۔

‘‘بھگوان کی سوگند پورن رانی! جب تو غصہ کرتی ہے تو تیری سندرتا پر اور نکھار آ جاتا ہے۔’’

‘‘اور جب میں تیری بے عجتی کھراب کرتی ہوں' اس سمے تجھے کیسا لگتا ہے؟’’ اس نے حقارت سے پوچھا۔

‘‘ابھی نہیں......’’ سریش پھر خون کا گھونٹ پی کر مسکرا دیا۔ ‘‘ایک بار تو میری بن کر میرے گھر آ جا' پھر بتاؤں گا تجھے کہ کتنی بیسی کے ساتھ ہوتے ہیں۔’’

‘‘بندیا نے بھی ایک بار مجھے بڑی پتے کی بات بتائی تھی' لیکن اس سمے مجھے دشواس نہیں آیا تھا' بتاؤں تجھے بندیا نے کیا کہا تھا؟’’

‘‘بات تیرے اندر نہیں پچ رہی ہے تو چل وہ بھی اگلے دے۔’’

‘‘اس نے کہا تھا کہ کتے کی دم بارہ برس نلکی میں رہنے کے بعد بھی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔’’ پورنیما نے مسکرا کر کہا۔ ‘‘تجھے اپنی پورن کی سوگند سچ بتا' بندیا نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا؟’’

‘‘اس کا جواب بھی تجھے شادی کے بعد دوں گا۔’’ سریش کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر بولا' پھر پورنیما کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا اپنی راہ چلا گیا۔

اس روز پورنیما دل کھول کر ہنسی تھی۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ اگر دو چار بار وہ بستی کے دوسرے لڑکوں کے سامنے سریش کی بے عزتی کر دے تو شاید وہ جھلا کر اس کے ساتھ سگائی کرنے سے انکار کر دے گا۔ بڑی دیر تک وہ اپنے من ہی من میں منصوبے بناتی رہی۔

دو روز بعد وہ دن چڑھے گھر سے باہر نکلی تو کومل سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

‘‘دو روز سے تو کہاں غائب ہو گئی تھی؟’’ پورنیما نے گلہ کیا۔ ‘‘مجھ سے ملنے بھی نہیں آئی۔’’

کومل نے کوئی جواب نہیں دیا' ہاتھ تھام کر پورنیما کو جوہڑ کے پاس لے گئی' پھر ادھر ادھر دیکھ کر سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

‘‘تجھے بستی کی کوئی خیر خبر بھی ہے؟’’

''میں سمجھی نہیں......'' پورنیما نے پلکیں جھپکائیں۔

''کیوں؟ کیا تجھے کلپنا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوا؟''

''کیا ہوا کلپنا کو؟'' پورنیما نے حیرت سے پوچھا۔

''جوگیندر کے لچھن تو تو جانتی ہے ناں۔''

''ہاں۔'' پورنیما نے منہ بھر کے جوگیندر کی شان میں ایک موٹی سی گالی چٹکاتے ہوئے کہا۔ ''ایک نمبر کا...... کا خصم ہے سور کا جنا' ادھر ادھر منہ مارتا پھرتا ہے' پرنتو اس...... کے پلے نے مجھ سے کبھی نظریں ملانے کی بھول نہیں کی ورنہ......''

''تو اپنی چھوڑ' میں کلپنا کی بات کر رہی ہوں۔'' کومل نے سہمے سہمے لہجے میں کہا۔ ''جوگیندر اور اس کی سگائی کی بات چل رہی تھی لیکن کلپنا کے پتا نے چار روز پہلے کھل کر انکار کر دیا' پھر خبر سے کلپنا پر کیا بیتی؟''

''کیا مطلب؟'' پورنیما نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''کیا کلپنا بھی اس رانڈ کے سانڈ کو پسند کرتی تھی؟''

''نہیں...... وہ غریب تو خود گھٹ رہی تھی رشتے کی بات سے' مگر اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔''

''کیوں؟'' پورنیما چونکی۔ ''کیا بھونچال آ گیا؟''

''جوگیندر نے بدلہ لینے کی خاطر کل دوپہر موقع تاک کر کلپنا کے بھی سارے کس بل نکال دیئے' سمجھ رہی ہے میری بات کا مطلب؟''

''تجھے کیسے معلوم ہوا؟ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں سنی۔'' پورنیما سنبھل کر بولی۔

''ابھی بات زیادہ نہیں پھیلی' لیکن جو بھی ہوا بہت برا ہوا۔ مجھے خود کلپنا نے رو رو کر اپنا دکھڑا سنایا ہے' ابھی اس کے گھر والوں کو بھی بھنک نہیں ملی۔''

''کمیٹی کے کرتا دھرتا تو آوارہ کتوں کو بھی زہر کھلا کر مار دیتے ہیں' پھر جوگیندر جیسے حرام کے جنے کو کیوں ڈھیل دے رکھی ہے؟''

''تو یہ بات کسی اور کے سامنے زبان سے نہ نکالنا۔'' کومل نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھ کر کہا پھر بولی۔ ''میں نے سنا ہے کہ چاچا جی نے سریش کے پتا سے بھی تیرے لئے ہاں کر دی ہے۔''

''ہاں......'' پورنیما حقارت سے زمین پر تھوک کر بولی۔

''ماں نے بتادیا ہے مجھے۔''

''پھر تو نے کیا سوچا؟''

''میں نے سریش کو ذلیل کرنا شروع کر دیا ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ کمین اپنا ارادہ بدل دے۔''

''میری ایک بات مانے گی؟''

''بول۔''

''سریش کے متھے لگنا چھوڑ دے۔ یہ سریش' جوگیندر اور پرکاش سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بھگوان تیری رکشا کرے۔''

''میں کلپنا یا کوئی اور نہیں ہوں جو کوئی آسانی سے میری عجت پر ہاتھ ڈال سکے۔'' پورنیا کا جوان سینہ کسی دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔

''آگ سے کھیلنا بھی اچھا نہیں ہوتا پورن۔'' کومل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''کھاٹ اور ہم ناریوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چارپائی کا بان ڈھیلا پڑ جائے تو اسے ادوائن کھینچ تان کر دوبارہ کس دیا جاتا ہے' لیکن اگر کسی لڑکی کی عزت کا ماڑ ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر دوبارہ نہیں چڑھ سکتا۔ میری مان' تو سریش کے منہ لگنا چھوڑ ہی دے۔''

''اور دلہن کا جوڑا پہن کر خاموشی سے ڈولی میں بیٹھ جاؤں؟'' پورنیا کا چہرہ تپ کر سرخ ہو گیا۔ جھیل جیسی سندر آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔ ''تو میری سکھی ہو کر جان بوجھ کر کنویں میں چھلانگ لگانے کا مشورہ دے رہی ہے؟''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرینگی۔ میں تیرے بھلے کو سمجھا رہی ہوں۔''

''نہیں سننی مجھے اپنے بھلے برے کی بات۔'' پورنیا آپے سے باہر ہو گئی۔ ''میں اس...... سریش کے منہ پر دس بار تھوکوں گی اور...... اگر پھر بھی اس نے بے غیرت بن کر مجھے اپنا لیا تو اس کے آگے کبھی بھول کر بھی سر نیچا نہیں کروں گی۔''

''تو بہت برا کرے گی پورن۔'' کومل نے دبی زبان میں کہا۔ ''بھگوان نہ کرے کہ تیرے اوپر کوئی ایسا سمے آئے کہ تو زبان سے کچھ کہنا چاہے لیکن کہہ نہ سکے۔''

''رہنے دے اپنا بھاشن' سنبھال کر اپنے پاس رکھ اپنا اپدیش (نصیحت)' جو میرے بھوش میں لکھا ہے میں اکیلے ہی بھوگ لوں گی۔'' پھر کومل آواز دیتی رہی' بنتی کرتی رہی لیکن پورنیا کسی چوٹ کھائی ناگن کے مانند لہراتی بل کھاتی اپنی راہ چلی گئی۔ کومل نے دور تک اس کا پیچھا کیا' پھر منہ

لٹکا کر واپس لوٹ گئی!

پورنیما نے گھر جا کر کورے مٹکے سے ایک گلاس پانی نکال کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا' پھر اپنے کمرے میں جا کر چارپائی پر لیٹ کر کلپنا کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ جوگیندر اس سے پہلے بھی کئی لڑکیوں کے ساتھ زور زبردستی کر چکا تھا' لیکن سب ہی نے اپنی اپنی عزت کی خاطر زبان بند کر لی تھی' پھر ان کے ماتا پتا نے بھی ان جھوٹی ہانڈیوں کو بنا سنوار کر کسی نہ کسی مرد کے پلو سے باندھ دیا تھا۔

''کیا کلپنا کے گھر والے بھی ایسا ہی کریں گے؟'' اس نے سوچا۔ ''یہ چکر کب تک چلتا رہے گا؟ کب تک جوگیندر جیسے نالی کے گندے کیڑے پوری بستی میں اپنا گند پھیلاتے رہیں گے؟ اور کیا کلپنا خود اپنی زبان سے اپنے گھر والوں کو بتا سکے گی کہ اس کے ساتھ کیا انیائے ہوا ہے؟ یا زبان بند رکھ کر......اندر ہی اندر سلگتی رہے گی؟''

''کیا بات ہے پورن؟'' تو اس سے اپنے کمرے میں لیٹی کیا سوچ رہی ہے؟''

ماں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''کچھ نہیں ماں۔'' اس نے اپنے رسیلے ہونٹوں پر ایک جھوٹی مسکان بکھیر کر کہا۔ ''ایسے ہی' سر میں درد ہو رہا تھا اس لئے آرام کرنے لیٹ گئی۔''

''تو آرام کر۔'' ماں نے بڑے لاڈ سے کہا۔ ''میں تیرے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں اور ہاں' اٹھ کر سر درد کی ایک گولی بھی کھا لے۔ تیرے پتا کی الماری میں پوری شیشی پڑی ہے۔''

ٹھیک ہوں ماں تو زیادہ چنتا مت کر' معمولی سی دکھن ہے' جاتی رہے گی۔''

ماں اس کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتی چلی گئی تو اس نے اٹھ کر زبردستی ایک گولی حلق کے نیچے اتاری' پھر دوبارہ کلپنا کے بارے میں سوچنے لگی!

✿✿✿

ایک سال یوں بیت گیا جیسے ابھی کل کی بات ہو!

پورنیما نے ہار نہیں مانی۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ کسی نہ کسی بہانے سریش کو برا بھلا کہہ کر بھڑکاتی رہتی۔ وہ چاہتی تھی کہ سریش اس کی جلی کٹی باتوں سے تنگ آ کر نفرت سے منہ پھیر لے لیکن وہ کسی چکنے گھڑے کی طرح پورنیما کی باتیں سن سن کر مسکراتا رہتا۔ اس کو دور کھڑا عجیب نظروں سے گھورتا رہتا' پھر سر جھکائے چلا جاتا۔

کومل نے کئی بار پورنیا کو زبان بند رکھنے کا کہا لیکن اس نے کومل کی ایک نہ سنی...... پھر وہ بری گھڑی بھی آ گئی جب سریش باجے گاجے کے ساتھ برات لے کر آ گیا۔ کومل اور دوسری سکھیوں نے بڑے چاؤ سے پورنیا کو سرخ جوڑا پہنا کر دلہن کا روپ دیا۔ طرح طرح سے اس کا سنگار کیا۔ اسے بناتے سنوارتے سمے اس کی سہیلیوں نے کئی بار اس کی چٹکی بھری' ایسے بے باک جملے بے دھڑک کہے جسے سن کر نئی نویلی دلہنوں کے دل مستی سے جھومنے لگتے ہیں۔ ان کی گھنی پلکوں کے سائے تلے ہزاروں دیپ جل اٹھتے ہیں۔ ارمانوں میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ دل کی دھک دھک کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتی۔ سہاگ رات کے سنے سنائے قصے اس کے من میں ایک عجیب سی کھد بد پیدا کر دیتے ہیں۔ دلہن کا انگ انگ اندر ہی اندر مستی سے ٹوٹنے لگتا ہے' کبھی لجا کر اپنی سکھیوں کو دیکھتی ہے۔ کبھی پلٹ کر اس کی زبان سے بھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے کہ اسے چھیڑنے والی خود شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہے۔ کبھی آنے والے لمحوں کی سوچ سے شرما کر گردن جھکا لیتی ہے' لیکن پورنیا کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ دنیا دکھاوے کیلئے مسکراتی رہی۔ اس کے اندر کا جوالا مکھی اور بھڑک اٹھا تھا۔

سکھیوں نے بدائی کے گیت گا کر اور ماتا پتا نے اسے جیون میں سدا سکھی رہنے کا آشیرباد دے کر رخصتی کی رسم پوری کر دی۔ وہ ڈولی میں بیٹھی تو کہاروں نے اسے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ڈولی کے ساتھ ساتھ اس کا من بھی ہچکولے کھانے لگا۔

سریش کے گھر والوں نے بڑے پیار سے اس کا سواگت کیا۔ سماج کی پرانی رسمیں پوری کی گئیں' پھر جوان لڑکیوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ وہ اس کمرے کی سمت بڑھنے لگی' جہاں اسے سریش کے ساتھ جیون بتانا تھا۔ نوجوان لڑکیاں اس کے کانوں میں رس گھولنے کے کارن اپنی اپنی بولیاں بولتی رہیں۔ پورنیا گھونگٹ میں سر جھکائے اندر داخل ہوئی اور پھولوں کی اس سیج پر بیٹھ گئی جو اس کیلئے چتا کی آگ سے زیادہ خطرناک تھی۔

سمے آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ باہر سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لڑکیوں اور عورتوں کے ملے جلے قہقہے ابھر رہے تھے' لیکن پورنیا آنے والے لمحوں سے ٹکرانے کے خیالوں میں الجھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے پر کسی کے قدموں کی چاپ ابھری اور کواڑ کو کنڈی لگانے کی آواز پورنیا کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے گھونگٹ کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں آنے والا سریش کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ پورنیا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ ان دھڑکنوں

میں ارمان بھرے سپنوں کا رنگ نہیں' ایک عورت کی نفرت اور حقارت کا رنگ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔
پورنیما اسے کن انکھیوں سے دیکھتی رہی۔ سریش سینہ چوڑا کئے اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

''گھونگٹ کے پٹ ہٹا کر دیکھ پورن۔'' سریش کی نشے میں ڈوبی آواز ابھری۔ شاید اس نے بھی خوشی کے اس موقع پر بھنگ گھوٹ کر پی رکھی تھی۔ اس کی آواز میں فتح کا احساس بھی بھرا تھا۔ ''میں کوئی اور نہیں...... وہی سریش ہوں' جس کے چنگل سے تو اپنا سندر شریر بچانے کے کارن بڑے ناٹک کیا کرتی تھی۔ کسی منہ زور گھوڑی کی طرح لیکن آج......''

''آج تو کیا کر لے گا؟'' پورنیما نے ایک جھٹکے سے گھونگٹ پلٹ کر اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''تھوک کو چاٹ لینا مردانگی نہیں کہلاتی۔ تو کل بھی میرے لئے موری کی اینٹ تھا اور آج بھی وہی ہے۔''

''بھگوان کی سوگند میری رانی' غصے میں تیرے جوبن کا نکھار اور سندر لگ رہا ہے۔ پرنتو آج تیری نہیں' میرے چلے گی۔ آج تیرے گدرائے ہوئے شریر پر کیول میرا ادھیکار ہے' یہ ادھیکار مجھے کسی اور نے نہیں' تیرے پتا اور سماج نے دیا ہے۔''

''میں کتوں کے بھونکنے کی پروا نہیں کرتی۔'' پورنیما غصے میں بھر کر کھڑی ہو گئی۔ ''یہ بات تو پہلے بھی جانتا تھا' آج بھی کان کھول کر......''

چٹاخ! سریش کا بھرپور ہاتھ گھوم کر پورنیما کے پھول جیسے گال پر پڑا تو وہ چکرا کر بستر پر الٹ گئی' پھر اس کے کانوں میں سریش کی آواز گونجی۔ ''آج میں تیرے اندر کا سارا زہر نکال کر تجھے اپنے چرنوں پر جھکنے پر مجبور کر دوں گا۔ خبردار' زیادہ زبان چلانے کی کوشش کی تو زبان کاٹ کر ہاتھ پر دھر دوں گا۔''

''پھر جوگیندر اور تیرے اندر کوئی فرق بھی نہیں رہے گا۔'' پورنیما تڑپ کر بولی۔ ''کمزور لڑکی کی جوانی لوٹنے والے کوٹھے کے دلال ہی ہوتے ہیں جو مونچھوں پر تاؤ دے کر مرد کہلاتے ہیں...... تو بھی ویسا مرد ہے۔''

پورنیما نے گالی دی تو سریش کا نشہ اور بھڑک اٹھا۔ اس کے سامنے پورنیما کا لشکارے مارتا ہوا سندر شریر تھا۔ پورنیما کی زبان سے گالی سن کر وہ دیوانہ ہو گیا۔ جنگلی عقاب کی طرح جھپٹ کر اس نے پورنیما کو کسی کمزور پنچھی کی طرح اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔ پورنیما نے خود کو بچانے کی

خاطر پورا زور لگایا' لیکن ایک مرد کے مقابلے میں تھک کر ہار گئی۔ سریش نے بھوکے کتے کی طرح اسے گودے دار ہڈی سمجھ کر بھنبھوڑنا شروع کیا تو پورنیما کی سانس گھٹنے لگی۔ اس نے آخری وقت تک زور مارا' پھر بے ہوش ہوگئی' پھر کیا ہوا' اسے کچھ یاد نہیں رہا' لیکن جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو اس کے شریر پر ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پلنگ کی چادر اپنے اوپر کھینچ لی۔ اپنے اس انوکھے اور نئے جنم پر پھوٹ پھوٹ کر نیر بہانے لگی۔ کمرے میں شاید اس کے اور اس کی سسکیوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس نے نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نفرت ابھر آئی۔

سریش نے اپنی من مانی کرنے کے بعد قریب رکھے صوفے پر آدھا اوپر آدھا نیچے بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ باہر سے ابھی تک گانے بجانے اور ملے جلے قہقہوں کی آوازیں...... ابھر رہی تھیں!

❀❀❀

پورنیما کا زور ایک بار ٹوٹ گیا تو دوبارہ اس نے جان بوجھ کر سریش کے ساتھ دھینگا مشتی کا کھیل ختم کر دیا۔ ربر کی بے جان عورت کا روپ دھار لیا۔ سریش جب چاہتا اپنے پتی ہونے کا ادھیکار وصول کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا اور مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا کمرے سے باہر چلا جاتا' لیکن اب پورنیما جان چکی تھی کہ تالی ایک ہاتھ سے زیادہ دنوں نہیں بجے گی۔ وہ سریش کو دیکھ کر اب بھی حقارت سے زمین پر تھوک دیتی تھی۔ کئی بار سریش اس بات پر اسے ادھیڑ بھی چکا تھا' مگر وہ ڈھیٹ بن کر رہ گئی تھی۔ اپنے کمرے سے باہر نکلتی تو سب کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتی۔ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتی۔ ہنستی مسکراتی اور چہلیں کرتی' لیکن اپنے کمرے میں جب بھی سریش موجود ہوتا وہ ایک دم ''ٹھس'' بن کر رہ جاتی۔ کھری کھری سنانے سے باز نہیں آتی!

سریش اپنے جاننے میں اصل کے ساتھ دگنا بیاج بھی وصولتا رہا' لیکن ایک دن وہ بھی بری طرح جھلا گیا۔ اسے برف جیسی نہیں گرما گرم روٹی کھانے کی عادت تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ دنوں بعد جب پورنیما کے اندر کی جوان عورت جاگے گی تو وہ بھی پیچ لڑتے وقت کھینچ تان ضرور کرے گی' لیکن اس نے تو سریش کو نیچا دکھانے کی من میں ٹھان رکھی تھی۔

''تیرا دماغ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا؟'' ایک دن سریش نے اسے غصے سے گھور کر پوچھا۔

''رسی جل گئی لیکن تیرا بل ابھی تک نہیں نکلا۔ کب تک نخرے دکھائے گی؟''

''جب تک ٹھنڈا کھاتے کھاتے تیرا دل نہیں بھرے گا۔'' اس نے تیور بدل کر کہا۔

''ابھی تک تیرے اندر کا زہر نہیں نکلا؟''

''نکلے گا بھی نہیں، جب تک تیری ارتھی نہیں اٹھے گی۔''

''بکواس بند کر، کنجری!'' سریش نے اس کا ہاتھ تھام کر اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی دیوار سے ٹکرا گئی۔ سریش گرج کر بولا۔ ''سیدھی طرح اپنی ہٹ چھوڑ دے ورنہ۔''

''ورنہ کیا کرے گا تو؟'' پورنیما بھی آپے سے باہر ہو گئی۔ ''کوٹھے پر بٹھا کر کمائی کھائے گا میری۔ بھا دے چل کر، وہاں میں تیرے ساتھ ساتھ تیرے دوسرے سنگی ساتھیوں کے بھی من کی پیاس......''

سریش نے غصے میں بھر کر اتنی زور کا تھپڑ مارا کہ پورنیما پھر تیورا کر دیوار سے ٹکرائی اس کے بعد وہ زخمی شیرنی کی طرح پلٹی تھی، لیکن سریش پلٹ کر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ جاتے جاتے یہ بھی کہہ گیا...... ''دیکھ لوں گا تجھے، کب تک تو اپنی ہٹ سے باز نہیں آتی۔''

''ارے جا......'' پورنیما نے اس کے جانے کے بعد من ہی من میں ہزاروں گالیاں سناتے ہوئے کہا۔ ''بہت دیکھے ہیں تجھ جیسے برساتی مینڈک۔''

کھینچا تانی نے زور پکڑا تو سریش کے گھر والوں کو بھی بھنک مل گئی کہ سریش اور اس کے درمیان کھٹ پٹ شروع ہو گئی ہے۔ سریش کی ماں نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ایسا کب تک چلے گا پورن بیٹی۔ اب تو بچی نہیں رہی، سیانی ہو گئی ہے۔ میں تیرے بھلے کو کہتی ہوں۔ اپنا غصہ تھوک دے۔ اگر گھر کا بھید باہر والوں پر کھل گیا تو صرف ہماری نہیں، تیرے گھر والوں کی عزت بھی پوری بستی میں دو کوڑی کی رہ جائے گی۔''

پورنیما چپ بیٹھی اندر ہی اندر کھولتی رہی۔

''کل ہمارے آنگن میں کسی بچے کی چہکار بھی گونجے گی۔'' سریش کی ماں نے اسے تھپک کر کہا۔ ''اپنا نہیں تو اس کا دھیان کر۔''

''میں نے کیا کیا ہے جو تو مجھے سمجھا رہی ہے؟'' پورنیما نے بہت ضبط سے کام لیا۔ ''سریش کو نہیں سمجھاتی جو مجھے پرانی روئی کی طرح دھنکتا رہتا ہے۔''

''وہ مرد ذات ہے بیٹی اس لئے......''

''اگر مجھ سے اس کی مردانگی کا پیٹ نہیں بھرتا تو مجھے چھوڑ کر دوسری کیوں نہیں کر لیتا؟'' پورنیما چپ نہ رہ سکی۔ ''میں اسے روکوں گی نہیں۔ تو بھی چاہے......''

''رام رام......'' سریش کی ماں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ''یہ تو کیسی پاپ کی بات زبان سے نکال رہی ہے۔ تیرے ماتا پتا سنیں گے تو کیا کہیں گے؟''

''نہیں میرا جو کریا کرم کرنا تھا کر چکے۔ اب مجھے اپنا جیون اپنے آپ بتانا ہے۔'' پورنیما ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

''اگر تجھے سریش پسند نہیں تو پہلے ہی۔''

''ہزار بار کہا تھا تیرے بیٹے سے کہ میرا دھیان من سے نکال دے۔'' پورنیما نے سریش کی ماں کے تیور میں ذرا کھچاؤ دیکھا تو وہ بھی آپے سے باہر ہوگئی۔ ''تیرے لاڈلے کو دواہ رچانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ جوگیندر اور پرکاش کے ساتھ اس نے دوستی گانٹھ رکھی ہے تو پھر وہ بھی ان دونوں کی طرح ادھر ادھر منہ مارتا رہتا۔ شادی کے پوتر بندھن کی کیا موت آ رہی تھی اسے۔''

''پورنیما!'' چاچی کو غصہ آ گیا۔ ''کیسی گندی بات نکال رہی ہے اپنی زبان سے۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ تیرے پتا شرمانا تھ جی نے تجھے اچھی سکشا دی ہوگی پر تیری زبان تو......''

''خبردار چاچی!'' پورنیما نے ماتھے پر بل ڈال کر سریش کی ماں کو دیکھا۔ ''تو مجھے جو چاہے کہہ لے لیکن میرے پتا کیلئے اب کوئی ایسا ویسا شبد زبان سے نہ نکالنا۔''

''میرا وہ مطلب نہیں تھا پورن۔'' چاچی اس کے تیور دیکھ کر نرم پڑ گئی۔ ''میں تو کیول یہ چاہتی ہوں کہ تیرا اور میرے سریش کا گھر آباد رہے۔''

''جو بھگوان نے بھاگیہ میں لکھ دیا ہے وہ اوش پورا ہوگا۔'' پورنیما زہر میں بجھے انداز میں مسکرائی۔ ''شاستروں میں بھی یہی لکھا ہے ناں۔''

''میں ذرا رسوئی میں جا کر ہانڈی دیکھتی ہوں۔'' چاچی خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی تو پورنیما نے زمین پر تھوک کر کہا۔

''ہونہہ...... گھٹنا جب جھکتا ہے ہمیشہ پیٹ ہی کی طرف جھکتا ہے۔ اپنی چھاچھ کو کوئی کھٹا نہیں کہتا۔ ہونہہ......''

پھر یہ بات پورے گھر میں سب کو معلوم ہوگئی کہ سریش اور پورنیما میں پہلی رات سے ان بن چل رہی ہے۔ دو ایک بار کومل نے بھی آ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن پورنیما نے اس کی باتیں بھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیں۔

پورن اپنی ہٹ پر اڑی رہی۔ پھر ایک دن اسے زور سے ابکائی کے ساتھ چکر بھی آئے تو وہ

گرتے گرتے بچی' پھر جب دو تین مہینے بعد اسے پتا چلا کہ اس کے اندر سریش کا پلاّ کلبلا رہا ہے تو وہ بھنا کر رہ گئی۔ ایک بار اس نے سوچا کہ کوئی الٹ سیدھی چیز کھا کر اس آنے والے بچے سے چھٹکارا پالے' جو سریش کی زور زبردستی کی نشانی بن کر اس کا خون پی پی کر دنیا میں آنے والا تھا' لیکن پھر اچانک اس کے اندر ماں کی ممتا تڑپ کر اس کے ارادے کے بیچ چھاتی تان کر کھڑی ہو گئی۔

''پورن...... یہ کیسا گندا وچار (خیال) تیرے من میں کھلبلی پیدا کر رہا ہے۔ تو ماں ہو کر اپنے ہی بچے کی جان لینے کی سوچ رہی ہے؟ یہ تو گھور پاپ ہو گا پگلی! تو نے اگر ایسا کیا تو پھر تیرے اور ناگن کے بیچ کیا فرق رہ جائے گا' جو اپنے ہی بچے کو نگل جاتی ہے۔ ماں تو کیول ماں ہوتی ہے۔ مورکھ جو اپنے جگر کے ٹکڑے کے کارن دہکتی آگ میں بھی کچھ سوچے بنا چھلانگ لگا دیتی ہے' لیکن اپنے بالک پر ایک ذرا آنچ بھی نہیں آنے دیتی۔ میری بات دھیان سے سن پورن۔ اپنے بچے کو اس دھرتی پر جنم لینے دے۔ وہی تو تیرے جیون کا سب سے بڑا سہارا ہو گا۔ یہ بھی تو سوچ کہ جب تو نے اپنے ماتا پتا کو نراش نہیں کیا تو وہ بھی جیون کی آخری سانس تک تیرے پلو سے الگ نہیں ہو گا!''

پورنیما نے بہت سوچا' بہت غور کیا' پھر اس نے بچے کو جنم دینے سے انکار نہیں کیا۔ سریش کو خبر ہوئی تو اس کی چھاتی اور چوڑی ہو گئی۔ اس رات وہ ضرورت سے زیادہ بھنگ چڑھا کر رات گئے گھر لوٹا۔ پورنیما کو سوتے سے جگا کر بولا۔

''تو ہار گئی نا میری کٹاری۔ بڑا مان تھا تجھے اپنی جوانی پر۔ اپنی ہٹ پر۔ اب دھری رہ گئی ناں تیری ساری اکڑفوں۔ ہو گئی ناں کسی گیاّ کی طرح گابھن۔'' سریش لہرا کر بولا ''بڑی دولتی چلایا کرتی تھی۔ بہت کتراتی تھی میرے سائے سے۔ ہرنی کی طرح کود پھاند کر میرے جال سے نکلنے کی کوشش کرتی تھی۔ اب دیکھ لیا ناں سریش کی شکتی؟ ایسا گانٹھا میں نے کہ اب میری ہی نشانی پیٹ میں لئے چین کی نیند سو رہی ہے۔''

''کتوں کی طرح بھونکنا ہے تو باہر جا کر اپنے گھر والوں پر بھونک۔'' پورنیما نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''مجھے کیوں جگا دیا؟''

گالی سن کر سریش لپک کر آگے بڑھا۔ اس کا الٹا ہاتھ بڑی تیزی سے اٹھا تھا' پھر وہ کچھ سوچ کر قہقہے لگانے لگا۔

''کیوں؟ رک کیوں گیا؟'' پورنیما نے اسے حقارت سے گھورا۔ ''کس کا دھیان آ گیا تجھ

جیسے پاپی کو؟''

''اپنے بالک کا۔'' سریش نے لہرا کر کہا پھر لڑکھڑاتا ہوا جا کر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ کچھ دیر تک نشے کی ترنگ میں ادھر ادھر کی ہانکتا رہا' پھر خراٹے لینے لگا۔

❁❁❁

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا' پورنیا کی پریشانی بڑھتی گئی۔ جب پانچ مہینے گزر گئے تو پھر اس کیلئے پیچھے پلٹ کر کچھ سوچنے کا موقع نہیں رہا۔ اگر وہ بچے کیلئے کچھ برا سوچتی تو اس کی اپنی جان جانے کا خطرہ بھی تھا' لیکن اب اسے ایک طرح سکون کی سانس لینے کا موقع مل گیا۔ دائی اور ماں کے سمجھانے پر اب سریش نے اس کے قریب آنا چھوڑ دیا تھا۔ جانے کہاں کہاں منہ کالا کرنے لگا' لیکن پورنیا کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔

چار مہینے اور گزر گئے۔ اس عرصے میں اسے بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑا۔ دائی نے بھی اسے ساری اونچ نیچ سمجھا دی تھی۔ خود وہ بھی محتاط ہو گئی۔ سمے کے ساتھ ساتھ اس کی ممتا بھی آنے والے کا انتظار کر رہی تھی' پھر جب ایک دن درد حد سے گزر کر دوا بن گیا تو اس کی ساری بے چینی دور ہو گئی۔ اس روز پہلی بار اس کے سوکھے مرجھائے ہونٹوں پر شادی کے بعد ایک ایسی مسکان ابھری تھی' جس میں بہت ساری آشائیں مچل رہی تھیں۔ جب دائی نے ایک گول مٹول بچہ لا کر اس کے پہلو میں لٹایا اور بالک ہونے کی بدھائی دی تو پورنیا کے من مندر میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ اس نے دائی کے کہنے پر بچے کو قریب کر کے اس کا منہ چھاتی سے لگا لیا۔ ایک ایسے معصوم پودے کو سینچنے لگی جو تناور درخت بن کر سریش اور اس کے بیچ ایک ایسی دیوار بن سکتا تھا جس کی چھاؤں تلے وہ بڑے سکھ سے پاؤں پسار کر سکون سے آرام کر سکتی تھی۔ وہ عجیب عجیب سپنے دیکھنے لگی۔

شام کو سریش آیا تو وہ بھی خوش تھا۔ خوشی کے اس موقع پر اس نے پھر زیادہ بھنگ کر چڑھا رکھی تھی۔ پورنیا نے اسے دیکھ کر نگاہیں پھیریں تو مسکرا کر بولا۔

''دیکھ لیا تو نے میری مردانگی؟ مرد کے گھر مرد بچے نے ہی جنم لیا ہے۔''

''ہاں۔ میں نے سن رکھا ہے کہ سانپ کا بچہ سنپولیا کہلاتا ہے۔'' پورنیا نے دل پر پتھر رکھ کر حقارت سے کہا۔

''آج تو غصہ تھوک دے میری چھمک چھلو۔ کب تک کیکر کے درخت کی طرح اپنی ذات

دکھاتی رہے گی؟"

"جب تک میرا راج دلارا میرا راجو بڑا ہو کر تیری چتا کو آگ نہ دکھا دے' میرے دل کو چین نہیں آئے گا۔"

"ابھی سے تو نے اس کا نام بھی رکھ لیا۔" سریش نے خون کے گھونٹ پی کر کہا۔ "یہ ادھیکار مجھے اور میری ماتا کو بھی ہے اور ہم نے اپنے بالک کا نام پنڈت سے پوچھ کر گنیش رکھا ہے۔ سریش اور گنیش۔" اس نے پورنیا کو جلانے کی خاطر سینہ تان کر کہا۔ "کیوں۔ سر سے سر ملتا ہے ناں۔"

"تو اور تیرے گھر والے بیٹھ کر جو من چاہے سر تال ملاتے رہیں پرنتو میں اسے راجو ہی کے نام سے پکاروں گی۔" وہ چڑ کر بولی۔ "میں نے اس کو پورے نو مہینے اپنا خون پلا کر جنم دیا ہے۔ میرا جو ادھیکار ہے راجو پر اسے تیرا پورا کٹم مل کر بھی نہیں چھین سکتا۔ چاہے تم سب مل کر اپنی اگاڑی پچھاڑی دھرتی پر رگڑتے رہو۔"

"اچ...... چھا۔" سریش اس کا جواب سن کر لال پیلا ہونے لگا۔ "ابھی سے تیری زبان اونچے اونچے بول بولنے لگی۔ ہوش میں رہ کر بات کیا کر حرام کی جنی ورنہ اگر تیرے راجو کو بھی چھین کر اپنی موسی کے حوالے کر دیا تو پھر تو سارا جنم اس کی صورت بھی نہیں دیکھ سکے گی۔"

پورنیا نے سریش کی بات سنی تو اس کی ممتا تڑپ اٹھی۔ شیرنی کی طرح بپھر کر بولی۔ "اس وچار کو اپنے گندے من سے نکال دے سریش۔ مجھے خبر ہے کہ تو کن کوٹھے کے دلالوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ پرنتو تو نے اگر میرے راجو کے بارے میں دوبارہ ایسی بات اپنے پلید ہونٹوں سے نکالی تو پھر میں تیرے پورے گھر کو جلا کر راکھ کر دوں گی۔ اب میں اکیلی نہیں رہی۔" اس نے معصوم بچے کو لپٹا کر بڑے مان سے کہا۔ "میرا راجو بھی میرے ساتھ ہے' جو جوان ہو کر اپنی ماں کے ایک ایک اپمان کا گن گن کر حساب لے گا۔"

"کچھ دنوں اور کنجریوں کی طرح زبان کا چٹخارا نکال لے پھر......" سریش نے ننھے اور معصوم بچے کی طرف گھور کر کہا۔ "میں تیرا گھمنڈ بھی سانپ کے زہر کی طرح ایسا نکالوں گا کہ تیری گندی آتما کو مر کر بھی سکھ نہیں ملے گا۔"

سریش تلملا کر باہر چلا گیا تو اس کے گندے منہ سے نکلے ہوئے شبد چنگاریوں کی طرح پورنیا کے وجود کو جھلسانے لگے۔ بھانت بھانت کے وچار اس کے من کو کچوکے لگاتے رہے۔ اس نے سوچا۔ "کیا سریش باپ ہو کر بھی اپنے بچے کے خلاف کوئی الٹا سیدھا قدم اٹھا سکتا ہے؟ کیا وہ

اتنا کٹھور بن گیا ہے کہ اسے اپنے بچے پر بھی دیا نہیں آئے گی؟''

سوا مہینہ اور بیت گیا سریش نے اب اس سے بات چیت بند کر دی تھی' جیسے اس کے اور پورنیما کے بیچ کبھی کوئی سمبندھ ہی نہ رہا ہو۔

پورنیما دکھی ہونے کے بجائے خوش تھی کہ ''پاپ کٹا......''

سریش کے گھر والے سب دیکھ رہے تھے۔ سمجھ رہے تھے' پھر بھی انہوں نے دنیا دکھاوے کے کارن اس روز دنیا ریت کے انوسار پورنیما کے گھر والوں اور اس کی دو چار سہیلیوں کو بھی ''اشنان'' کی خوشی منانے کی خاطر بلا لیا۔ اس روز بندیا بھی اس کی شادی کے بعد پہلی بار اس کے گھر آئی۔ پورنیما جانتی تھی کہ راجن نے سریش کی وجہ سے بندیا کو میل جول بڑھانے سے روک دیا تھا۔

اشنان کی رسم پوری ہوئی تو بندیا اور کومل اس کو لے کر کمرے میں آ گئیں۔ پورنیما تنہائی ملنے پر بے اختیار بندیا سے گلے لگ گئی۔ اس نے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں کیا۔ پہلے ہی کی طرح بڑے پیار سے ملی' بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''تیرا راجن کیسا ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟''

''سب بھگوان کی کرپا ہے' لیکن ہم تیرے حالات سے بے خبر بھی نہیں ہیں۔'' بندیا نے دکھ سے جواب دیا۔ پورنیما سر جھٹک کر بولی۔

''کوئی اور بات کر بندو۔ جو نصیب میں اوپر والے نے لکھ دیا ہے وہ تو ہر حال میں پورا ہونا ہے۔ پھر رونا کیسا؟''

''تیرا راجو تو بڑا سندر ہے۔'' کومل نے ماحول کی گھٹن ختم کرنے کی خاطر راجو کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تو بھی اس کے سامنے پانی بھرتی نظر آتی ہے۔ جوان ہو کر تو شہزادوں جیسا لگے گا۔''

''کیوں نظر لگاتی ہے۔'' بندیا نے کومل کو پیار سے ڈانٹا' پھر جھپٹ کر ننھے راجو کو اس کی گود سے لے کر اس کے پھول جیسے گالوں کو چومنے لگی۔

تینوں سکھیاں دل کھول کر بیتی باتوں کو یاد کر رہی تھیں۔ ہنس بول رہی تھیں۔ جب سریش ایک دم دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ بندیا کو گھور کر بولا۔

''آج تیرے پتی دیو کی مونچھیں کیسے نیچی ہو گئیں' جو اس نے تجھے یہاں آنے کی اجازت

اے دی؟''

''زبان کو لگام دے سریش۔'' پورنیما نے جل کر کہا۔ ''تو میری بندو کا اپمان نہیں کر سکتا۔''

''میں اب چلتی ہوں۔'' بندیا نے بات بڑھتے دیکھی تو سریش کے جواب دینے سے پہلے ہی تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے قریب سے کترا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ کومل نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''تو......'' پورنیما نے دونوں کے جانے کے بعد سریش کو نفرت سے گھورا۔ ''تو اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟ ہر دم تیری دم کتے کی طرح ٹیڑھی کیوں رہتی ہے؟''

''بس......'' سریش گرج کر بولا۔ ''بچے کے خیال سے میں نے تجھے زیادہ ڈھیل دے دی تھی پر یہ نہ سمجھنا تجھ جیسی منہ زور گھوڑی کی لگام دوبارہ نہیں کس سکتا۔ اب اپنی ذات دکھانے کی کوشش کی تو ایسا حشر نشر کر دوں گا تیرا کہ تو خود بھی اپنی شکل نہیں پہچان سکے گی۔ سارا زہر نکال کر تیری منڈیا کسی گندی نالی میں رگڑ دوں گا۔ حرام کی پلی۔''

پورنیما اس کی آخری بات سن کر آپے سے باہر ہو گئی۔ زخمی ناگن کی طرح بل کھا کر چیخ اٹھی۔ ''کبھی اپنا اصلی روپ بھی آئینے میں دیکھ لیا کر۔ اگر میں حرام کی جنی ہوں تو تو بھی مجھے کسی سوّر کا جنا لگتا ہے۔''

اس کے بعد پورے گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ سریش نے لپک کر کونے میں رکھی ہوئی لاٹھی اٹھالی' پھر پورنیما کو دیوانوں کی طرح مارنے لگا۔ باہر سے اس کی ماں اور بہنیں دوڑی دوڑی اندر آ گئیں۔ انہوں نے سریش کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ نشے میں بالکل ہی پاگل ہو رہا تھا۔ ایک بار اس کے ہاتھ میں دبی لاٹھی پورنیما کے سر پر ایسی زور سے پڑی کہ خون بھل بھل نکلنے لگا۔ وہ بے ہوش ہو کر کسی کچی دیوار کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گئی' لیکن سریش اب بھی پوری قوت سے اس پر لاٹھی برسا رہا تھا' پھر پاس پڑوس کے دو تین آدمی چیخ پکار سن کر اندر آ گئے۔ زبردستی سریش کو پکڑ دھکڑ کر کے باہر گھسیٹ کر لے گئے۔ کچھ لوگوں کے کہنے پر سریش کے گھر والوں نے پورنیما کو فوری طور پر بستی کے ہسپتال میں پہنچا دیا۔ شرما ناتھ کو پورنیما کی خبر ملی تو وہ بھی بھاگے بھاگے ہسپتال گئے۔ اس کی حالت دیکھی اور ڈاکٹروں سے اس کی حالت معلوم کی تو انہوں نے تھانے جا کر سریش کے خلاف پرچہ کٹوا دیا۔ دو گھنٹے کے اندر اندر پولیس نے سریش کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا۔ بات پوری بستی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس بھاگ دوڑ میں کسی کو ننھے راجو کا

دھیان نہیں آیا۔ جب خیال آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ شرما ناتھ کے علاوہ سریش کے گھر والوں نے بھی ایک ایک کونا کھدرا چھان مارا' لیکن بچہ کہیں نہ ملا۔ بستی میں گھر گھر ڈھنڈورا ہوا لیکن کوئی کھوج نہ ملا۔

پورنیما کی ماں کو خبر ملی تو وہ ہائے میری پورن' ہائے میرا ننھا راجو کہہ کر ایسی گری کہ پھر اٹھ نہ سکی۔ شرما ناتھ جو پہلے ہی دل کے مریض تھے وہ بھی پورنیما کی حالت' اپنی دھرم پتنی کی جدائی اور راجو کے غائب ہو جانے کا غم برداشت نہ کر سکے۔ اس دن بستی کے مرگھٹ پر دو ارتھیوں کو ایک ہی چتا پر رکھ کر آگ دکھا دی گئی۔ سب کے سر جھکے جھکے نظر آ رہے تھے۔

تین دن بعد پورنیما کو ہوش آیا تو اس نے آنکھ کھولنے کے کچھ دیر بعد سب سے پہلے اپنے دائیں بائیں دیکھا' پھر نرس اور ڈاکٹروں سے اپنے راجو کے بارے میں پوچھنے لگی۔ ڈاکٹروں کے علاوہ اسے کومل اور بندیا نے بھی بہانے بنا بنا کر بہلانے کی بہت کوشش کی۔ ڈھیر سارے بہانے بنائے' لیکن پورنیما کو چین نہیں آیا۔ وہ بستر پر پڑی بن جل مچھلی کی طرح تڑپتی رہی۔ بار بار سوتے سے جاگ کر راجو کا پوچھتی تو ڈاکٹر اسے نیند کا انجکشن لگا کر سلا دیتے۔ لیکن کب تک؟ دس بارہ روز بعد جب اسے ساری کہانی معلوم ہوئی تو وہ پاگل سی ہو گئی۔ اس کے پتا کے ایک پرانے متر پنڈت ارجن نرائن اسے اپنے گھر لے گئے۔ بہت سمجھانے اور شانت رہنے کی کوشش کی لیکن پورنیما تو جیسے دیوانی ہو گئی تھی۔ پنڈت ارجن نرائن اور اس کے گھر والوں نے سارے جتن کر کے دیکھ لئے' لیکن ایک روز پورنیما بھی ایسی چھومنتر ہوئی کہ پوری بستی میں اس کا بھی کوئی نام ونشان نہیں ملا۔ جوگیندر اور رام پرکاش پہلے ہی پولیس کی پکڑ دھکڑ سے ڈر کر کہیں فرار ہو گئے تھے۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے کسی پرانے کنویں میں چھلانگ لگا کر جان دے دی۔ اکثر لوگ اس جیبو دھارندی کو بھی گھور گھور کر دیکھتے جو ہر سال ایک دو انسانوں کو ضرور چٹ کر جاتی تھی اور بھی کئی باتیں سوچی گئیں' لیکن پورے وشواس سے کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر درگا نگر کی بستی والے بھی سب کچھ ایک سپنا سمجھ کر بھول گئے۔

❁❁❁

درگا نگر سے فرار ہونے کے بعد اس نے اپنا نام بھی بدل دیا۔ پورنیما سے آشا بن گئی۔ سریش اور اپنے گھر والوں سے ناتا توڑ کر اب اس کی ایک ہی آشا تھی۔ کسی طرح وہ اپنے راجو کو تلاش کر لے۔ وہ پاگلوں کی طرح اپنے راجو کو کھوجتی رہی۔ شہر شہر چکراتی رہی' پرنتو ہار کر ایک

جگہ بیٹھ گئی، لیکن اس نے اپنے راجو کی کھوج نکالنے کی آس کا بندھن نہیں توڑا تھا۔ اپنے معصوم بچے کی تلاش میں اسے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے، بہت دکھ اٹھانے پڑے۔ درگا نگر سے بغیر ٹکٹ گاڑی میں سوار ہونے کا بھاڑا چکتا کرنے کے کارن اسے ایک رات اس ٹکٹ چیکر کے کوارٹر میں بھی بتانی پڑی، جس نے اسے پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکی دی تھی۔ اگر وہ پکڑی جاتی تو اسے بھی سزا ہو جاتی...... اس کا راجو نہ جانے کہاں سے کہاں چلا جاتا۔

اس نے کئی شہروں، گاؤں اور بستیوں میں اپنے راجو کو تلاش کیا۔ لوگوں کی سہائتا حاصل کرنے کی خاطر وہ کئی دیش بھگتوں کی ہوس کا نشانہ بنی۔ ممتا کی آگ بجھانے کے کارن اسے بار بار زور زبردستی سے روندا گیا۔ راجو کا دھیان نہ ہوتا تو وہ کسی کو گھاس بھی نہ ڈالتی۔ ان سارے بگلا بھگت نظر آنے والے لوگوں کا منہ نوچ لیتی جنہوں نے راجو کی تلاش کی آڑ میں اسے دھوکے دیئے تھے۔ اس کے شریر کو نوچا کھسوٹا تھا!

جانے کتنے سال تک وہ پیٹ بھرنے کے کارن دوسروں کے برتن باسن کرتی رہی۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے اس کا واسطہ پڑا۔ اس نے آشا کے روپ میں اپنے راجو کی تلاش میں نگر نگر، بستی بستی کا کونا کھونا چھان مارا۔ سریش کی اس موسی کے گھر بھی جھانکا جہاں ایک بار سریش نے راجو کو لے جانے کی دھمکی دی تھی، لیکن اس کے دل کا ٹکڑا وہاں بھی نہیں تھا۔ اس نے ایک جگہ رک کر ستانے کی کوشش نہیں کی۔ جس جگہ جیسی بھی ملازمت ملتی، کر لیتی، پھر پاؤں کا چکر ختم ہوتا تو ایک بستی چھوڑ کر دوسری طرف نکل جاتی۔

راجو کو دوبارہ پا لینے کی جوت من میں جگائے وہ پاگلوں کی طرح بائیس سال تک جانے کہاں کہاں بھٹکی، پھر بالا گھاٹ پہنچ کر اس کے آس کے بندھن ٹوٹنے لگے تو اس نے ایک بڑے وکیل کے گھر میں ملازمت کر کے کچھ دیر ستانے کی ٹھانی۔ یہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ وکیل کے علاوہ اس کی دھرم پتنی اور کیول ایک ہی بیٹا تھا پردیپ۔ جس کی عمر اس کے اندازے کے مطابق چوبیس پچیس سال رہی ہوگی۔ بڑا سندر جوان تھا۔ گھونگھر والے بال۔ چوڑی پیشانی، چوڑی چکلی چھاتی اور ساگر کے پانی کی طرح نیلی نیلی آنکھیں۔ کالج میں پڑھتا تھا۔ وکیل سری کانت۔ اس کی پتنی ارملا اور پردیپ کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وکیل جس کوٹھی میں رہتا تھا وہاں نوکر چاکر بھی تھے جو سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔ انہی کے ساتھ ایک کمرے میں آشا کو بھی سر چھپانے کی جگہ مل گئی۔ اس نے بہت جلدی ارملا دیوی کا من جیت لیا تھا، اس لئے اب دوسرے ملازموں نے

اس کی طرف بار بار چور نظروں سے گھورنا بھی بند کر دیا تھا۔ سری کانت بڑا وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ڈھیر ساری دھن دولت کا مالک بھی تھا۔ بڑے بڑے لوگ اس سے کوٹھی پر ملنے آتے تھے۔ بڑا اونچا نام تھا اس کا۔

ارملا کا من جیتنے کے بعد آشا کے دل کو چین آ گیا' لیکن راجو کی یاد اب بھی اسے اٹھتے بیٹھتے تڑپاتی رہتی تھی۔

پردیپ کسی کالج میں پڑھتا تھا۔ ماں' باپ دونوں کا بڑا لاڈلا تھا۔ ارملا دیوی تو جیسے اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے آشا اور پردیپ نے بھی ایک دوسرے کو دیکھا' لیکن اس نے کبھی پردیپ کے قریب ہونے کی کوشش نہیں کی۔ دور دور ہی رہتی تھی' مگر ایک دن جب ارملا دیوی نے پردیپ کیلئے روز رات دودھ کا گلاس لے جانے کی ڈیوٹی اس کی لگائی تو نہ جانے کیوں آشا کو کچھ عجیب سا لگا۔

''دودھ کا گلاس لے جانے کا کام تو نندنی کرتی ہے مالکن پھر......''

''وہ دو مہینے کیلئے گاؤں جا رہی ہے۔'' ارملا دیوی نے کہا۔ ''واپس آئے تو پھر دیکھا جائے گا۔''

آشا چپ ہو گئی۔ انکار کرتی تو اس کے سر چھپانے کی جگہ بھی چھن جاتی۔ اس نے خود کو سمجھایا' پھر روز رات دس بجے پردیپ کے کمرے میں دودھ کا گلاس لے کر جانے کا کام شروع کر دیا۔ ہفتہ دس دن سکون سے بیت گیا لیکن آشا نے در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد مردوں کی نظروں کو پہچاننا شروع کر دیا تھا۔ وہ جب بھی پردیپ کے سامنے کسی کام میں مصروف ہوتی تو وہ اسے بار بار چور نظروں سے دیکھا کرتا۔ آشا نے یہ بات ملازمت حاصل کرنے کے دو چار دن بعد ہی بھانپ لی تھی۔ اسے پردیپ کی نظروں میں کوئی کھوٹ نظر نہیں آیا' لیکن وہ دودھ کی جلی تھی اس لئے چھاچھ سے بھی ڈرتی تھی۔ اگرچہ وہ اس کے سن سے آدھے سن کا تھا۔

پھر ایک دن وہ دودھ کا گلاس رکھ کر واپس آنے لگی تو پردیپ نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ آشا اس کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ جانے کیوں اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''تم پہلے کیا کام کرتی تھیں؟'' پردیپ نے اس کی نظروں میں دور تک جھانکا تو وہ سہم کر رہ گئی۔

''جنم جنم سے یہی کام کر رہی ہوں۔'' اس نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ''اب تو پیچھے پلٹ کر دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔''

''کیا اس دھرتی پر تمہارا اپنا کوئی نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے نظریں جھکا کر مدھم سروں میں جواب دیا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' پردیپ وکیل کا بیٹا تھا' اس لئے جرح کی۔ ''پرش یا استری آسمان سے اکیلے تو نہیں ٹپکتے' ان کا کوئی پریوار کوئی گھر بار بھی ہوتا ہے۔''

''سب کچھ تھا۔ پر اب کچھ نہیں رہا۔'' اس نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال کر جواب دیا۔

''کہیں نہ کہیں لگن بھی ضرور ہوئی ہوگی' پھر تم نے پوتر اگنی کے پھیرے بھی......''

''دودھ ٹھنڈا ہو رہا ہے چھوٹے مالک......'' آشا نے بات کاٹنے کی کوشش کی۔

''میں ٹھنڈا ہی کر کے کھانے کا عادی ہوں۔'' پردیپ نے مسکر کر کہا۔ ''گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے۔''

اور...... پردیپ کا جواب سن کر آشا کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ اس نے پردیپ پر ایک اچٹتی نظر ڈالی' پھر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی' لیکن پردیپ کو نہ جانے کیسی اس کے بارے میں ایک کھوج سی لگ گئی تھی۔ اس نے ارملا دیوی اور سری کانت کے سامنے آشا سے کبھی کھل کر بات نہیں کی' لیکن وہ جب بھی اکیلے میں اس کے پاس جاتی وہ پھر اس کے ساتھ ہنسنے بولنے لگتا۔

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ وہ بالکل تنہا تھی۔ اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کی خاطر اسے پردیپ کیلئے دودھ کا گلاس لے کر اس کے کمرے میں بھی جانا پڑا۔ پردیپ جوان تھا' ماں باپ کا لاڈلا تھا۔ اگر چاہتا تو دوسرے مردوں کی طرح ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹ بھی سکتا تھا' کیونکہ اب بھی اس کا حسن ماند نہ ہوا تھا۔ آشا بعد میں ارملا دیوی سے کچھ کہتی تو الٹا چور بن جاتی۔ اسے کنجری یا پاپن کہہ کر دھکے مار کر گھر سے نکال دیا جاتا' لیکن پردیپ نے کبھی اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش نہیں کی۔ جانے اس نے اپنے من میں کیا سوچ رکھا تھا؟ کیوں اس کے بیتے دنوں کی کھوج لگا رہا تھا؟

پھر ایک دن جب آشا دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں گئی تو پردیپ اسے نظر نہیں آیا۔ وہ گلاس رکھ کر الٹے قدموں جانے کا سوچ رہی تھی کہ پردیپ واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اس نے اپنی کمر پر کیول ایک تولیا لپیٹ رکھا تھا۔ آشا نے اسے اس حالت میں دیکھا تو بس دیکھتی

رہ گئی۔ پردیپ کی چوڑی چکلی چھاتی پر گھنے گھنے کالے بال بڑے سندر لگ رہے تھے۔اس کے الٹے بازو کے قریب سینے سے ذرا اوپر ایک بڑا سا کالا داغ بھی تھا۔شاید بھگوان نے وہ داغ اس کے شریر پر اس لئے لگا دیا تھا کہ کسی کی نظر نہ لگ جائے۔آشا نے پردیپ کے جوان اور سندر شریر سے نظر ہٹانے کی کوشش کی‘ لیکن اس کے من میں کوئی بات ایسی ضرور تھی کہ وہ نظریں نہ پھیر سکی‘ پھر پردیپ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''آئی ایم سوری!'' اس نے بیبا کی سے مسکرا کر کہا۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا تم کمرے میں ہو تو میں......''

آشا نے کوائی جواب نہیں دیا۔ دل کی دھڑکنیں سنبھالتی وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ پردیپ کی نظریں دور تک اس کا پیچھا کرتی رہیں۔اس دن کے بعد سے آشا کا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ دیر تک پردیپ کے سامنے بیٹھی اسے تکتی رہے۔اس سے بے تکلفی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہے۔

سری کانت کو کسی ضروری کیس کے کارن ناگپور جانا پڑا تو ارملا دیوی بھی اس کے ساتھ چلی گئیں۔ جاتے جاتے انہوں نے آشا کو اپنے کمرے میں بلا کر سختی سے تاکید کی تھی۔

''ہم نہ ہوں تو تجھے ہمارے پردیپ کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ناشتہ پانی سے لے کر رات کو سوتے وقت تک اس کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔''

''آپ کی واپسی کب تک ہوگی؟'' آشا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے ایک ہفتے میں لوٹ آئیں‘ زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔'' ارملا دیوی نے کہا۔

''تجھے پردیپ کے علاوہ گھر کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے مالکن۔''

آشا نے گردن ہلا کر جواب دیا‘ پھر کسی وچار میں گم ہوگئی۔

ارملا دیوی اور سری کانت جی اس پر بھروسہ کر کے چلے گئے تو آشا پردیپ سے دور دور رہ کر اپنی ذمہ داری نبھانے لگی‘ لیکن اس کی قسمت میں جو لکھا تھا وہ بھی پورا ہو کر رہا۔ ارملا دیوی کے جانے کے تین دن بعد پردیپ کالج سے لوٹا تو اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے تیز بخار ہو رہا تھا۔آشا نے باہر کام کرنے والے پرانے ملازم سے ڈاکٹر کو بلانے کا کہا۔ڈاکٹر نے آکر دیکھا تو ضروری دوا دارو دینے کے بعد باہر آکر آشا سے کہا۔

''ارملا دیوی کے آنے تک تمہیں پردیپ کا بہت زیادہ دھیان رکھنا ہوگا۔ اسے عام بخار نہیں ایک وائرس کا اثر ہے۔ علاج میں کچھ وقت لگے گا۔ بخار تیز ہو تو سر پر برف کی پٹی رکھنا نہ بھولنا۔ میں بھی آتا رہوں گا۔ کوئی ایمرجنسی ہو تو ملازم سے فون کرا کے مجھے فوری اطلاع دینا۔''

ڈاکٹر چلا گیا تو آشا کی پریشانی بڑھ گئی۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ ڈاکٹر سے ضرور بنتی کرتی کہ پردیپ کے شریر کا سارا بخار اتار کر اس کے شریر میں ڈال دے' لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسا ممکن نہیں تھا!

پردیپ کا بخار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق کم ہونے کے بجائے بڑھتا گیا۔ ڈاکٹر دو روز بعد آیا تو اس نے اپنے سامنے آشا سے پردیپ کے ماتھے پر برف کی پٹیاں رکھوائیں' پھر کچھ دیر بعد جانے لگا تو اس نے کہا کہ وہ سری کانت جی اور ارملا دیوی کو فون کر کے کہے گا کہ وہ فوری واپس آ جائیں۔

''کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے ڈاکٹر بابو؟''

آشا نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

''تم صرف میری ہدایت پر عمل کرتی رہو۔ پردیپ کا کیس تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ کوشش کرنا کہ پردیپ سکون کی نیند سو سکے۔''

آشا ڈاکٹر کے جانے کے بعد بے چین ہو گئی۔ اپنی نظر کو کوسنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ جس روز اس نے پردیپ کو تولیا لپیٹے دیکھا تھا شاید اس دن اسی کی نظر لگ گئی تھی پردیپ کو۔ اس دن وہ ڈاکٹر کے جانے کے بعد بار بار پردیپ کے کمرے میں جا کر اس کی نبض ٹٹولتی رہی۔ رات کو دودھ کا گلاس لے کر گئی تو پردیپ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ آشا نے دودھ کا گلاس رکھ کر اس کا پنڈا چھوا جو گرم توے کی طرح جل رہا تھا۔

''کون؟''

پردیپ نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

''مم...... میں آشا ہوں چھوٹے مالک۔'' اس کی آواز رندھنے لگی۔ ''آپ کیلئے دودھ لے کر آئی تھی۔''

''روشنی بند کر دو۔ میری آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔''

آشا نے جلدی سے بجلی بند کر دی۔ باہر ورانڈے کی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

''دودھ پی لیں چھوٹے مالک پھر آرام سے سو جایئے گا۔''

پردیپ نے کہنی کے بل اٹھنے کی کوشش کی تو اسے جیسے چکر آ گیا۔ آشا نے لپک کر اس کو تھام لیا۔ نہ چاہتے ہوئے اپنے آپ کو سمیٹ کر اس کے بستر کے کونے پر بیٹھ گئی۔ پردیپ نے بڑی مشکل سے آشا کا سہارا لے کر دودھ کا گلاس خالی کیا' پھر اسی کی ران پر سر رکھ کر لیٹ گیا تو آشا کے اندر کی عورت تڑپ کر جاگنے لگی۔

''چھوٹے مالک......'' اس نے پردیپ کا سر سہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''آپ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ جائیں۔ میں آپ کے سرہانے بیٹھ کر سر سہلاتی رہوں گی۔''

''نہیں......'' پردیپ نیند کی کیفیت میں بولا۔ ''تم اسی طرح بیٹھی رہو' مجھے سکون مل رہا ہے۔ مجھے چھوڑ کر مت جانا۔''

آشا کوئی جواب نہ دے سکی۔ ڈاکٹر نے اسے ہدایت کی تھی کہ پردیپ کو سکون کی نیند سونے دیا جائے۔ وہ خاموش بیٹھی آدھی رات تک پردیپ کا سر دباتی رہی۔ کئی بار اسے اونگھ آئی لیکن وہ سنبھل گئی' پھر نیند کا ایک ایسا جھونکا آیا کہ وہ خود کو سنبھال نہ سکی۔ دوبارہ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب کسی نے بڑی زور سے اس کے کولہوں پر چٹکی بھری تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تو خود بھی اپنی حالت دیکھ کر اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ رات وہ جانے کب بخار میں پھنکتے ہوئے پردیپ کے ساتھ گٹھڑی بنی لیٹ گئی۔ چٹکی کاٹنے والی ارملا دیوی کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ اور بھی گھبرا گئی۔ جلدی سے پلو سنبھالتی ہوئی اٹھی تو ارملا دیوی اسے کھینچ کر باہر لے گئیں' پھر اس زور کا تھپڑ مارا کہ آشا تیورا کر رہ گئی۔

''کمینی......کنجری......کسی کہیں کی۔''

ارملا دیوی پاؤں کی جوتی ہاتھ میں لے کر اسے غصے سے مارتے ہوئے بولیں۔

''جس ہانڈی میں کھایا اسی میں چھید کرتے ہوئے تجھے لاج بھی نہ آئی۔ ایسی ہی گرمی چڑھی تھی تو کسی ملازم کے کوارٹر میں چلی جاتی۔''

''آپ......آپ ایسا مت کہیں مالکن' میں......''

''میری نظروں سے دور ہو جا......حرافہ۔''

ارملا دیوی نے اسے دھکا دے کر حقارت سے کہا۔

''صاحب نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔ ابھی پولیس آ کر تجھے لے جائے گی تو تیری ساری

مستی بھی حوالات میں نکلتی رہے گی۔ ویشیا کہیں کی۔"

آشا نے جواب میں کچھ نہیں کہا...... وہ کچھ کہنے کے قابل ہی کہاں رہ گئی تھی۔ اپنے جذبات کا اندر ہی اندر گلا گھونٹتی رہی۔

چار روز تک وہ تھانے میں مسٹنڈے سپاہیوں کا زور ظلم سہتی رہی۔ پانچویں روز اسے عدالت میں پیش کیا گیا۔ خود وکیل ہونے کے ناتے سری کانت عدالت میں پیش ہوئے۔ انہوں نے عدالت کے روبرو آشا کے کرتوت بڑھا چڑھا کر پیش کئے۔ عدالت میں موجود افراد آشا کی ذات پر تھو...... تھو کرتے رہے۔ کچھ لوگ اسے بھوکی نظروں سے بھی دیکھتے رہے۔ بھانت بھانت کی آوازیں ابھرتی رہیں۔

جب سری کانت اپنی زبان کا چٹخارا نکال چکے تو عدالت نے آشا سے پوچھا۔

"کیا تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

"نہیں سرکار!"

آشا کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"سری کانت جی نے جو بھی کہا وہ بہت کم ہے۔ میں اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ میں ذات کی کنجری ہوں اور کسی کنجری کو وہی سزا ملنی چاہیے جو بدھی مانوں نے قانون کی کتابوں میں لکھ دی ہے۔"

عدالت نے تھوڑی پوچھ گچھ کے بعد آشا ولد نامعلوم کو چار سال قید بامشقت کی سزا سنا دی۔ عدالت میں موجود ارملا دیوی نے بڑا کڑوا سا منہ بنایا۔ شاید ان کے نزدیک آشا کو بہت کم سزا ملی تھی۔

پولیس کے سپاہی ارملا کو گھیرا ڈال کر لے جانے لگے تو اس نے ارملا سے آخری بار ملنے کی بنتی کی۔ قانون کے دیوتا نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ آشا کو زنانہ پولیس کی ایک عورت کے ساتھ خالی کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں کچھ دیر بعد ارملا دیوی بھی آ گئیں۔ ان کے چہرے پر بدستور غصہ موجود تھا۔ آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"بول کنجری!" انہوں نے اس کو حقارت سے مخاطب کیا۔ "اب بھی کچھ کہنا سننا باقی رہ گیا ہے؟"

جواب میں آشا نے اپنی کرتی کا گریبان نیچے کیا اور الٹی چھاتی کے اوپر کا بدن ارملا دیوی کو

دکھایا' جہاں ایک بڑا سا کالا داغ موجود تھا۔ ارملا دیوی اس کالے داغ کو دیکھ کر چونکی۔ آشا نے اس کے قریب ہو کر بڑے مدھم مگر اداس لہجے میں کہا۔

''اب وہ میرا راجو نہیں۔ تمہارا پردیپ ہی ہے۔ ایک کنجری کی خاطر اس کا دھیان رکھنا۔ اسے کبھی یہ نہ بتانا کہ میں کون ہوں۔'' پھر وہ تیزی سے پلٹی اور پولیس کی عورت کے ساتھ مجرموں کی طرح سر اور نظریں نیچے کیے عدالت سے باہر آئی اور پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد گاڑی چلی تو پورنیما کے کانوں میں کومل کا کہا ہوا ایک جملہ گونجنے لگا۔

''بھگوان نہ کرے کہ تیرے اوپر کوئی ایسا سمے آئے کہ تو زبان سے کچھ کہنا چاہے لیکن کہہ نہ سکے۔''

❁❁❁

پاکستانی ورچوئل لائبریری
وقار عظیم ڈاٹ کام

دراڑ

مہکتی، مسکراتی اور چلبلاتی لڑکیاں اسے پھولوں سے سجی مسہری پر بٹھا کر آپس میں اٹھکیلیاں کرتیں چلی گئیں، تو کومل نے سکون کا سانس لیا۔ گھونگھٹ کی اوٹ سے اس نے ادھر دیکھا، تو دلہن کی طرح سجے بڑے سے کمرے میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس نے آہستہ سے پہلو بدلا، پھر گھونگٹ نکال کر بیٹھ گئی، دو گھنٹے سے باہر ہونے والی رسم ورواج کے کارن ایک ہی انداز سے بیٹھے بیٹھے اس کی کمر کے علاوہ سارا انگ انگ پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تھا۔

کچھ دیر وہ سر جھکائے بیٹھی دروازہ دوبارہ کھلنے اور کسی کے قدموں کی آہٹ پر کان لگائے بیٹھی رہی، پھر اس نے کن آنکھیوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ہر چیز کو بڑے سلیقے سے سجایا گیا تھا، ہر چیز اتنی قیمتی تھی کہ خود زبان سے اپنا مول بتا رہی تھی، پھر اس کی نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کے اوپر دیوار میں لگے بڑے فریم پر جم کر رہ گئی جس میں منوج کی سندر سی تصویر مسکراتی نظر آ رہی تھی۔ یہی تصویر اسے شادی سے پہلے دکھائی گئی تھی، کومل کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔

آج اس کی سہاگ رات تھی، وہ رات جس میں لڑکیاں جانے کیا کیا سپنے بنتی ہیں، کیسے کیسے خیالات ان کے من کو انجانی دنیا کی سیر کراتے ہیں۔ ایسی ایسی باتیں من مندر کے سناٹے میں گھیرے ڈالتی ہیں کہ نئی نویلی دلہنیں شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہیں۔ کچھ دیر پہلے جب کومل اپنے گھر کے آنگن کو سُونا کر کے اپنے ماتا پِتا کا آشیرباد اور دعائیں لے کر پی کے گھر کے لیے بدا ہوئی تھی تو اس کی سکھیوں نے بھی اس کے کانوں میں اپنے ڈھیر سارے تجربے انڈیل دیئے تھے، وہ صرف مسکرا کر رہ گئی تھی، کسی بات پر بھی تو اس کے دل کی دھڑکنوں میں مچل جانے کا دھیان نہیں آیا تھا۔ پھر جب وہ چمکتی دمکتی لمبی سی کار سے اتر کر اپنے نئے گھر میں داخل ہوئی تو رسموں کو پورا کرتے سمے

بھی الھڑ لڑکیوں نے اس کے کانوں میں بہت سارے ارمانوں اور امنگوں کے رس گھول دیئے تھے۔ وہ دنیا دکھاوے کی خاطر صرف شرماتی لجاتی رہی، لیکن اس کے من میں ارمانوں کے کوئی لڈو نہیں پھوٹے تھے۔ شاید اس لیے کہ اس نے ماتا پتا کے حکم پر سر جھکا کر منوج سے جیون کا رشتہ جوڑنے پر ''ہاں'' کر دی تھی، کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ یہ بات بھی اس کی زبان تک نہیں آئی تھی کہ وہ کرن کمار کو دل ہار بیٹھی تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جاتے سمے اس نے بڑے وشواس سے کرن کو وچن دیا تھا۔

''میں آخری سانس تک تمہاری راہ دیکھوں گی۔''

''مجھ پر وشواس رکھنا کنول۔'' کرن نے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی سچائی سے کہا تھا۔ ''میں جیون میں ہمیشہ تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔ ہر طرح تمہارا دھیان رکھوں گا لیکن......''

''لیکن کیا......؟''

''مجھے تعلیم مکمل کرنے میں تین سال ضرور لگیں گے۔ تم اتنا انتظار کر سکو گی؟''

''میں سارا جیون......''

''نہیں۔'' کرن نے بڑی معصومیت سے اس کے گلابی ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ مسکرا کر بولا۔ ''یہ کبھی مت بھولنا کہ تم استری ذات ہو، نام کی بھی کومل ہو، جو لڑکیاں...... اپنے وواہ کے کارن ماتا پتا کے سامنے اپنی زبان کھولتی ہیں سماج میں انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟''

''زبان نہیں کھولوں گی، تو تمہارے پیار کی رکشا کیسے کروں گی؟'' اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

''بھگوان سے پرارتھنا کرنا۔ وہ کبھی کسی کو نراش نہیں کرتا۔''

''اور اگر اس نے بھی نہ سنی تو؟''

''تم چنتا مت کرو۔'' کرن نے اس کی ڈھارس بڑھائی۔ ''ماں میری کسی بات سے انکار نہیں کرتی۔ بڑا پیار کرتی ہے مجھ سے۔ میں جاتے سمے اس کے کان میں تمہارا نام ڈال جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے گھر آپہنچنے سے پہلے ہی کوئی ایسی رسم پوری کر لے، کہ تم بس میرے نام کی ہو کر رہ جاؤ۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' کومل مطمئن ہو گئی۔

❁❁❁

کومل گرلز کالج کے دوسرے سال میں تھی، جب کرن کمار نے تین ماہ گزرنے کے بعد داخلہ لیا تھا۔ سب ہی کو حیرت تھی، لیکن کرن نہ صرف پڑھائی میں تیز تھا، بلکہ بڑا سوشل اور بڑا سندر بھی تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کلاس کی کئی لڑکیوں کا ہیرو بن گیا۔ لڑکیوں نے اسے بہت سارے نام دے رکھے تھے۔ وہ سب سے گھل مل کر ملتا تھا۔ دوسری لڑکیوں کی طرح کومل کا دل بھی گواہی دیتا تھا، کہ وہ صرف اسی کو چاہتا ہے۔ سب ہی سندر سندر سپنے دیکھ رہی تھیں، جب ایک دن کرن نے تنہائی میں بڑے پیار بھرے انداز میں کومل کا راستہ روک لیا۔

وہ لائبریری سے کتاب لے کر نکل رہی تھی جب کرن سے اس کا ٹکراؤ ہو گیا۔ وہ بچ کر نکلنا چاہتی تھی، لیکن کرن کمار نے مدھم سروں میں کہا تھا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' کرن کے لہجے میں بہتے جھرنوں کی مٹھاس اور ترنگ گھلی ملی تھی۔

''جی......'' اس نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال کر کہا۔

''کہیے......''

''میں دو ماہ بعد اعلیٰ تعلیم کی غرض سے باہر جا رہا ہوں۔''

''بھگوان آپ کی منوکامنائیں پوری کرے۔'' اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔

''یہی دعا اگر آپ تعلیم کے علاوہ میری من کی آشا پوری ہونے کے لئے بھی دے دیں تو پھر مجھے باہر جا کر بھی کسی بات کی چنتا نہیں رہے گی۔''

''میں کیا جانوں آپ کے من کی کیا آشا ہے؟'' کومل نے اِدھر اُدھر دیکھ کر دھڑکتے دل سے جواب دیا۔

''اگر بتا دوں تو آپ برا تو نہیں منائیں گی؟''

''میں کیوں برا مناؤں گی؟'' اس نے کرن کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک دیکھ کر پھر معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

''میری کیول اتنی سی آشا ہے کہ جس لڑکی نے مجھے سپنوں کے شہزادے کا ٹائٹل دیا ہے، میری جیون ساتھی بھی بن جائے۔''

کومل کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔اسی نے کرن کو سپنوں کا شہزادہ کا نام دیا تھا۔اس کا من خوشی سے جھوم اٹھا لیکن خود کو سنبھال کر بولی۔

''میں کیا جانوں آپ کو کس نے سپنوں میں شہزادے کی طرح بسا کر رکھا ہے؟''اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''وہ آپ کے سوا اور کون ہو سکتی ہے۔''کرن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کس نے بتایا؟''دل کا چور پکڑا گیا،تو وہ سٹپٹا گئی۔

''اسی پیاری اور سندر سی لڑکی نے ، جو اس سے میرے سامنے کومل کے روپ میں کھڑی انجان بننے کی کوشش کر رہی ہے۔''

کتنے انوکھے اور مدھر انداز میں کرن نے اس کے دل کا چور پکڑا تھا، کب......؟ کیسے......؟ اسے ایک ذرا بھنک بھی نہیں ملی۔وہ خاموش کھڑی دل کی دھڑکنوں کو گن رہی تھی، جب کرن نے پھر اس کے دل کے نازک تاروں کو چھیڑتے ہوئے بڑے یقین سے کہا۔

''کومل، مجھے وشواس ہے کہ تم مجھے نراش نہیں کرو گی۔''

کرن اپنی بات پوری کر کے قدم اٹھاتا لائبریری میں چلا گیا۔اس نے کومل کو تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔کتنی مٹھاس اور کس قدر پیار تھا اس ''تم'' میں کہ وہ اپنی خوش قسمتی پر جھوم جھوم اٹھی تھی۔دوسرے لڑکوں کی طرح اس نے باتوں کو طول دے کر کومل کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔اپنے من کا بھید سن کر نظریں جھکائے اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔کومل سمٹی سمٹائی اپنی جگہ کھڑی سپنوں ہی سپنوں میں محبت کی حسین وادیوں کی سیر کرتی رہی۔اس نے لائبریری کے دروازے کی سمت دیکھ کر من کی گہرائیوں سے من ہی من میں کہا تھا۔

''بھگوان تمہاری یہ آشا بھی پورے کرے۔''پھر وہ اپنے ہی کہے جملے پر چھوئی موئی کے پودے کی طرح اپنے اندر سمٹتی سمٹاتی تیز قدم اٹھاتی کلاس روم کی طرف چلی گئی۔اس کے پگ دھرتی پر پڑ رہے تھے،لیکن وہ خود سپنوں کے دوش پر ہواؤں میں اُڑ رہی تھی۔

اس دن کے بعد سے وہ بھی آہستہ آہستہ کرن سے قریب ہوتی چلی گئی۔دوسرے لڑکیوں کی طرح اب وہ بھی اس سے کھل کر بات کرتی۔ہنستی بولتی رہی اور بھی کئی لڑکیاں کرن کو اپنانے کے سپنے دیکھ رہی تھیں،لیکن کومل کا من گواہی دے رہا تھا کہ اس کے سپنوں کا شہزادہ اسے جیون میں کبھی نراش نہیں کرے گا۔

دو چار بار وہ موقع نکال کر کرن کے بے حد اصرار پر اس کے کالج کے باہر بھی ملی تھی، ان کے بیچ میں کئی کئی گھنٹوں تک آنے والے کل کی باتیں ہوتی رہتیں۔ میٹھے میٹھے پوتر اور سندر سندر پیار کے تاج محل بنائے جاتے، پھر وہ کالج ٹائم سے پہلے ہی گھر واپس آ جاتی۔ ان ملاقاتوں نے ان دونوں کو ایک دوجے کے اتنا قریب کر دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں بھی سن سکتے تھے لیکن کرن نے کبھی تنہائی میں بھی اس کے سندر شریر کو بھول کر بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ان کے درمیان پروان چڑھتا پریم پہاڑی جھرنوں کی طرح پوِتر اور اُجلا تھا۔ اس میں کوئی کھوٹ، کوئی میل نہیں تھا پھر۔

پہلے سال کا امتحان دینے کے بعد کرن تعلیم حاصل کرنے کے کارن امریکہ چلا گیا۔ جاتے جاتے بھی اس نے کومل کو وشواس دلایا تھا کہ وہ اپنی ماں کو سب کچھ بتا کر جائے گا۔ کومل کو اس کی باتوں پر پورا پورا وشواس تھا۔

✿✿✿

دو سال پلک جھپکتے بیت گئے۔

ان دنوں کومل بی اے کے آخری سال میں تھی جب ایک روز ماں نے ایک بند لفافہ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔ ’’اس میں کسی کی تصویر ہے۔ اسے غور سے دیکھ کر جواب دینا۔ میں لڑکے کے گھر والوں سے مل چکی ہوں، وہ ہم سے بڑے ہونے کے باوجود بھلے لوگ ہیں۔ لڑکے کے پِتا سورگ باسی ہو چکے ہیں۔ ایک ودھواماں ہے، جو کسی دیوی کا روپ نظر آتی ہے۔ تمہیں اس گھر میں کسی کمی کا احساس نہیں ہوگا۔ سادھنا دیوی کے روپ میں ایک ماں کا پیار بھی ملے گا۔ سارا جیون چین سے گزرے گا۔ تمہارے پتا نے بھی خوشی خوشی ہاں کر دی ہے۔ ایسے رشتے قسمت سے ملتے ہیں بیٹی، لیکن میں پھر بھی تمہاری رائے جاننا ضروری سمجھتی ہوں۔ سوچ بچار کر کے کوئی آخری جواب دینا۔ ایک بات اور بتا دوں، سادھنا دیوی اپنے بیٹے کی شادی جلد کرنا چاہتی ہیں، ہم بھی چاہتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ پیلے ہو جائیں تو ہم بھی سکون کا سانس لیں گے۔‘‘

اس نے ماں کی بات کا کوئی فوری جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے لفافہ لیے نظریں جھکائے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا من گواہی دے رہا تھا، کہ بند لفافے سے اسی کے سپنوں کے شہزادے کی تصویر نکلے گی۔ اس خیال ہی سے اس کا انگ انگ جھوم اٹھا تھا، لیکن جب لفافہ سے نکلنے والی تصویر کسی اجنبی کی ثابت ہوئی، تو اس کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔ اسے اپنی نظروں پر وشواس

نہیں آرہا تھا، وہ جو کچھ دیر دیکھ رہی تھی، وہ اس کی آنکھوں کا دھوکا نہیں تھا۔

کومل کے سہمے وجود میں لو کے جھکڑ چلنے لگے، اس نے سوچا کہیں کرن نے اسے دھوکا تو نہیں دیا، لیکن عقل نے اس کی تردید کردی، اگر وہ چتر چالاک ہوتا تو کومل کی معصومیت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا، مگر اس نے تنہائی میں بھی کبھی اس کے شریر کو چھونے کی کوشش نہیں کی تھی، بھونرا ہوتا تو پھول کا رس چوس کر اڑ گیا ہوتا، پھر کون سی مجبوری آن پڑی تھی کہ کومل کو وچن دینے کے بعد بھی اس نے اپنی ماتا کو اپنے دل کا راز نہیں بتایا تھا، ملے بغیر ہی چلا گیا تھا۔

دیر تک وہ کرن کے بارے میں اپنے وچاروں میں گم رہی، لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ماں کی دی ہوئی تصویر ہاتھوں میں تھامے سوچتی رہی۔ ایک دل نے کہا۔

''کومل، ابھی سے تیرے ہاتھ میں ہے، تو خود نہیں تو کسی سہیلی کے ذریعے ماں کو اپنے من کے حال سے آگاہ کردے، اسے بتادے کہ تیرے سپنوں کا شہزادہ لڑکیوں سے ٹھٹھول کرنے والا کوئی عام لڑکا نہیں تھا، اس نے من کی گہرائیوں سے اپنانے کا وچن دیا تھا، اور پھر ایک سال کی ہی تو بات رہ گئی ہے۔ وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے لوٹے گا، تو اسے بڑے چاؤ سے اپنے دل کی ملکہ بنا کر بیاہ لے جائے گا۔ لیکن اگر ماں نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ تو کومل کیا جواب دیتی۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا، کہ کرن کون تھا؟ کہاں رہتا تھا؟ کس پریوار سے تعلق رکھتا تھا؟ اس نے تو بس آنکھ موند کر اس کے اجلے پیار کو امرت کا گھونٹ سمجھ کر سویکار کرلیا تھا، ایک بار کرن نے دبی زبان میں اتنا ضرور کہا تھا، کہ وہ اسے وداع کر کے اپنے عالی شان محل میں لے جائے گا۔ کومل محل کے تصور ہی سے بہل کر سپنوں کی دنیا میں کھو گئی تھی، اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا، بس آنکھ بند کر کے کرن کو اپنے من مندر میں دیوتا آسمان سجا کر اس کی پوجا شروع کردی تھی، انجانے راستوں پر بہت آگے نکل گئی تھی، اب ماں کو بتانے کے لیے اس کی جھولی میں کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی، جب اسے کرن کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ گئی۔ جب کومل نے سارا جیون اس کے لیے انتظار کی بات کہی تھی، تو کرن نے اسے کسی بزرگ کی طرح سمجھایا تھا، اس نے کہا تھا۔

''یہ کبھی مت بھولنا کہ تم استری ذات ہو۔ نام کی بھی کومل ہو۔ جو لڑکیاں اپنے وواہ کے لیے ماتا پتا کے سامنے زبان کھولتی ہیں، انہیں سماج اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟''

کومل نے بھی اپنے ماتا پتا کے سامنے زبان نہیں کھولی، جب ماں نے دو تین بار اس سے تصویر کے بارے میں پوچھا تو اس نے دل پر جبر کر کے ماں کو خوش کرنے کے لیے کہہ دیا کہ وہ جہاں چاہے اس کا ناتا طے کر دے۔ ماں نے اس کا جواب سن کر سکھ کا سانس لیا تھا، لیکن خود کومل کو ایک پل بھی چین نصیب نہیں تھا، وہ اٹھتے بیٹھتے ہر سمے بس کرن کو یاد کیا کرتی تھی۔

اور اس سمے بھی جب دلہن بنی کسی کی تقدیر بن گئی تھی تو اس کے ذہن کے پردوں پر بار بار کرن کا تصور ابھر رہا تھا، وہ بھولی بسری یادوں کو سمیٹ کر کرن کی ایک ایک بات پر غور کر رہی تھی، جب دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی کے قدموں کی آہٹ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو وہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اسے یاد تھا کہ اس نے پوتر اگنی کے سات پھیرے پورے کر کے سچے من سے منوج کو اپنا پتی سویکار کیا تھا، وہ اس پوتر سمبندھ کو پوری طرح نبھانے کو بھی تیار تھی، اس لیے اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے لگی۔

منوج نے دروازہ اندر سے بند کیا پھر اس کے قریب آ کر مسہری پر بیٹھ گیا، وہ بھی کرن کی طرح سندر تھا، جوان تھا، بڑے گھر کا بیٹا تھا، بڑی شاندار سی حویلی میں رہتا تھا، کومل نے من کی گہرائیوں سے طے کر لیا کہ وہ ایک پتنی کی طرح سارا جیون داسی بن کر اپنے دیوتا کی سیوا کرے گی۔ اپنی زبان پر کبھی بھول کر بھی کرن کا نام لانے کی کوشش نہیں کرے گی۔

''تمہیں بہت دیر سے میرے آنے کا انتظار ہوگا؟'' منوج نے سپاٹ لہجے میں پہلا سوال کیا۔

کومل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا جواب دیتی؟ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''ماں نے تمہاری سندرتا اور تمہارے ماتا پتا کے بارے میں مجھے ساری باتیں بتائی تھیں۔''

کومل بدستور گھونگھٹ کے اوٹ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی رہی۔

منوج نے کچھ رک کر کہا۔ ''اس شادی میں ماں کا حکم زیادہ تھا، میری مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا، ماں دل کی مریض ہے اس لیے میں کھل کر انکار بھی نہیں کر سکا۔''

کومل کے سندر وجود میں جیسے کسی نے دہکتی چنگاریاں بھر دی ہوں، اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، اس کا پتی اس سے کہہ رہا تھا کہ اس نے کیوں ماں کی خوشی کے کارن اسے سویکار کر لیا ہے لیکن وہ اس شادی سے خوش نہیں تھا، آخر کیوں؟

''تم نے میری پتنی کے روپ میں میرے گھر میں قدم رکھا ہے، اس لیے میں تم سے جھوٹ

نہیں بولوں گا۔'' منوج نے ٹھوس آواز میں کہا۔'' میں نے ارملا نامی ایک لڑکی سے پیار کیا ہے جو تم سے زیادہ سندر بھی ہے، بڑی پیار پیاری باتیں کرتی ہے۔''

''پھر......؟'' کومل نے پوچھ ہی لیا۔

''آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کرلی؟''

''مجھے اپنی ماں کا خیال تھا اس لیے میں نے زبان بند رکھی۔'' منوج بڑی ڈھٹائی سے بولا۔

''ڈاکٹر نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا۔''

''لیکن مجھے کیوں بلی چڑھادیا؟'' کومل نے احتجاج کیا۔

''میری بات غور سے سنو۔'' منوج کے لہجے میں مردانگی آ گئی، کومل کو تحکمانہ لہجے میں مخاطب کیا۔'' تمہیں ماں پر یہ ظاہر نہیں کرنا ہے کہ میں نے تمہیں سویکار نہیں کیا، جب تک وہ زندہ ہیں، تمہیں ان کا دھیان رکھنا ہوگا، انہیں اس بات کا شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم پتنی اور پتی نہیں ہیں۔ ماں کی موجودگی میں، میں تم سے پیار بھری باتیں ضرور کروں گا، لیکن صرف ماں کو دکھانے کے کارن۔ اِس کمرے میں میرا تمہارا کوئی سنبندھ نہیں ہوگا، تم یہاں کی ہر چیز کی مالک ہوگی، لیکن میرے دل کی نہیں۔ کبھی بھول کر اس کی کوشش بھی نہ کرنا، ہم دونوں صرف آج نہیں، ہمیشہ الگ الگ سوئیں گے، پیار کا ناٹک صرف ماں کے سامنے ہوگا، ملازموں اور ڈرائیور وغیرہ کو بھی اس کی بھنک نہیں ہونی چاہیے۔''

کومل خاموش رہی، اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر اپنی قسمت پر آنسو بہائے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، کچھ دیر بعد خاموش بیٹھی آنے والے کل کے بارے میں غور کرتی رہی جس کی ایک ایک منزل بڑھ کٹھن تھی، کانٹوں سے بھری، جس پر چلنے سے اس کے پیر بھی چھلنی ہوسکتے تھے، اس کی آتما کو منوج نے پہلے ہی زخمی کردیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو تم؟'' منوج نے اس کی طویل خاموشی کو محسوس کر کے بڑے سرد لہجے میں پوچھا۔'' کیا تم میرے فیصلوں پر نہیں چلو گی؟''

''نہیں......ایسا نہیں ہے۔'' وہ خود کو سمیٹ کر بولی۔'' آپ میرے لیے کرشن کا اوتار ہیں میں آپ کو ہمیشہ دیوتا سمان سمجھوں گی، آپ کی ہر آگیا کا پالن کرنا اپنا دھرم سمجھوں گی۔''

''اسی میں تمہاری مکتی ہے۔'' منوج نے فاتحانہ انداز میں جواب دیا پھر اُٹھ کر لباس تبدیل کیا اور ایک صوفے پر جا کر لیٹ گیا۔

کومل ساری رات اپنی ہی آگ میں جلتی رہی لیکن اس نے ایک اٹل فیصلہ کر لیا تھا، وہ اپنی زبان سے کبھی اُف بھی نہیں کرے گی، خود کو حالات کے سانچے میں ڈھالنے کے کارن وہ سب کچھ کرے گی جو اس کے اختیار میں ہوگا!!

وہ رات جیسے تیسے گزر ہی گئی!

صبح اٹھ کر اس نے ہاتھ منہ دھو کر گھریلو لباس پہنا اور نیچے آ گئی جہاں سادھنا ماں بستر پر لیٹی نہ جانے کن وچاروں میں گم تھیں، قریب ہی ایک نرس موجود تھی، جو ان کو دوا پلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ٹھہرو......'' کومل نے نرس کو مخاطب کیا۔ ''آج سے ساسو کا خیال میں رکھوں گی۔ تم بھی سیوا کرتی رہنا......''

سادھنا دیوی نے نئی نویلی دلہن کی آواز سن کر جلدی سے آنکھیں کھول دیں، ان کی بیمار نظروں میں مسرت کے دیے روشن ہو گئے۔

کومل نے ہاتھ باندھ کر مسکراتی نظروں سے ساس کو پرنام کیا، بڑے پیار سے ان کو سہارا دے کر تکیے کے سہارے بٹھایا پھر اپنے ہاتھ سے دوا پلانے لگی، نرس نے دوا کا برتن لیا، تو وہ ساس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''مجھے آپ کو سلام کے لیے آنے میں دیر تو نہیں ہو گئی؟'' اس نے اپنے من کو مار کر ساس سے پوچھا۔

''جگ جگ جیو بیٹی'' سادھنا دیوی کی نظریں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ کومل کا ہاتھ تھام کر بولیں۔ ''تم اتنے سویرے نیچے کیسے آ گئیں؟ کیا منوج دفتر چلا گیا؟''

''وہ تیار ہو رہے ہیں۔'' اس نے دل پر پتھر رکھ کر جھوٹ بولا۔ ''انہی کے حکم پر میں آپ کے پاس آ گئی۔''

سادھنا دیوی نے نظر بھر کر بہورانی کو دیکھا، ان کی تجربے کار نظروں نے بھانپ لیا کہ بہو جو کہہ رہی ہے، وہ سچ نہیں ہے، سچ کیا تھا وہ سادھنا دیوی کو پہلے سے معلوم تھا، نہ معلوم ہوتا، تو بیٹے کی شادی کے لیے ہتھیلی پر سرسوں بھی نہ جماتیں، لیکن وہ اپنے پریوار کی لاج کو بچانا چاہتی تھیں، اپنے اس گھر کو کسی مندر کی طرح پوتر اور صاف رکھنا چاہتی تھیں جو ارملا کے آ جانے سے گندا ہو جاتا۔ انہیں معلوم تھا کہ ارملا ماڈرن تہذیب کی بگڑی ہوئی لڑکی ہے جو کسی سندر تتلی کی طرح اپنے

من پسند پھولوں پر کچھ سمے کے لیے بسیرا کرتی ہے، پھراس کا سارارس چوس کرکسی دوسرے پھول کی تلاش میں اڑ جاتی ہے، وہ جوان بیٹے کے منہ بھی لگنا نہیں چاہتی تھیں ورنہ منوج اگر کسی منہ زور گھوڑے کی طرح اپنی ضد پر اڑ جاتا تو ماں اور بیٹے کے درمیان جو ایک چھوٹے بڑے کے رشتے کا بھرم قائم تھا وہ بھی ختم ہو جاتا۔ اس کے بعد کچھ بھی ہو سکتا تھا، اسی لیے انہوں نے کومل کے ماتا پتا کے سامنے دامن پھیلا کر اپنی بات منوالی تھی، ورنہ ان کے بیٹے کے لیے ارملا کے علاوہ اور بھی بڑے گھروں کے ہزاروں رشتے مل سکتے تھے، دیر تک وہ چھت کو گھورتی رہیں، تو کومل نے پوچھ ہی لیا۔

"کیا بات ہے ساسوں ماں، آپ......"

"ساسو...... ماں نہیں...... تم مجھے صرف پیار سے ماں کہا کرو۔" سادھنا دیوی نے اسے محبت سے ٹوکا۔ "تمہارے منہ سے مجھے ماں کہنا زیادہ بھلا لگے گا۔"

"ٹھیک ہے......" کومل نے بڑی معصومیت سے بولی۔ "اب کبھی نہیں بھول نہیں ہوگی۔"

"تم کچھ پوچھ رہی تھیں؟"

"ہاں......" کومل کے من میں مچلتا سوال اس کی زبان پر دوبارہ آ گیا۔ "آپ ابھی کیا سوچ رہی تھیں؟"

"نرملا...... تم جا کر کچھ دیر کے لیے کمر سیدھی کرلو۔ آدھی رات سے جاگ رہی ہو۔" سادھنا دیوی نے نرس سے کہا۔ وہ کمرے سے چلی گئی تو سادھنا دیوی نے پہلی بار کومل کی نظروں سے گزر کر اس کے من کے اندر دور تک جھانکنے کی کوشش کی۔

"بیٹی...... تم خوش تو ہو نا؟"

"آج تو اس گھر میں پہلا دن ہے ماں جی پھر...... آپ نے ایسا کٹھن سوال اتنی آسانی سے کیسے کرلیا۔" وہ روانی میں کہہ گئی، پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سنبھل کر بولی۔ "میرا مطلب یہ کہ آج تو میرے جیون کے شبھ دنوں کا آغاز ہوا ہے۔ اتنی جلدی میں آپ کے سوال کا بھلا کیا جواب دوں؟"

"تمہارا جواب مجھے تمہاری آنکھوں نے دے دیا ہے کومل بیٹی۔" سادھنا دیوی نے بڑے دکھی انداز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ میں نے اپنے گھر کی عزت بچانے کے کارن تمہارے ساتھ انیائے کیا

ہے۔"

"انیائے کیسا......؟" کومل ایک دم ہی انجان بن گئی۔"میں سمجھی نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"میں تمہاری ماتا کو پرنام کرتی ہوں بیٹی، جنہوں نے تمہیں سسرال والوں کا مان رکھنے کی سکشادی ہے، پرنتو میں بھی تمہاری ہی طرح ایک عورت ہوں اور عورت ہی عورت کے من کا بھید بھی سمجھ سکتی ہے۔"

"یہ آپ نے کیسی باتیں شروع کر دیں ماں جی۔" اس نے ساس کو بہلانے کی کوشش کی۔"آپ کا جی ٹھیک نہیں ہے، من بہلانے کی باتیں کریں۔"

"آتی جاتی سانس کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا کومل بیٹی۔ کوئی حسرت من کی من ہی میں رہ جائے تو مرنے کے وقت بھی منش کے دل پر ایک بوجھ سا رہتا ہے، اس کی آتما بھی بے چین رہتی ہے۔" سادھنا دیوی نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے اپنے سوکھے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ سجا کر کہا۔

"میں تمہیں تمہارے سورگ باسی سسر کی ایک بات سناتی ہوں، جب منوج نے جنم لیا تو میرا جھکاؤ اس کی طرف زیادہ ہو گیا لیکن پرش ان باتوں کو نہیں سمجھتا، تمہارے سسر نے بھی پورے ایک سال تک زبان سے کچھ نہیں کہا پھر ایک دن انہوں نے کھل کر کہہ دیا کہ اگر بچے کو دوسرے برابر کے کمرے میں سلا دیا جائے تو کون سی قیامت آجائے گی۔" میں نے ان کے من کی بھاونا جان کر ایک سال کے منوج کو برابر والے کمرے میں سلانا شروع کر دیا لیکن ایک ماں کی ممتا کو جب چین نہیں ملا تو جانتی ہو میں نے کیا کیا؟" سادھنا دیوی نے سانس لیتے ہوئے کہا۔"میں ایک سہیلی کے کہنے پر بازار سے جا کر ایک مانیٹر خرید لائی، رات کو میں ایک مانیٹر کو آن کر کے منوج کے سرہانے رکھ دیتی اور دوسرے کا والیوم اونچا کر کے اپنے بستر کے ساتھ والی میز پر رکھ لیتی۔ کبھی منوج رات کو جاگتا تو مانیٹر کے ذریعے مجھے خبر ہو جاتی تھی، تمہارے سسر نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، ہم دونوں ہنسی خوشی جیون بتانے لگے پھر جب بچے بڑے ہو گئے، تو میں نے اس مانیٹر کو یادگار سمجھ کر سب سنبھال کر رکھا تھا۔"

کومل اپنی جگہ کسمسانے لگی۔ سادھنا دیوی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے شما کر دینا بیٹی، میں جانتی تھی کہ منوج تمہیں آسانی سے سویکار نہیں کرے گا، وہ اپنی ہٹ کا پکا ہے، سیانوں نے بھی یہی کہا ہے کہ پتھر کو آسانی سے جونک نہیں لگتی۔ میں نے اسی خوف کو

دور کرنے کے کارن کل رات بھی مانیٹر کا ایک حصہ تمہاری مسہری کے نیچے......"

"ماں جی......" کومل نے معاملہ بھانپ کر سادھنا دیوی کے ماتھے پر بڑی اپنائیت سے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں، آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی، اس گھر میں ماں کے روپ میں آپ کا سچا پیار مجھے مل گیا، میرے لیے یہی بہت ہے۔ آپ خوش رہیں گی تو مجھے بھی خوشی ہوگی ورنہ...... پھر میں بھی اداس ہو جاؤں گی۔"

سادھنا دیوی نے بڑی عقیدت بھری نظروں سے بہو کو دیکھا پھر انہوں نے کومل کو قریب کر کے اس کا گال چوم لیا۔

کومل کی باتوں سے ان کے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو ان کے بیمار چہرے پر زندگی کی کرن بھی دمکنے لگی!!

❁❁❁

ٹینس کا سیٹ مکمل کرنے کے بعد منوج برابر والے لان پر آیا تو وہاں کلب کے دس بارہ ممبر دور دور بچھی میزوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مگن تھے، ایک میز پر اسے ارملا بھی نظر آ گئی جس نے آج خلاف معمول کچھ زیادہ ہی بناؤ سنگھار کر رکھا تھا، اس کے ساتھ اس کی پرانی سہیلی کانتا بھی موجود تھی، بھڑکیلے اور تنگ لباس میں ارملا کچھ زیادہ ہی بھڑکیلی لگ رہی تھی۔

منوج حسب معمول بے تکلفی سے جا کر ارملا کے برابر بیٹھ گیا۔

"حیرت ہے کہ آپ آج دوسرے ہی دن کلب آ گئے؟" کانتا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ اب آپ کے درشن دس بارہ روز بعد ہی ہوں گے۔"

"آپ نے غلط سوچا۔" منوج نے ارملا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں نے پہلے ہی ارملا کو بتا دیا تھا کہ ماں کی بیماری کے کارن میں نے شادی ضرور کی ہے لیکن میرے روزمرہ کے معمول میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔"

"کیا آپ کی نئی نویلی دلہن نے بھی آپ کو کھلی چھٹی دے دی ہے؟" کانتا پھر شوخی سے بولی۔

"مجھے کسی سے چھٹی یا اجازت لینے کی ضرورت نہ پہلے پڑی تھی، نہ اب پڑے گی۔" منوج نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''سہاگ رات تو دل کھول کر منائی ہوگی؟'' اس بار ارملا نے بڑی بے باکی سے سوال کیا۔

''میں اب چلتی ہوں۔'' کانتا منوج کا جواب سنے بغیر ہی مسکراتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی تو ارملا نے کیل کانٹے سے لیس ہو کر دوسرا وار کیا۔

''کیسی گزری تمہاری پہلی رات؟''

''ڈونٹ بی سنٹی مینٹل۔'' منوج نے بڑی اپنائیت سے اس کی خوبصورت آنکھوں کی گہرائی میں ڈوبتے ہوئے جواب دیا۔ ''منوج کل بھی تمہارا تھا اور آج بھی صرف تمہارا ہے۔''

''تم میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہو ڈارلنگ۔'' ارملا شانے اچکا کر بولی۔ ''ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ میں کسی سوکن کے تصور کو بھی ہیٹ کرتی ہوں۔''

''پلیز ارملا...... مجھے کچھ سوچنے کا سمے دو۔'' منوج نے کہا۔ ''جو کانٹا ہمارے بیچ آ گیا ہے میں اسے دور کرنے کا کوئی نہ کوئی اوپائے ضرور کروں گا۔''

''تمہاری مرضی۔'' ارملا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، میں تمہارے نام پر زیادہ دنوں نہیں بیٹھی رہ سکتی اور...... تم بھی جانتے ہو کہ میرا ہاتھ تھامنے والوں کی کوئی کمی بھی نہیں ہے۔ ویسے بھی میں وہ آزاد پنچھی ہوں جس کے پر کوئی نہیں کتر سکتا۔ ماڈرن تہذیب کے کھلے ماحول میں اپنی مرضی سے سانس لینا میری عادت ہے۔''

''میں شادی کے بعد بھی تمہارے پیروں میں کوئی زنجیر ڈالنے کی بھول نہیں کروں گا۔'' منوج نے کئی بار کا کہا ہوا وعدہ ایک بار پھر دہرایا تو ارملا کسمسا کر بولی۔

''سوچ لو...... میں نے گھاٹے کا سودا کبھی نہیں کیا۔ بال اب تمہاری کورٹ میں ہے، میں زیادہ دنوں انتظار نہیں کر سکتی۔''

''کم آن ارملا...... روکھی پھیکی باتیں مت کرو۔'' منوج نے کہا پھر ارملا کی فرمائش پر اس نے بیرے کو بلا کر شمپین کا آرڈر بھی دے دیا۔ اپنے لیے اس نے صرف کولڈ کافی لانے کو کہا تھا۔

❁❁❁

سادھنا دیوی کو کومل کی شکل میں ایک ایسا مسیحا مل گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی حالت روز بروز سنبھلتی جا رہی تھی، چھ مہینے کے اندر اندر وہ بستر سے اٹھ کر کچھ دیر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں، ڈاکٹر نے بھی ان کی ریکوری پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

اس چھ ماہ کے عرصے میں خود کومل کو جن کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ صرف اسی کا دل جانتا

تھا، ساس کی سیوا کرنے کے ساتھ وہ منوج کی دیگر ضرورتیں پوری کرنے کا بھی دھیان رکھتی تھی، دفتر جانے کے لیے روز اس کے لیے لباس نکال کر نئے سرے سے اسے پریس کرنا، جوتوں پر پالش کرنا اور کمرے کی جھاڑ پونچھ تک کا سارا کام اس نے اپنے سر لے لیا تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر کے کسی ملازم کو ان باتوں کی بھنک بھی ملے، جو اس کے اور منوج کے درمیان پہلی ہی رات کو طے ہو چکی تھیں۔

کئی بار اس نے ڈرتے ڈرتے منوج سے ایک دو بات کرنے کی کوشش کی لیکن ہر بار اسے نفرت سے جھڑک دیا گیا۔ سادھنا دیوی بہو پر جان چھڑکتی تھیں، انہوں نے بھی کومل کو ماں بن کر سمجھایا تھا کہ اگر وہ پورے تن من دھن اور سچائی سے پتی کی سیوا کرتی رہی تو ایک نہ ایک دن اس کا دل بھی ضرور موم ہو جائے گا۔ کومل سادھنا دیوی کے مشورے پر ہی سب کچھ کر رہی تھی، اس نے منوج کا من جیتنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا چھوڑی لیکن جتنا وہ منوج کے قریب ہونے کی کوشش کرتی اتنا وہ اس سے دور ہوتا جاتا۔

اس روز ہولی کا شبھ تہوار تھا، کومل کو وشواس تھا، کہ اس پوتر دن کے موقع پر جب ایک دشمن بھی کسی کو دوست بنانے کی خاطر رنگ ڈال کر اس کا دل جیت لیتا ہے، وہ بھی منوج کا تھوڑا سا قرب حاصل کر لے گی۔ وہ صبح سے پھرکی کی طرح گھر کو سجانے سنوارنے میں لگی تھی، شام کو منوج کے کلب جانے سے پہلے ہی اس نے نہا دھو کر اچھا سا لباس پہن لیا تھا، پہلی بار بڑے چاؤ سے آئینے کے سامنے سنگار کیا تھا، مانگ میں تازہ سیندور بھرا تھا پھر دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی جب وہ ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو منوج کمرے میں موجود تھا، وہ کلب جانے کی تیاری کر چکا تھا، اس روز اس نے پہلی بار گھر کی چار دیواری کے اندر شراب کو ہاتھ لگایا تھا، کومل کے دل کو ایک دھچکا لگا۔ اس نے سوچا اگر سادھنا ماں کو اس بات کی خبر مل گئی، تو ان کے دل پر کیا گزرے گی؟ کچھ دیر دور کھڑی ہو کر منوج کو پیتے دیکھتی رہی، پھر اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سوچا تھا کہ آج ہولی کے شبھ تہوار کے موقع پر شاید منوج بھولے ہی سے اس پر محبت کی ایک نظر ڈال لے گا، پھر جب منوج نے اس کی طرف دھیان دیا، اور سر سے پیر تک غور سے دیکھا تو کومل کے من میں شہنائی کی مدھر آواز گونجنے لگی، وہ سپنوں کی دنیا میں گم ہو رہی تھی جب منوج کی ٹھوس اور سرد آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''کہاں جانے کی تیاری ہے؟'' اس کے لہجے میں پیار کی ایک ذرا بھی آمیزش نہیں تھی۔

کومل کا دل کٹ کر رہ گیا۔ دبی زبان میں بولی۔ ''آج ہولی کا تہوار تھا اس لیے......''

''آئی ۔سی۔'' منوج نے زہریلے انداز میں پوچھا۔ ''پھر...... کس کے ساتھ ہولی کھیلنے کا پروگرام بنا رہی ہو؟''

''آپ کے ہوتے ہوئے بھلا میں......'' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن منوج نے پوری بات نہیں سنی۔ تیز اور نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

''کومل دیوی...... تم شاید بھول رہی ہو کہ پہلی رات میرے اور تمہارے بیچ کیا اگریمنٹ ہوا تھا؟''

''یاد ہے مجھے......'' وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

''پھر اتنی جلدی پٹڑی سے اترنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟''

''لیکن آج تو......''

''گھر میں اور بھی کئی لوگ موجود ہیں۔'' منوج نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس ختم کرتے ہوئے زہر میں بجھی مسکان ہونٹوں پر سجا کر کہا۔ ''مالی کا کام کرنے والے ماموکا کا، ان کی لڑکی مالتی، اوپر کا کام کرنے والا سندر ناتھ۔ پاس پڑوس میں بھی لوگ رہتے ہیں، جس کے ساتھ تمہارا من چاہے ہولی کھیل لینا، میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔''

کومل کے سارے سپنے کانچ کی طرح ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئے، اس نے منوج کی بات پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا، اس لیے کہ جب ان کے درمیان پتی پتنی کا پوتر اور اٹوٹ بندھن ہی پہلی رات منوج کی ٹھوکر سے ساگر کے کنارے بنائے ہوئے کسی ریت کے گھروندے کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا تھا تو پھر منوج پر اس کا کوئی ادھیکار ہی کہاں رہ گیا تھا، اس نے تو بس دو خاندانوں کی لاج رکھنے کی خاطر حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا، نہ کرتی تو اس کا جیون بھی برباد ہو کر رہ جاتا، کنواری ودھوا ہونے کے باوجود کوئی اسے اپنانے کی کوشش نہ کرتا، منش کی اور بات ہے، وہ دس گھروں میں نقب لگانے کے باوجود بھی مونچھوں پر تاؤ دے سکتا ہے لیکن ایک بار ودھوا ہونے کا کلنک ماتھے پر لگ جائے، تو پھر کوئی بھی ''جھوٹی ہانڈی'' میں کھانے کو پسند نہیں کرتا۔ سب ہی نفرت سے دھتکار دیتے ہیں۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' منوج نے پھر اس کے رستے ناسوروں پر نشتر چلایا۔ ''کس کے ساتھ ہولی کھیلنے کا سوچ رہی ہو؟''

''ایک بات کہوں، آپ مانیں گے......'' اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

''میں کسی کا حکم سننے کا عادی نہیں ہوں۔'' منوج کی تیوری پر بل آ گئے۔

''میں بنتی کرتی ہوں کہ آج آپ ماں جی کو اگر پرنام کرنے نہ جائیں تو۔''

''شٹ اپ......'' منوج ٹینس کا ریکٹ لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ غصے سے بولا۔

''اپنی کھال میں رہنے کی کوشش کرو کومل دیوی، ماں اور میرے بیچ کبھی دیوار بننے کی کوشش بھول کر بھی نہ کرنا ورنہ ایک ٹھوکر میں کچی دیوار کی طرح ہٹا دی جاؤ گی۔''

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''ماں کی طبیعت اب سنبھلتی جا رہی ہے، ڈاکٹروں نے بھی اطمینان کا اظہار کیا ہے۔''

''کوئی نئی بکواس کرو...... ماں کی حالت میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔''

''میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ماں جی کو ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ آپ شراب بھی پیتے ہیں۔'' اس نے تیزی سے اپنا جملہ مکمل کرنا چاہا۔ ''اگر ان کو شبہ بھی ہو گیا تو ان کی حالت......''

اس بار منوج نے کوئی جواب نہیں دیا، شاید کومل کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی پھر بھی اس نے نفرت سے منہ پھیرا اور لمبے لمبے پگ مارتا کمرے سے نکل گیا۔ کومل نے سکون کا سانس لیا پھر اپنے دکھوں کو دل میں سمیٹے نیچے آ گئی، جہاں گھریلو ملازم سندر ناتھ جھاڑ پونچھ میں لگا تھا۔

''سندر......'' اس نے سیڑھیاں اترتے ہوئے ملازم سے دریافت کیا۔ ''صاحب کیا ماں جی کے پاس ہیں؟''

''نہیں چھوٹی مالکن...... آج وہ بڑی مالکن سے ملے بنا ہی چلے گئے۔ شاید جلدی میں تھے۔''

کومل کو خوشی ہوئی کہ منوج نے ماں کے خیال سے اس کی بات مان لی تھی، وہ قدم اٹھاتی ساس کے کمرے میں چلی گئی، سادھنا دیوی ایزی چیئر پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں۔

''کیسی ہیں ماں جی۔'' اس نے ساس کے قریب جا کر بڑے لاڈ سے کہا۔ ''بھگوان کرے کسی کی میلی نظر آپ کو نہ لگے۔ آج آپ پہلے سے اور زیادہ بہتر دکھائی دیتی ہیں۔''

''سب تمہاری سیوا کا نتیجہ ہے بیٹی۔'' سادھنا دیوی نے کتاب میز پر رکھ کر اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ ''تم نے میرا جتنا دھیان رکھا ہے، اتنا تو شاید پیٹ کی بیٹی بھی نہ رکھتی۔''

''شام کی دوا پی لی آپ نے؟''

''ہاں......نرس ابھی ابھی پلا کر گئی ہے۔''

''شما چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔'' آج نیچے آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔''

'' آج ہولی کا تہوار ہے، منوج نے کوئی تحفہ دیا تمہیں؟''

''لانے کا وعدہ کر کے گئے ہیں۔'' اس نے ساس کے خیال سے مسکرا کر جھوٹ بولا۔

'' بھگوان تمہارے نصیب اچھے کرے۔'' سادھنا دیوی نے دعا دیتے ہوئے کہا۔'' سچی سیوا اور سچے پیار میں بڑی شکتی ہوتی ہے، مثال کے طور پر میں تمہارے سامنے موجود ہوں، جو دھیان تم نے رکھا ہے وہ نرس بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔''

''میں نے دنیا سے کوئی انوکھی بات تو نہیں کی جو آپ بار بار میرا مان بڑھانے کو کہہ دیتی ہیں۔ میں نے وہی کیا ماں جی جو ایک بہو کا فرض ہوتا ہے۔''

''یہ بھی تمہارا بڑا پن ہے بیٹی جو تم میرے سامنے اپنے دل کا درد چھپائے رکھتی ہو لیکن ماں کا دل بیٹی کے دل کی دھڑکنیں بھی سن لیتا ہے۔ تمہارے اوپر جو بیت رہی ہے وہ میں جانتی ہوں۔''

کومل نے جواب نہیں دیا، ساس کو ایزی چیئر سے اٹھا کر مسہری پر لیٹنے میں مدد کی، پھر خود بھی ان کے چرنوں میں بیٹھ گئی۔

''بڑوں کا کہنا ہے بیٹی کہ ہر رات کے اندھیرے سے سویرے کا اجالا بھی اوش پھوٹتا ہے، میں ابھی نراش نہیں ہوئی، میرا من کہتا ہے کہ تم اس گھر کی اور منوج کی جو سیوا کر رہی ہو وہ ایک نہ ایک دن رنگ ضرور لائے گی۔''

''ایک بات پوچھوں ماں جی۔'' کومل نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔

''پوچھو۔''

'' آپ کئی بار مجھے کوئی سرپرائز دینے کی بات کرتی ہیں۔ کیا ہے وہ سرپرائز؟''

''جہاں اتنے دنوں انتظار کیا ہے، وہاں کچھ دنوں اور انتظار کر لو۔'' سادھنا دیوی کے چہرے پر ممتا کا رنگ پھیل کر کچھ گہرا ہو گیا۔'' جب میں تمہیں وہ سرپرائز دوں گی تو تمہارا آدھا دکھ دور ہو جائے گا۔''

''ایسا بھلا کون سا سرپرائز ہے جو منش کا آدھا درد دور کر دے؟'' کومل نے حیرت سے پوچھا۔'' کچھ اتا پتا بتائیں گی آپ؟''

''ابھی نہیں......''

''کوئی ایسی انمول چیز جو بازاروں میں آسانی سے نہیں ملتی؟'' کومل نے پہیلی بوجھنے والے انداز میں سوال کیا۔

''نہیں......''

''ہمارے دیس میں ہی پائی جاتی ہے؟''

''ہاں......''

''گھر میں سجانے کا کوئی آئٹم؟''

''ہاں......'' سادھنا دیوی نے مسکرا کر کہا۔'' وہ گھر میں ہو تو پھر گھر کی شوبھا اور بھی بڑھ جاتی ہے۔''

''کوئی پالتو جانور؟''

سادھنا دیوی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر سوچتی رہی، پھر مسکرا کر بولیں۔

''ہاں......ایک طرح سے کہہ بھی سکتے ہیں۔''

''کیا آپ اسے پہلے بھی پال چکی ہیں؟''

''ہاں......وہ مجھے شروع ہی سے بہت پیارا لگتا ہے۔ سادھنا دیوی کے چہرے پر زندگی سے بھرپور خوشیاں مچل رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں پیار کے بہت سارے رنگ آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

کومل نے کچھ دیر سوچ کر پوچھا۔'' کیا میں نے اس بھانت کے کسی جانور کو دیکھ رکھا ہے؟''

''وشواس سے نہیں کہہ سکتی۔''

''ہمارے شہر کے چڑیا گھر میں موجود ہے؟''

''نہیں......''

''کوئی بدیسی جانور؟''

سادھنا دیوی مسکرا کر کوئی جواب دینا چاہتی تھیں کہ کومل کے ماتا پتا آ گئے، سادھنا دیوی ان کا سواگت کرنے کے لیے مسہری کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ کومل چائے پانی کا اہتمام کرنے کی خاطر رسوئی گھر کی طرف چلی گئی۔

''بھگوان دشمنوں کی نظر سے بچائے۔'' کومل کی ماں نے کہا۔'' اب تو آپ پہلے سے بہت بہتر نظر آتی ہیں۔''

''اس چمتکار کا کارن بھی ہماری کومل بیٹی ہے ورنہ ڈاکٹر تو نراش ہو چکے تھے۔'' سادھنا دیوی نے بڑے پیار سے جواب دیا۔

''ڈاکٹروں کا کیا ہے بہن...... وہ تو مریض کو دھک دھکے میں رکھنے کی خاطر ہمیشہ اُلٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے ہیں۔'' کومل کے پتا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

سمدھی اور سمدھن کے درمیان کچھ دیر اِدھر اُدھر کی بات ہوتی رہی، پھر کومل کے پتا نے کہا۔

''بہن، آج ایک بنتی لے آیا ہوں...... جب سے کومل کا بیاہ ہوا ہے وہ ایک دن کے لیے بھی ہمارے گھر رہنے کو نہیں آئی، آج تو تہوار کا دن بھی ہے۔''

''پہلے کی بات اور تھی۔'' کومل کی ماں نے کسمسا کر زبان کھولی۔ ''آپ کی بیماری دیکھ کر ہم نے کومل کو بلانا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اب تو اوپر والے کی دیا سے آپ پہلے سے بہت بہتر ہوگئی ہیں، اگر خوشی سے اجازت دیں، تو ہم اسے ایک دو دن کے لیے۔''

''اس میں اجازت کی کیا بات ہے۔'' سادھنا دیوی نے میٹھے انداز میں جواب دیا۔ ''آپ لوگوں کی بڑی کرپا، جو آپ نے اور کومل بیٹی نے میرا خیال رکھا، ویسے بھی اب تو دونوں گھر اسی کے ہیں...... آپ اسے لے جانا چاہیں تو بھلا مجھے کیا انکار ہوگا۔ آپ جب چاہیں اسے بڑے شوق سے لے جا سکتے ہیں...... ہاں ایک شرط ہوگی۔''

''شرط کیسی؟'' کومل کے پتا نے فکر مند ہو کر دریافت کیا تو سادھنا دیوی نے مسکرا کر کہا۔

''ہماری کومل بیٹی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے، یہ میری بنتی ہوگی۔''

''آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔'' کومل کی ماتا نے جواب دیا۔

پھر کومل کے ساتھ ہی سندر ناتھ ناشتے کی ٹرالی لیے اندر داخل ہوا تو باتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا، کومل نے اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر سب کو دی، سادھنا دیوی کو اس نے چائے کے بجائے موسمی کا رس دیا تھا۔

سندر پلیٹیں سجا کر چلا گیا تو سادھنا دیوی نے کومل سے کہا۔

''کومل بیٹی! ایک بات کہوں...... مانو گی؟''

''ایسی کون سی بات ہے ماں جی جو آپ نے کہی ہو اور میں نے نہ مانی ہو؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کی آگیا کا پالن کرنا تو میرا دھرم ہے۔''

''بھائی صاحب اور بہن جی تمہیں کچھ دنوں کے لیے ساتھ لے جانے کو آئے ہیں۔ اب

ٹال مٹول مت کرنا۔''

کومل کا دل تو نہیں چاہا تھا کہ وہ ساس کو چھوڑ کر جائے لیکن اس نے ان کی بات بھی نہیں ٹالی، ایک جوڑا لے کر ماتا پتا کے ساتھ چلی گئی، جاتے جاتے بھی اس نے ساس کو اپنی سوگندے دے کر دچن لیا تھا کہ وہ ہر طرح سے اپنا خیال رکھیں گی۔ اس نے نرس کو بلا کر بھی ضروری ہدایتیں دیں پھر ماں باپ کے ساتھ چلی گئی مگر دو رات اور ایک دن رہنے کے بعد ضد کر کے واپس بھی آگئی۔

❁❁❁

ایک سال کا عرصہ یوں گزر گیا جیسے ابھی کل کی بات ہو، کومل نے خود کو حالات کے سانچے میں پوری طرح ڈھال لیا تھا، سادھنا ماں کی ذات اس گھر میں اس کے لیے سب سے مضبوط سہارا تھا، گھر کے سارے نوکر چاکر، مالی بابا اور ان کی سندر سی بیٹی مالتی بھی اس سے گھل مل گئی تھی، لیکن کبھی وہ سوچتی کہ اگر کسی دن ساس کا کمزور سہارا بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا تو روز کیا ہوگا؟ کیا منوج کو اس کا چرنوں کی داسی بنے رہنا گوارا ہوگا، یا وہ اپنی من پسند شادی کرنے کے بعد اسے دودھ کی مکھی کی طرح اپنی زندگی سے نکال پھینکے گا؟ وہ اس خیال سے اداس ہو جاتی پھر اپنے من کو بہلانے کی خاطر خود ہی یہ سوچ کر سہارا دے لیتی کہ بھگوان کی دھرتی بہت بڑی ہے، وہ کہیں بھی سر چھپا کر باقی جیون بھی اپلے کی آگ کی طرح سلگ سلگ کر بتا دے گی۔

سارا دن وہ پھرکی کی طرح ایک ایک کام کی دیکھ بھال کرتی، ساس کا خیال رکھتی، ان کی دلجوئی کے کارن ان کے کولہے سے کولہا ملائے بیٹھی رہتی، اپنا روگ دل میں چھپائے بڑے لاڈ پیار سے مسکرا مسکرا کر ان کا دل بہلاتی رہتی، شوہر کی ایک ایک ضرورت کا دھیان رکھتی جس کی وجہ سے اسے کبھی کبھی پیار کے دو میٹھے بول ملنے کے بجائے سننے کو دس بارہ کڑوی کسیلی باتیں ہی سننی پڑتی تھیں، لیکن اب وہ ان باتوں کی عادی ہوگئی تھی، گزرتے سمے اور گھریلو حالات سے نباہ کرنے کی خاطر اس نے خود کو بڑا ڈھیٹ بنا لیا تھا، نشتر لگنے کے بعد چیخنے کے بعد مسکراتے رہنے کی عادت ڈال لی تھی، اس کے سوا کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

دن بھر وہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو مصروف رکھتی، شام ہوتی تو کبھی ساس کو وہیل چیئر پر ساتھ لے کر لان پر آجاتی، وہ کبھی ملنے والیوں سے باتوں میں مگن ہوتیں تو باہر آ کر مالتی کے ساتھ پودوں کو پانی دینے لگتی، کبھی کیاری میں لگے پیڑوں کی تراش خراش میں مصروف ہو جاتی۔ مالی شامو

کا کا دور مونڈھے پر بیٹھا اسے اور مالتی کو دیکھ دیکھ کر مسکرات رہتا، حقہ گڑ گڑا تا رہتا۔

اس روز بھی شام کے سائے پھیلنے لگے تھے، جب وہ گیٹ کی طرف پیٹھ کیے کیاری میں سرخ و گلابی گالب کی پودوں کی کاٹ چھانٹ کر رہی تھی۔ مالتی پاس کھڑی اس سے باتیں کر رہی تھی، ایک بار پودے کاٹنے والی قینچی چلاتے سمے وہ ذرا سی ڈگمگائی تو مالتی نے جلدی سے اسے سنبھال لیا۔

''اب بس کرو دیدی۔'' اس نے پیار سے کہا۔ ''یہ کام مالکوں کے بس کا نہیں ہے، تمہیں کہیں قینچی کی ذرا خراش بھی لگ گئی تو بڑی مالکن میری چٹیا ہی کاٹ دیں گی۔ بابا الگ کھانس کھانس کر گندی گالیاں سنانے لگے گا۔

''نہیں......'' کومل نے پیار سے مالتی کے گدرائے ہوئے گالوں پر ہلکی سی چت لگاتے ہوئے کہا۔ ''تو اب میری طرح سیانی ہوگئی ہے، میں نے مالی بابا کو سمجھا بھی دیا ہے کہ اب وہ تجھے برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔''

اسی وقت ماما بابا نے کسی کام کے لیے مالتی کو آواز دی تو وہ قدم اٹھاتی اپنے کوارٹر کی طرف چلی گئی، کومل نے بار بار سر سے ڈھلکتا ہوا دوپٹا مالتی کی طرح کمر سے باندھا، پھر دوبارہ قینچی سنبھال کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی، وہ ان گلاب کے مہکتے پھولوں کی دل موہ لینے والی خوشبو میں اتنی ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے کسی کے دبے قدموں پیچھے آنے کی آواز بھی نہیں سنی پھر جب کسی نے پشت سے اچانک اس کے چہرے پر ہاتھ جما کر اس کی آنکھیں بند کیں تو وہ ساری جان سے کانپ کر رہ گئی، قینچی اس کے ہاتھوں سے نکل کر پودوں میں الجھ گئی۔

''مالتی کی بچی۔ تو دو اڑھائی سال میں اتنی بڑی ہوگئی کہ دور سے پہچان میں بھی نہیں آ رہی۔'' کسی مرد کی لہکتی آواز کومل کے کانوں میں گونجی۔ ''کس چکی کا پسا کھا رہی ہے؟''

''کون ہو تم؟'' کومل نے جھلا کر آنکھوں پر جمے ہاتھوں کو جھٹک دیا پھر وہ غصے سے پلٹی تو جیسے دم بہ خود ہوگئی۔ اس کا سارا غصہ کافور ہوگیا، دل کی دھڑکنیں اس کے قابو سے باہر ہونے لگیں، اس کو اپنی نظروں پر وشواس نہیں آ رہا تھا، شاید وہ جاگتے میں کوئی سندر سپنا دیکھ رہی تھی، کوئی بھولا بسرا سپنا، جو زندگی کا حاصل تھا، لیکن وقت کی دھول نے اس کی آنکھوں کے آگے ایک پردہ سا ڈال دیا تھا، سماج نے اسے پردہ ہٹا کر بیتی گھڑیوں کی طرف ایک نظر ڈالنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی اور اب اچانک......!

کومل پھٹی پھٹی نگاہوں سے کرن کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہی تھی، خود کرن کی حالت بھی کومل سے زیادہ مختلف نہیں تھی جو مالتی کے دھوکے میں اس کے ساتھ انجانے میں ایک ایسی حرکت کر بیٹھا تھا جو اسے شوبھا نہیں دیتی تھی۔

''چھوٹے مالک......تم......'' مالتی کرن کو دیکھ کر دور سے آواز لگاتی قریب آئی تو کومل نے خود کو سنبھال لیا، مالتی کے چھوٹے مالک کہنے سے کرن کی اصلیت کا احساس بھی ہو گیا۔

''آپ اس قدر اچانک آگئے، کہ کسی کو اطلاع بھی نہیں ملی۔'' مالتی خوشی سے اندر کی طرف بھاگی۔''میں جا کر بڑی مالکن کو خبر کرتی ہوں۔''

مالتی کسی الھڑ ہرنی کی طرح کلیلیں بھرتی اندر چلی گئی تو کومل نے کسی نئے طوفان کے اٹھنے کے اندیشوں کو محسوس کر کے ڈرتے ڈرتے کرن سے کہا۔

''کرن......میں بنتی کرتی ہوں کہ تم اپنی زبان بند ہی رکھنا ورنہ میرا نشیمن......''

''میں سمجھ رہا ہوں کومل۔'' کرن نے اس کی بات کاٹ کر بڑے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''اس گھر کی طرح مجھے تمہاری عزت بھی اپنے جیون سے زیادہ پیاری ہوگی۔''

کومل خاموش رہی تو کرن نے دبی زبان میں اپنی صفائی پیش کی۔

''جس سمے میں باہر جا رہا تھا، اس وقت ماں کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ میں نے اس سے کسی بات کی ضد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ہو سکے تو تم بھی مجھے شما کر دینا۔''

''جو بیت چکا اسے سپنا سمجھ کر بھلا دو۔'' وہ نظریں جھکا کر مدھم آواز میں بولی۔

پھر مالتی سادھنا دیوی کو وہیل چیئر پر بٹھا کر باہر لائی تھی جب کومل نے بڑی خوبصورتی سے خود کو نئی زندگی کے سانچوں میں ڈھال لیا، مسکراتی ہوئی ساس کے پاس جا کر اٹھلا کر بولی۔

''ماں جی......آپ مجھے جو سرپرائز دینا چاہتی تھیں، وہ آج آپ کے بتائے بنا ہی مجھے مل گیا۔''

''یہ تمہارا دیور ہے کومل بیٹی......اس گھر کا شہزادہ، ماں کے دل کا لاڈلا۔ میرا راج دلارا، کرن۔''

کرن بھی آگے بڑھ کر ماں کے گلے لگ گیا پھر اپنے سوٹ بوٹ کا دھیان کیے بغیر ماں کے چرنوں سے ٹیک لگا کر لان پر بیٹھ گیا۔

''تو نے اپنے آنے کی خبر بھی نہیں دی؟'' ماں نے شکوہ کیا۔

''اطلاع کر دیتا تو پھر سرپرائز باقی کہاں رہ جاتا؟'' کرن نے معصومیت سے کہا۔

''بڑی بھوجائی کو سلام بھی کیا یا نہیں؟'' سادھنا دیوی نے پیار سے کومل کے الجھے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کرن سے سوال کیا۔

''بھوجائی نہیں چلے گا۔'' کرن کے لہجے میں وہی پرانی شرارت لوٹ آئی۔ ''ایسا جان پڑتا ہے جیسے سندر ناتھ بازار سے بھاجی ترکاری لینے جا رہی ہو۔ میں بھی آپ کی طرح انہیں کومل ہی کہوں گا۔'' پھر اس نے سنجیدگی سے کومل کی طرف دیکھا۔ ''آپ کو برا تو نہیں لگے گا؟''

''تم مجھے کسی بھی نام سے پکارو لیکن میرے دیور جی ہی کہلاؤ گے۔'' وہ دھڑکتے دل سے بولی۔

کرن کے آنے کی خبر پھیلی تو گھر کے سارے ہی ملازم لان میں جمع ہو گئے، کرن سب سے بچھڑے دوستوں کی طرح گھل مل کر باتیں کرنے لگا، سندر ناتھ چوکیدار کے ساتھ مل کر باہر گاڑی سے کرن کا سامان اتار رہا تھا!

❁❁❁

سیدھے سادے راستے پر اچانک ایک خطرناک موڑ آ گیا تو کومل سہم کر رہ گئی، رشتوں کے بیچ ایک ایسی گانٹھ آ گئی تھی جو اگر کہیں کھل جاتی تو وہ بے نردوش ہونے کے باوجود سب کی نظروں میں دوشی بن جاتی، منوج کے برتاؤ میں بھی اور تلخی گھل مل جاتی، اس کے لیے سکون کا ایک ایک سانس لینا دو بھر ہو جاتا، اس نے جو قربانیاں دی تھیں، وہ بھی خاک میں مل جاتیں۔

دو تین ہفتوں تک وہ اپنے وجود میں سمٹ کر رہ گئی لیکن کرن کے برتاؤں نے اسے سنبھال لیا، اس نے بھول کر بھی اشاروں میں بھی گزری ہوئی کسی بات کو دہرانے کی کوشش نہیں کی، سادھنا دیوی کی موجودگی میں وہ اسے وہی عزت دیتا تھا جو دیور کسی بھوجائی کو دے سکتا تھا لیکن اس نے کومل کو کبھی غلطی سے بھی بھوجائی کے نام سے آواز نہیں دی تھی، منوج کی موجودگی میں بھی وہ اس کومل ہی کے نام سے یاد کرتا تھا۔

کومل محسوس کر رہی تھی کرن کے آ جانے سے سادھنا دیوی کی حالت پہلے سے بہت زیادہ بہتر ہوتی جا رہی تھی، کرن جتنی دیر بھی گھر میں رہتا یا تو اپنے کمرے میں بند بیٹھا کتابوں کے پنے الٹتا پلٹتا رہتا، کمرے سے نکلتا تو سیدھا ماں کے کمرے میں جا کر ان کا دل بہلاتا رہتا، پھر دوست یاروں سے ملنے کا بہانہ کر کے باہر چلا جاتا تھا، کومل محسوس کر رہی تھی کہ وہ تنہائی میں اس سے جان

بوجھ کر کتراتا تھا، شاید اسی میں دونوں کی بھلائی بھی تھی۔

دو تین ہفتے سکھ چین سے بیت گئے، لیکن خطرے کی جو تلوار سر پر کچھ دھاگے سے بندھی لٹک رہی تھی، وہ ایک دن ٹوٹ ہی گئی، منوج اور کرن کا کمرا آمنے سامنے ہی تھا، بیچ میں بس ایک دس فٹ کی راہداری تھی، کومل اس آگ اور پٹرول کے ساتھ ہونے سے بڑی سہمی سہمی رہتی تھی، اسے خطرہ تھا کہ کہیں کرن کے کانوں میں منوج کی نفرت کی ایک بھنک بھی نہ پہنچ جائے، جسے وہ ہنس ہنس کر برداشت کر رہی تھی، کئی بار اس کے من میں آئی، کہ کسی طرح کرن کو ماں کے قریب رہنے کا بہانہ کر کے نیچے کسی کمرے میں شفٹ ہونے کا مشورہ دے، لیکن اسے کسی طرح اس کا موقع نہیں ملا پھر......

ایک دن وہ ساس کے کمرے میں بیٹھی، ان کے پاؤں دبا رہی تھی جب کرن بھی آ گیا۔ خلاف توقع اس وقت اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ نہیں تھی جسے ایک نظر دیکھ کر کالج کی لڑکیاں ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگتی تھیں، سپنوں کی دنیا میں گم ہو جاتی تھیں، کومل کے علاوہ ماں نے بھی کرن کے چہرے پر طاری سنجیدگی کو تاڑ لیا۔

''کیا بات ہے کرن؟'' ماں نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔ ''تم اس سمے کچھ......''

''کوئی بات نہیں......'' کرن نے مسکرا کر جواب دیا۔

''دیر تک سوتا رہا اس لئے طبیعت کچھ بھاری بھاری سی لگ رہی ہے۔''

''کوئی دوا کھائی؟''

''چنتا مت کرو ماں...... میں بالکل ٹھیک ہوں'' کرن قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کہو تو میں سر درد کی گولی لا دوں؟'' کومل نے کرن کے من کے بھید کو ٹٹولنے کے کارن پوچھا۔ اس کی نظریں بھانپ رہی تھیں کہ کرن نے دیر تک سونے والی بات سچ نہیں کہی تھی۔

''سنا ماں تم نے؟'' کرن نے شوخی سے ماں سے شکایت کی۔ ''تمہاری لاڈلی بہو رانی تمہارے کرن کو گولیاں دینے کی بات کر رہی ہیں۔''

کومل کرن کی اس خوبصورت شکایت پر مسکرانے لگی، سادھنا دیوی نے کرن کو پیار سے گھورتے ہوئے کہا۔

''خبردار! میں اپنی بیٹی کے خلاف کوئی شکایت نہیں سن سکتی۔''

''گویا اب اس گھر میں کسی کی کوئی عزت نہیں رہی۔'' کرن روانی میں کہہ گیا پھر سنبھل کر

دلا۔" بیٹی کے مقابلے میں اب تمہارے منہ بولے راج دلارے کو بھی دب کر رہنا پڑے گا۔"

"چائے پیو گے؟" کومل نے دبی زبان میں کرن سے پوچھا۔

"اس کی زحمت بھی کیوں کرتی ہیں۔" کرن نے روٹھے انداز میں کہا۔ "کچھ ضروری سامان لانے بازار جارہا ہوں، کسی ہوٹل سے چائے بھی پی لوں گا۔"

"تم اس کی ان باتوں پر دھیان نہ دینا۔" سادھنا دیوی نے کومل سے کہا۔ "یہ شروع سے سی طرح سب کو چھیڑتا رہتا ہے۔"

سندر چائے بنا کر لے آیا تو سب نے ساتھ ہی چائے پی۔ کومل بدستور محسوس کر رہی تھی کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے لیکن وہ انجان بنی رہی، کچھ دیر بعد کرن بازار جانے کے جانے کے لیے اٹھا تو اس نے جاتے جاتے پلٹ کر ماں سے کہا۔

"ماں! تم نے اپنی لاڈلی بیٹی کے سلسلے میں ابھی تک مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی؟"

"کیسی شکایت؟"

"میں باہر سے سب کے لیے تحفے لایا، لیکن تمہاری چہیتی بیٹی کے لیے......"

"اچھا یاد دلایا تو نے۔" سادھنا دیوی نے مصنوعی سنجیدگی سے کرن کو حکم دیا۔ "بازار جارہا ہے، تو میری بیٹی کو بھی ساتھ لے جا، اسے اسی کا من پسند تحفہ دلانا، خبردار اگر تو نے کنجوسی سے کام لیا۔"

"ماں......" کرن نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "مجھے لڑکیوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے لاج آتی ہے۔ بدیسی ملک میں ہر طرح سے کھل کھیلنے کی آزادی تھی لیکن قسم لے لو جو میں نے کبھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو، یہ اور بات ہے کہ جدھر سے گزر جاتا تھا ہزاروں نہیں تو سیکڑوں سندر میمیں دل تھام کر......"

"بس......زیادہ شیخی مارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، میں تیری رگ رگ سے واقف ہوں، ماں جو ہوں۔"

کومل خود بھی کرن کے ساتھ اکیلے نہیں جانا چاہتی تھی لیکن ساس کے اصرار پر مجبور ہو گئی۔ کپڑے بدل کر ڈرتے ڈرتے کرن کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئی۔

کرن بہت دیر تک خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر جب اس نے گاڑی کم آباد علاقے کے ایک اسنیک بار کے سامنے روکی تو کومل کا دل نہ جانے کیوں دھڑکنے لگا۔

''تم نے تو بازار جانے کو کہا تھا؟ یہاں گاڑی کیوں روک دی؟''

''آئس کریم فالودہ کھانے کو دل کر رہا تھا، تم چاہو تو اپنے لیے کچھ اور منگا لو۔'' کرن یکلخت سنجیدہ نظر آنے لگا۔

''اگر یہاں کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو۔''

''تو وہ ہمیں اتنا ذلیل نہیں کرے گا، جتنا منوج تمہیں کر رہا ہے۔'' کرن نے اسٹیرنگ پر غصے سے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا، تو کومل کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔ اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''کرن...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''سنی سنائی نہیں...... اپنے کانوں پڑی کہہ رہا ہوں۔'' کرن نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے جھلا کر کہا۔ ''اتفاق ہی سمجھو جو صبح میں نیچے اترتے سے منوج کی آواز سن کر تمہارے کمرے کے باہر رک گیا، پھر...... پھر میں نے وہ پیار بھری باتیں بھی سن لیں، جو ایک پتی اپنی پتنی کے ساتھ کر رہا تھا۔''

کرن کی بات سن کر کومل ساری جان سے کانپ اُٹھی، ہاتھ جوڑ کر مدھم لہجے میں بولی۔

''کرن...... میں تم سے بنتی کرتی ہوں کہ تم نے جو سنا اور محسوس کیا اسے بھول جاؤ ورنہ......''

کچھ کہتے الفاظ اس کے حلق میں پھنسنے لگے تو کرن نے تلملا کر پوچھا۔

''ورنہ کیا ہو گا'' منوج ماں کی نظروں میں دھول جھونکنے کی خاطر جو ناٹک پہلی رات سے رچا رہا ہے اس کا پول کھل جائے گا۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا؟''

''میرے جیون میں بھونچال آ جائے گا کرن۔'' کومل کی آواز رندھ گئی۔ ''گھر کا سارا سکون پل بھر میں برباد ہو جائے گا۔ ماں کی زندگی بچانے کے کارن میں نے جو بلیدان دیا ہے وہ خاک میں مل جائے گا اور......''

''اور تم چاہتی ہو کہ جب ماں کی آنکھیں بند ہو جائیں تو منوج تم کو پاؤں کی پرانی جوتی سمجھ کر پھینک دے، نیا بیاہ کر کے موج اڑاتا رہے۔''

''کرن...... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے بڑی منت سے کچھ کہنا چاہا لیکن کرن نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں تم سے زیادہ ماں سے پیار کرتا ہوں۔ تم چنتا مت کرو۔ میں کوئی ایسی غلطی نہیں کروں گا

کہ ماں کی زندگی پر اس کا سایہ بھی پڑے۔''

''پھر؟ تم کیا کرو گے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے کرن کو دیکھا۔

''ابھی میں نے کچھ طے نہیں کیا' مگر میں تمہارے جیون کو برباد بھی نہیں ہونے دوں گا۔'' کرن کا فیصلہ اٹل تھا۔

اسنیک بار کے ملازم نے آرڈر سرو کیا، تو کرن نے ایک بڑا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا، پھر کچھ کہے بنا تیزی سے گاڑی موڑ کر بازار کی طرف آ گیا۔ کومل اس سے راستے بھر بنتی کرتی رہی لیکن کرن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کسی تھمے ہوئے طوفان کی طرح خاموش بیٹھا اپنے وچاروں میں گم رہا، بازار پہنچ کر اس نے کومل کے لیے ایک قیمتی ڈائمنڈ کا بریسلیٹ خریدا پھر واپس آ کر اس طرح ہنسنے بولنے لگا' جیسے کوئی بات ہی نہ ہو! کومل زبردستی دل پر جبر کر کے ساس کے سامنے اس کا ساتھ دیتی رہی لیکن وہ کرن کے من میں مچلتے ہوئے جوالامکھی کی تپش اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہی تھی، کل کیا ہونے والا تھا، اس کی خبر بھگوان کے سوا کسی کو نہیں تھی!!

منوج کلب کے سیکریٹری سے مل کر اس کے آفس سے باہر نکلا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ آج وہ ارملا سے کھل کر باتیں کرے گا، صاف صاف بتا دے گا کہ اب وہ اس کے بنا ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتا، پہلے ماں کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اس نے مجبوراً اپنے پیروں میں ماں کی خوشی کے کارن کومل کی بیڑی ڈالی تھی، لیکن اس کے ساتھ پتی اور پتنی کے تعلقات کو کبھی بھول کر بھی اختیار نہیں کیا تھا، لیکن اب ماں کی حالت ٹھیک تھی، کرن کے آ جانے سے روز بروز اور بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

وہ سیدھا ٹینس کورٹ کی طرف چلا گیا، اس کی عادت تھی کہ ایک سیٹ کھیل لینے کے بعد ہی وہ لان کی طرف جاتا تھا، آج بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اتفاق سے آج اسے دیال سنگھ کے ساتھ کھیلنے کا موقع مل گیا تھا، جو ایشین گیمز میں بھی چمپئن رہ چکا تھا، دیال سنگھ سے اس کی دوستی بھی خاصی گہری تھی، لیکن کھیل کے درمیان دوستی نہیں، تجربہ کاؤنٹ کرتا تھا، سیٹ پورا ہونے سے پہلے منوج تھک کر چُور چُور ہو گیا، اس نے سیٹ مکمل نہیں کیا۔

''کیا بات ہے منوج کیا سیٹ پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟'' دیال سنگھ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں یار......تم جیتے، میں ہارا۔ بہت تھک گیا ہوں۔'' منوج نے اپنی ہار مان لی اور تولیے سے پسینہ خشک کرنے لگا۔

''اسی لیے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔'' دیال سنگھ نے لیمن جوس کی بوتل منہ سے ہٹا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''ٹینس، اسٹیمنا کا کھیل ہے مائی ڈیئر۔ بڑا متھا مارنا پڑتا ہے۔ بڑی جان بنانی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر جوڑ پٹھے اس قابل ہوتے ہیں کہ کوئی پلیئر کورٹ میں دو تین گھنٹے تک مخالف کھلاڑی سے جیت ہار کی جنگ لڑ سکے، لیکن شادی کے بعد صرف ایک ہی چیز ممکن ہے، ٹینس یا پھر شریمتی جی کے ناز نخرے اٹھاتے رہو، کھیل کے میدان اور شادی شدہ زندگی کی رسا کشی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ منش ایک ہی جگہ یدھ جیت سکتا ہے، کھیل کے میدان میں یا پھر بستر کی اٹھا پٹک میں، دونوں کام ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔''

''لیکن میرے ساتھ ایسا کچھ......'' منوج روانی میں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔'' وہ کلب میں اپنی خود ساختہ جھوٹی ریپوٹیشن کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا، ورنہ ارملا کے ساتھ اسے روز ہی پتنگیں لڑاتا دیکھ کر سب ہی جان گئے تھے کہ کشتی کا سوار کہیں لہروں کے بیچ آ کر ہاتھ پیر تو مار سکتا ہے، لیکن کسی ایک پار نہیں اتر سکتا۔

''تم کہتے کہتے خاموش ہو گئے؟'' دیال سنگھ نے شوخی سے پوچھا۔'' کسی کی یاد آ گئی۔ ہماری بھابی جی یا......تتلی کی۔''

''تتلی کون؟'' منوج نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا تو دیال سنگھ بے تکلفی سے مسکرا کر بولا۔

''کم ان یار۔ یاروں سے کیا پردہ، کلب کے سارے ممبر جانتے ہیں...... کہ تم ارملا کے ساتھ جاگنگ کرتے نظر آتے ہو۔''

''ان ڈور آوٹ ڈور گیم کھیلنے پر کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔'' منوج نے ڈھیٹ بن کر بات ٹالنی چاہی ورنہ ارملا کے ساتھ دیال سنگھ کے '' جاگنگ کرنے'' والی بات اسے اچھی بھی نہیں لگی تھی

''تم جانو......'' دیال سنگھ نے بے پروائی سے شانے اچکا کر بولا، پھر اپنا کٹ بیگ اٹھا جوس پیتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

منوج پسینے پسینے ہو رہا تھا، اس نے تولیے سے پسینا خشک کیا، شرٹ تبدیل کی پھر ریکٹ اٹھا کر سیٹی بجاتا ہوا لان کی طرف آ گیا، اس نے دور کھڑے ہو کر میزوں پر بیٹھے لوگوں پر ایک نظر ڈالی، ارملا اسے کہیں نظر نہیں البتہ کانتا اپنی مخصوص میز پر تنہا بیٹھی کولڈ ڈرنگ کی چسکیاں لگا رہی تھی، وہ قدم اٹھاتا اسی کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

''اس بدلتے موسم میں کولڈ ڈرنک سے دل بہلا رہی ہو؟'' منوج نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

''مجبوری ہے مائی ڈیئر۔'' جواب میں کانتا نے بڑی حسرت سے جواب دیا۔ ''ہاٹ چیز پی کر میں کچھ اور گرم ہو جاتی ہوں لیکن......''

''بس، بس میں سمجھ گیا۔'' منوج نے اس کا جملہ کاٹ کر پوچھا۔ ''آج ارملا نظر نہیں آ رہی؟''

''سچ بتا دوں۔'' کانتا نے اسے مستی بھروں نظروں سے دیکھا۔

''کیوں؟'' کیا تم جھوٹ بھی بولتی ہو؟''

''ہاں! کبھی کبھی۔ ضرورت کے انوسار۔''

''کلب تو آئی تھی وہ؟'' منوج نے اس کی نگاہوں کا مطلب جان کر سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اسے خبر تھی کہ کانتا اس سے پریم کرتی ہے، لیکن اس نے کبھی کھل کر بات نہیں کی تھی۔ منوج نے بھی اس کے ساتھ کبھی فری ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''ہاں......'' کانتا نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''آئی تو تھی۔''

''پھر......'' منوج نے اسے تیز نظروں نظروں سے گھورا۔

''اب کہاں ہے؟''

''کچھ دیر لان پر ہی کسی دیا کل تتلی کی طرح اِدھر اُدھر منڈلاتی رہی پھر......'' کانتا نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا۔ ''پھر وہ ریفریشمنٹ ہال کے اوپر بنے ہوئے کمروں کی طرف چلی گئی۔

منوج اٹھنے لگا تو کانتا نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا، سرسراتی مگر مدھم آواز میں بولی۔

''منوج! تم نے کبھی شہد کی مکھی کے جیون میں جھانکنے کی کوشش کی ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ تم آج کچھ زیادہ ہی موڈ میں ہو؟''

''ہم شہد کی مکھی کی بات کر رہے تھے'' کانتا نے منوج کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ شہد کی مکھی کسی ایک پھول پر گزارہ نہیں کرتی۔ بھانت بھانت کے من پسند اور تازہ پھولوں کا رس چوسنے کے بعد جب تھک جاتی ہے، تو پھر چھتا بنا لیتی ہے۔ پھر بھی من نہیں بھرتا تو کسی اور نئے تازہ کھلے پھول کا رس پی کر واپس آ جاتی ہے۔ بڑوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ منش یا ناری کو جب کسی ایک بات کا چسکا پڑ جائے تو پھر اس کی عادت نہیں بدلتی۔ یا پھر یوں جان لو کہ اسے چین نہیں آتا۔''

منوج کانتا کی کہی باتوں کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ وہ اکثر اسی طرح اشاروں ارملا کے خلاف زہر گھول کر منوج کی آنکھوں کا رخ اپنی طرف پھیرنے کی کوشش کر چکی تھی، لیکن اس وقت اس نے شہد کی مکھی والی جو بات کہی تھی، اس کا بھید جان کر منوج کا پنڈا غصے سے سرخ ہو گیا۔

''کانتا......'' اس نے تلملا کر کہا۔ ''جانتی ہو تم یہ سارے شبدھ کس کے لیے کہہ رہی ہو؟ ارملا کے لیے۔ جسے تم بہن بھی کہتی ہو!''

''ہاں......'' کانتا نے بڑے بھولپن سے جواب دیا۔ ''میں اسے دیدی بھی کہتی ہوں، لیکن منوج، تم ایک بات بھول رہے ہو'' کانتا نے آخری جملہ بڑے چبھتے ہوئے انداز میں نظریں مٹکا کر کہا۔

''وہ کیا؟''

''سماج سے ٹھکرائی ہوئی سندر ناری کو سماج جب کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ دے تو وہ کوٹھے پر جا کر دھندا شروع کر دیتی ہے، وہ بھی تو کسی نہ کسی کی بہن یا دیدی ہوتی ہے؟'' کانتا نے بڑا تلخ لہجہ اختیار کیا۔ ''تم بھی کوئی دودھ پیتے بچے نہیں کہ......''

''شٹ اپ۔'' منوج برداشت نہ کر سکا، تو غصے سے لہراتا ہوا اٹھ گیا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ریفریشمنٹ ہال کی طرف چلا گیا جس کے اوپر چھ کمرے بنے ہوئے تھے، جہاں صرف کسی پیئر (Pair) کو جانے کی اجازت تھی، منوج نے اوپر جانا چاہا تو اسے سیڑھوں کے بیچ کلب کے گارڈ نے روک لیا۔

''منوج بابو......'' اس نے اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے کارن کہا۔ ''اکیلے کسی منش یا ناری کو اوپر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''میں ارملا کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں؟'' منوج نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا وہ اوپر ہے؟''

''سوری منوج بابو، مجھے کسی کے بارے میں زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔''

منوج آپے سے باہر ہو گیا، وہ کانتا کی گندبھری باتوں کی جانکاری کرنے کے کارن گارڈ کا سر بھی پھاڑ سکتا تھا، لیکن اس کی نوبت نہیں آئی، اسے ارملا مکیش کے ساتھ ایک کمرے میں سے نکلتی نظر آئی، مکیش ایک فوراسٹار ہوٹل کے مالک کا عیاش بیٹا تھا۔

منوج خون کے گھونٹ پی کر سیڑھوں سے نیچے آ گیا، وہ مکیش کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا، تیز تیز قدم اٹھاتا دوبارہ لان کی طرف آ کر ایک خالی میز پر بیٹھ گیا، اس کے اندر جوالامکھی سلگ رہا تھا، ارملا کو مکیش کے ساتھ کمرے سے نکلتا دیکھ لینے کے بعد اسے کانتا کی ''شہد کی مکھی'' والی بات جھوٹ نہیں لگ رہی تھی۔

وہ غصے میں بیٹھا پیچ وتاب کھا رہا تھا، جب ارملا مکیش کو پارکنگ لاٹ تک چھوڑ کر اس کی طرف اٹھلاتی بل کھاتی آ گئی، اس کے چہرے پر شرمندگی کی پرچھائیں بھی نہیں تھی۔

''کیا بات ہے ڈارلنگ؟'' وہ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی، ایک سگریٹ سلگا کر اس کا دھواں منوج کی طرف اڑاتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارا موڈ کچھ آف آف سا دکھائی دے رہا ہے؟ میں نہیں ملی تھی تو کچھ دیر کانتا کے ساتھ ہنس بول کر ہی موج میلا کر لیتے۔ میں نے تمہیں کبھی منع تو نہیں کیا!''

''تم مکیش کے ساتھ اوپر کمرے میں کیا کر رہی تھیں؟'' منوج نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''ڈونٹ بی سلی'' ارملا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کسی کی پرائیویٹ زندگی کا کھوج لگانا ہماری سوسائٹی میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ میں نے بھی کبھی تمہارے اور تمہاری دھرم پتنی کے بارے میں یہ نہیں پوچھا کہ وہ کتنی ستی ساوتری ہے؟ یہ بھی مت بھولو کہ ابھی تمہیں مجھ پر کوئی ادھیکار نہیں ہے اس قسم کے سوال کرنے کا۔''

''آئی ہیٹ یو۔'' منوج غصے سے چیخ اٹھا۔ ''آئی اسپٹ آن یو۔''

''سو ڈو آئی؟'' ارملا بھی تلملا کر اٹھی سگریٹ زمین پر ڈال کر مسلتے ہوئی چلائی۔ ''گیٹ لاسٹ، یو راسکل۔''

لان پر بیٹھے دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، منوج نے رکنا مناسب نہیں سمجھا، وہ تماشا نہیں بنا چاہتا تھا، اس لیے تیزی سے پلٹ کر پارکنگ لاٹ کی طرف قدم اٹھانے لگا، ارملا کی چیخ کی آوازیں دور تک اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ وہ انگریزی میں اسے گندی گندی گالیاں سنا رہی تھی۔

منوج نے ریکٹ پچھلی سیٹ پر پھینک کر گاڑی کلب سے تیزی سے نکالی، پھر کھلی سڑک پر اس کی رفتار بڑھانے لگا، اس کا ذہن بری طرح اُلجھ رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا۔

کل تک وہ ارملا کو نایاب ہیرا سمجھ کر اس کی پوجا کرتا رہا تھا، لیکن آج مکیش جیسے عیاش اور آوارہ آدمی کے ساتھ دیکھ کر اس کی نظروں میں ارملا کی قیمت کانچ کے اس ٹکڑے سے زیادہ نہیں رہ گئی، جس کا مول کوڑیوں کے دام بھی نہیں لگایا جا سکتا تھا اور وہ جس بے شرمی سے کلب کے ممبروں کے سامنے فحش اور گندی گالیاں بک رہی تھی، وہ کسی کوٹھے پر دھندا کمانے والی ویشیا سے بھی زیادہ ننگا انداز تھا، شریر کا کھلے عام مول تول طے کرنے والی ویشیا بھی بازار میں اپنے رکھ کھاؤ کے کارن...... ایسی کھلی کھلی گالیاں سرعام نہیں بکتی جو گاہکوں کی نظریں میں اسے اور سستا بنا دے، لیکن ارملا تو حد سے گزر گئی تھی، اپنا اصلی روپ دکھا رہی تھی!

منوج اس کے حسن کی رعنائیوں میں گم ہو کر کیا کھو چکا تھا؟ آج اس کا احساس اسے بڑی شدت سے ہو رہا تھا، اس نے ارملا کے بارے میں اکثر کلب کے ممبران کو کانا پھوسی کرتے سنا تھا، لیکن اس پر کبھی دھیان نہیں دیا تھا، وہ اس کے حسن کا دیوانہ تھا، اس کے سلگتے شریر کا پروانہ تھا، دوسروں کی بات سن کر اس نے ہمیشہ یہی وچار کیا تھا کہ شاید وہ منوج کو کانٹا سمجھ کر ارملا جیسی سندر مچھلی کو اس کے جال میں نہ پھنسنے کے کارن اسے بھڑکانے کو بھانت بھانت کی بیکار باتیں کرتے تھے، منوج جانتا تھا کہ کلب کے بیشتر ممبر ارملا کے دیوانے تھے، اس لیے وہ اسے منوج کے ساتھ دیکھ کر جلتے تھے، لیکن اصلیت آج کھل گئی تھی، اگر ارملا نے دھیرج سے کام لیا ہوتا، مکیش سے ملنے کا کوئی خوبصورت سا بہانہ لگاوٹ کے ساتھ کیا ہوتا، تو شاید منوج اسے شما کر دیتا، لیکن وہ تو کسی سلگتی آگ کی طرح اچانک بھڑک کر آپے سے باہر ہو گئی، پھر اس نے جس انداز میں منوج کی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تھا، چیخ چیخ کر مادر زادہ گالیاں بکی تھیں، اس نے تو اس کے شریر سے سارے کپڑے اتار کر اس کا روپ سب ہی کے اوپر ظاہر کر دیا تھا، منوج کے دماغ کے سارے کیڑے جھاڑ دیے تھے، عشق کا سارا بخار اتار دیا تھا!

منوج کے ذہن میں چنگاریاں سلگ رہی تھیں، مکیش کے ساتھ بند کمرے سے نکلتا دیکھنے سے پہلے خود کانتا نے ارملا کے بارے میں ''شہد کی مکھی'' والی جو بات کہی تھی، وہ بھی ڈنک بن کر منوج کے ذہن میں چبھ رہی تھی، آج وہ بڑی شدت سے سوچ رہا تھا، کہ اس نے ارملا کے پیار میں کیا کھویا اور کیا پایا تھا؟ ارملا ہی کے کارن اس نے اپنے جیون کے تالاب میں مہکتے کنول کے پھول

کونظروں سے گرا دیا تھا، کبھی غور بھی نہیں کیا تھا کہ کومل کی سندرتا ارملا سے کہیں زیادہ بھلی ہے، غلطی سے بھی اس نے کبھی دھیان بھی نہیں دیا تھا کہ کومل کا شریر ارملا کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت اور تازہ ہے، اس کے انگ انگ میں بھی مستی بھری تھی جو کیول منوج کی اپنی تھی، لیکن اس نے ارملا کے پیار میں اسے پہلی رات ہی کونظروں سے گرا دیا تھا، یہ غور نہیں کیا تھا کہ گھر کے صاف ستھرے کھانے اور بازار کے مسالا لگے باسی گوشت کے سواد میں کیا فرق ہوتا ہے؟ کچھ دیر کے لیے بڑھیا اور چٹ پٹے ضرور لگتے ہیں، لیکن اس کا سواد دیر تک نہیں رہتا۔ اس کی قیمت بھی چکانی پڑتی ہے، پیٹ بھر کھانے کے لیے بھی بار بار بیرے کو آواز دینی پڑتی ہے۔ کبھی ٹھنڈا، کبھی گرم، کبھی دوسروں کی دیکھا دیکھی زبردستی بھی حلق کے نیچے اتارنا پڑتا ہے۔

منوج پوری رفتار سے گاڑی گھر کی طرف دوڑا رہا تھا، اس کی نظروں کے سامنے اس سمے کومل کی کوملتا کے سوا اور کچھ نہیں تھا، اس کے شریر سے اٹھتی بھینی بھینی اور تازہ مہک جسے اس نے کبھی قریب آنے کا موقع نہیں دیا تھا، اس کی بھرپور جوانی جس کی طرف اس نے کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا، اس کی سیوا پر بھی اکثر برا بھلا ہی کہا تھا، لیکن وہ پتنی ہونے کے ناتے سخت سست جھیلنے کے بعد بھی پورے تن من سے اس کی سیوا کو دھرم سمجھتی رہی تھی، کبھی اس نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ۔

''میرا دوش کیا ہے میرے سرتاج؟ مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟ پتھر کا بھگوان پھر بھی تم جیسے جاگتے منش سے اچھا ہوتا ہے، جو دل کی ہر بات...... ہر پرارتھنا کو کچھ کہے بغیر بنا بغور سن تو لیتا ہے، لیکن تم...... تم نے تو کبھی میری طرف بھول کر بھی نہیں دیکھا، کبھی اس من میں جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، جس پر صرف اور صرف تمہارا ادھیکار ہے۔ جس کے کسی انگ کو کسی مرد کا ہاتھ چھو کر بھی نہیں گزرا، جو گنگا جل کے مانند پوتر ہے، مجھے پتنی کا ادھیکار نہیں دیتے۔ میری سیوا کرنے کا جواب بھی نفرت سے دیتے ہو؟ یہ کہاں کا نیائے ہے؟ اگر تم نے کہیں اور دل لگا رکھا تھا، تو پھر مجھے کس جرم کی سزا دینے کے کارن اگنی کے پھیرے لگا کر اپنی اونچی حویلی میں کسی پر کٹے پنچھی کی طرح قید کر لیا؟ ماں کا جیون پیارا تھا تو ماں کی موجودگی میں ہی کبھی پیار کے دو میٹھے بول، بول لیے ہوتے؟ شریر کے ناتے نہ سہی کبھی دوست سمجھ کر میرا دل بھی رکھ لیا ہوتا؟ اور اصل بندھن تو پیار ہی کا ہوتا ہے۔ شریر کا ملاپ تو لہروں کی طرح اترتا چڑھتا رہتا ہے، جو پیار من کی گہرائیوں سے کیا جائے وہی تو سچا پیار ہوتا ہے۔ پتنی اور پتی کا سمبندھ تو اس لیے ہوتا ہے کہ دونوں سارا جیون ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں، ایک دوجے کے دکھ درد میں کام آتے رہیں، لیکن تم نے تو مجھے

مہکتے پھول کا کانٹا سمجھ کر بھی کبھی پاس آنے کی اجازت نہیں دی؟ کیوں؟......آخر کیوں؟؟؟''

پھر کومل کی مدھم آواز کی جگہ منوج کے کانوں میں چیختی چلاتی ارملا کی آواز جوالامکھی کے لاوے کی طرح گونجی۔

''بڑا آیا کہیں کا......جو مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کرتا ہے......کانیچ، دولت کے بل پر رعب جماتا ہے......کامنا ہے تھو ہے تیری ذات پر جو اپنی پتنی کے شریر کی آگ تو ٹھنڈی نہیں کر پایا اور......چلا ہے مجھ پر ادھیکار جمانے۔ رکھیل سمجھتا ہے تو اپنی......کوناڑے سے باندھ لے، ڈر کر بھاگ رہا ہے کائر......مرد ہے تو ارملا کے سامنے آ کر بات کر، تیری مردانگی اور سارا گھمنڈ دوسرے راستے نہ نکال دوں تو ارملا نہ کہنا......کہیں کا، تھو ہے تیری مردانگی پر۔''

منوج اندر ہی اندر جھلس رہا تھا......اس نے طے کر لیا کہ وہ گھر پہنچتے ہی کومل کو آواز دے کر اپنے کمرے میں بلائے گا، کھل کر اس سے بنتی کرے گا کہ۔

''کومل۔ میرے من کی رانی مجھے شما کر دو، جو بھول ہو گئی ہے، آج میں سچے من سے بھگوان کو ساکشی بنا کر وچن دیتا ہوں کہ میں نے تمہارے ساتھ جو انیائے کیا ہے آج سے اس کا پرائشچت کروں گا، میں نے تمہیں جو دکھ دیے ہیں، ان کے لیے مجھے سچے من سے شما کر دو، آج کے بعد سے میں تمہیں وہ سارے ادھیکار دوں گا جو تمہارا حق ہے۔ کل تک جو ہوا، اسے میرے پیار کے کارن اپنے من سے نکال دو، آج سے ہم اپنے جیون کی ایک نئے انداز سے شروعات کریں گے، تمہارے وہ سارے سپنے سچ کر دکھاؤں گا جو آج تک تمہاری سندر پلکوں تلے سپنے بن کر ابھرتے اور ڈوبتے رہے ہیں۔ میں تمہارے ان ادھورے سپنوں کو اپنے خون کا رنگ بھر کر پورا کر دوں گا۔ تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا......یہ......یہ تمہارے منوج کا وچن ہے جو بھول کر کانٹے بھرے راستوں پر نکل گیا تھا۔''

پھر وہ حیرت سے اپنی شکل تکتی کومل کو ہاتھوں کے بیچ پیار سے بھینچ لے گا، اس کے شریر کی سوندھی سوندھی مہک میں اتنا ڈوب جائے گا کہ اسے بھولے سے بھی کبھی ارملا جیسی کلنکنی کا دھیان بھی نہ آنے پائے۔

منوج ایک نئی دنیا بسانے کے سپنوں میں اتنا گم ہو گیا کہ سب کچھ بھول گیا۔ وہ کومل کی دراز گھنی زلفوں کی چھاؤں میں منہ چھپائے پہلی بار سکون کا سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک ذرا سی غفلت کسی کے لیے زندگی بھر کا روگ بن گئی۔

سامنے سے آتے لوڈنگ ٹرک کے ہارن کی آواز سن کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، وہ غلط سائڈ پر تھا، اس نے خود کو بچانے کی خاطر تیزی سے اسٹیرنگ کاٹنے کی بھرپور کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک خوفناک دھماکے کی آواز خود اس کے اپنے کانوں میں بھی گونجی تھی، لیکن اس کے بعد اس کے پاس سوچنے اور سمجھنے کو کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا۔ اس کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا!

❁❁❁

جوان بیٹے کی چتا کو آگ دکھائی گئی تو سادھنا دیوی کی ممتا تڑپ اٹھی، وہ دوبارہ چارپائی سے لگ گئیں۔ کومل نے سماج کی ریت نبھاتے ہوئے اپنے ماتھے کا سیندور مٹا دیا۔ ہاتھ میں کانچ کی پڑی چوڑیاں بھی توڑ ڈالیں، دوبارہ ساس کی سیوا میں جت گئی! وہ کنواری تھی، کنواری ہی رہی، لیکن سماج نے اس کے ماتھے پر بیوہ ہونے کی چھاپ لگا دی تھی، کسی نے اس کے دکھے دل پر مرہم رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ دو گھڑی سوگ منانے آئے اور رسمی دکھ کا جھوٹا اظہار کر کے چلے گئے، اس کے من کے اندر جھانکنے کی کوشش کسی نے نہیں کی، ایک کرن ہی تھا، جسے بھائی کی موت کا دکھ بھی تھا اور کومل کی کلپنا کا احساس بھی تھا، اسے کومل سے ہمدردی بھی تھی لیکن کھل کر اس کا اظہار کرنے سے ڈرتا تھا، خود کومل بھی اس سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرنے لگی تھی، سماج کی نظروں میں ودھوا ہو کر کسی سے ہنسنا بولنا بھی پاپ سمجھا جاتا تھا، کومل نے بھی اپنی عزت کا مان رکھنے کے لیے اسی ڈگر پر نظریں جھکا کر چلنا شروع کر دیا جو بھگوان نے اس کے نصیب میں لکھ دیا تھا، پھر سمے کے ساتھ ساتھ اس نے جینے کا نیا رنگ ڈھنگ بھی اپنا لیا، اس کے ماتا پتا نے سوگ پورا ہونے کے بعد اسے کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہ سادھنا دیوی کو چھوڑ کر بھلا کیسے جا سکتی تھی جو نردوش تھی، جس نے اسے ماں کا پیار بھی دیا تھا۔

منوج کا سوگ پورا ہونے کے بعد اس نے اپنا کمرا بھی چھوڑ دیا تھا، وہ کرن کے قریب رہنے سے کترانے لگی تھی، اس لیے نیچے ساس کے کمرے کے برابر والے کمرے میں اس نے ڈیرہ جما لیا تھا، کرن نے کئی بار اس کی طرف قدم اٹھانے کی کوشش کی، وہ کومل کے شریر میں رستے ناسوروں پر اپنی محبت کا پھایا رکھنا چاہتا تھا، اس کے بھوش کے بارے میں کھل کر باتیں کرنے کا خواہشمند تھا، وہ کومل کے درد کو جانتا تھا، یہ بھی جانتا تھا کہ شادی کے بعد سے ابھی تک وہ پیاسی رہی ہے، لیکن کومل کو آگ اور پٹرول کا ملاپ منظور نہیں تھا، اگر وہ ہمت کر کے کرن کا ہاتھ تھام لیتی تو

سماج کے ٹھیکیداروں کی نظروں سے گر جاتی جو کسی ودھوا کو شاید کوٹھے پر بیٹھا دیکھنا تو گوارا کر لیتے تھے، لیکن ایک سچا پریمی اس کی مانگ میں سیندور بھرے، یہ ان کی ریت کے خلاف تھا۔

چھ مہینے بیت گئے، کرن اور کومل کے پیار اور ان تھک سیوا نے سادھنا دیوی کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھال لیا تو ایک ماں ہونے کے ناتے وہ کرن کے سر پر سہرا دیکھنے کے لیے ویاکل ہو گئیں۔ انہیں بیرسٹر جمنا داس کی اکلوتی بیٹی وملا بہت پسند تھی، سندر تھی، اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھی، بڑے باپ کی لاڈلی ہونے کے سبب سارے گھر کی مالک تھی، اس کے علاوہ سادھنا دیوی کے گھرانے سے ان کا پرانا ملنا جلنا بھی تھا، خود جمنا داس بھی کرن کو پسند کرتے تھے، اس لیے آئے دن چکر لگاتے رہتے تھے۔

ماں نے کرن سے اپنے دل کی بات کہی تو کرن ہنس کر ٹال گیا، وہ ماں کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا ورنہ کھل کر کہہ دیتا کہ وملا جیسی ماڈرن تہذیب میں سانس لینے والی لڑکی سے اس کا نبھاہ کبھی نہ ہو سکے گا، ماں کے نہ ہونے کے کارن وملا کو اپنے پتا کی طرف سے کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی، کوئی اسے روک ٹوک کرنے والا یا برے بھلے کی تمیز سکھانے والا بھی نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ منوج کی موت کے بعد سے کرن کی محبت پھر سے جاگ گئی تھی، وہ کومل کو اپنا کر اس کا دکھ بھی دور کرنا چاہتا تھا اور ان سپنوں میں بھی جیون کے دھنک رنگ بھرنا چاہتا تھا جو اس نے پڑھائی کے دوران کومل کے بارے میں دیکھے تھے، لیکن وہ گھر کے حالات کے بھنور میں پھنس کر اتنا بے بس ہو گیا تھا کہ وملا کے مقابلے میں کومل کا نام بھی زبان پر لانے سے ڈرتا تھا، اسے نے کومل کو من کی گہرائیوں سے پیار کیا تھا، ٹوٹ کر چاہا تھا، پھر اس کی رسوائی یا جگ ہنسائی بھلا کس طرح برداشت کر سکتا تھا؟

وملا کے سلسلے میں ماں کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا، وہ آنکھ بند ہونے سے پہلے کرن کا گھر بسانے کے سپنوں کو پورا کرنے کو بے چین تھیں، اس لیے انہوں نے ہار نہیں مانی تھی!

ایک دن کرن حسب معمول ماں کے کمرے میں بیٹھا شام کی چائے پی رہا تھا اور اپنی شوخ باتوں سے ماں اور کومل دونوں کا من بہلانے کی باتیں کر رہا تھا جب ماں نے ایک بار پھر وملا کی بات چھیڑ دی۔

"تم نے وملا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اس کے پتا کئی بار دبی زبان میں تمہاری تعریف کر چکے ہیں، لڑکی والے ہیں اس لیے کھل کر بیٹی کی سگائی کی بات نہیں کر سکتے۔"

"میری تعریف" کرن نے کومل کی طرف دیکھے بنا اترا کر کہا۔ "جب میں کالج میں تھا تو کئی

لڑکیاں مجھے دور سے دیکھ کر ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی تھیں لیکن میں......''

''کرن نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔کومل کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''تجھے کون پسند تھی؟'' ماں نے اسے کھوجنے کی کوشش کی۔

''تھی ایک...... پرنتو اس بیچاری کے نصیب اب تک نہ جانے کس کے ساتھ پھوٹ چکے ہوں گے۔''

''بڑا مان ہے تجھے اپنی سندرتا پر۔'' ماں نے لاڈ سے کہا۔

''اپنی بہورانی سے پوچھ لیجئے۔'' کومل نے شرارت بھرا انداز اختیار کیا۔

''دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کریں کہ میں چاہے جانے کے لائق ہوں یا نہیں؟'' کومل کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے، اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی، وہ سمجھ رہی تھی کہ کرن کی باتوں کا رخ کس طرف تھا، شاید وہ ایک مذاق کا سہارا لے کر اسے بتانا چاہتا تھا کہ اب بھی وہ سچے من سے اسے سوئیکار کرنے کو تیار ہے، بیتی باتوں کو بھولا نہیں ہے!

''چل چھوڑ ان باتوں کو۔'' ماں نے پھر اس سے وملا کے بارے میں دریافت کیا۔''سچ سچ بتا کہ کیا ارادہ ہے تیرا؟''

''اچھی بھلی تو ہے۔'' کومل نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال کر اپنا نبھاتے ہوئے کہا۔''سندر ہے، ہاتھ پیروں کی بھی اچھی ہے، سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے ڈھنگ بھی آتے ہیں اسے، اچھے خاندان کی ہے اور پھر وہ لوگ دیکھے بھالے بھی ہیں۔''

''میں جانتا ہوں کہ وہ ایک سوسائٹی گرل بھی ہے، لیکن ضروری تو نہیں کہ ہر کوئی تمہاری کومل رانی کی طرح سر جھکا کر پتی کی سیوا کو دھرم سمجھ کر جیون بتا دے۔'' کرن نے اچانک ہی ماں سے کچھ ایسے بات کہہ دی کہ سادھنا دیوی بہو کے جھکتے ہوئے سر کو دیکھ کر نہ جانے کیا سوچنے لگیں۔

''تمہاری ہر آگیا کا پالن میرا دھرم ہے ماں، لیکن سوچ لو، اگر کہیں میں بھی بھائی کی طرح کسی حادثے کا شکار ہو گیا تو وہ کیول میرے نام پر سارا جیون کبھی نہیں بتائے گی۔''

کومل نے چونک کر کرن کو دیکھا لیکن وہ اپنی بات پوری کر کے کمرے سے جا چکا تھا، سادھنا دیوی اور کومل دونوں ہی کے دل دھڑکنے لگے۔ کرن نے دبی زبان میں جو کچھ کہا تھا وہ سادھنا دیوی کے لیے بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی، کمرے میں کچھ دیر اداس سی خاموشی کا راج رہا، پھر کومل نے بگڑتی ہوئی بات کو نبھانے کی کوشش کی۔

''آپ نراش نہ ہوں ماں جی۔ کرن میری بات سن لیتا ہے، میں کسی وقت اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔''

''یہ اس گھر پر تمہارا آخری احسان ہوگا کومل بیٹی۔'' سادھنا دیوی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میری بڑی اچھا ہے کہ مرنے سے پہلے کرن کا گھر آباد کردوں، بعد میں بھی شاید یہ ذمہ داری بھی تم کو ہی نبھانی پڑے۔''

کومل نے ساس کا دل رکھنے کے کارن جو بات کہہ دی تھی اس نے خود اس کی زندگی میں بھی ایک ہلچل سی مچا دی تھی، کرن کی ڈھکی چھپی باتوں نے اس کے جیون کے ٹھہرے ہوئے ساگر پر ایک کنکری اچھال دی تھی جس نے اس کے اندر پھر لہروں کے جال بکھیر دیے تھے، وہ ساس کو دلاسا دیتی رہی، لیکن خود بھی اندر سے بہت الجھ گئی تھی، ایک کرن ہی تو تھا جو اس کے جیون کی رام کہانی پوری طرح جانتا تھا، وہ بھلا اس کو کس طرح قائل کرسکتی تھی؟ پھر بھی اس نے طے کرلیا تھا کہ جس گھر میں جیون کے دن پورے کررہی تھی، اس میں دوبارہ کسی طوفان کو سر نہیں اٹھانے دے گی، اس کوشش کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی؟

کومل کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھی لیکن کرن بھی اپنی جگہ محتاط تھا، بھائی کی موت کے بعد اس نے بھی حالات کی نزاکت محسوس کرکے کومل سے ایک فاصلہ ضرور برقرار رکھا تھا لیکن آج بھی اس کے من میں کومل کے پیار کے دیے جگمگا رہے تھے، کومل کی خوشیوں کے دیپ منوج کے حادثے کے بعد بجھ کر دھواں دینے لگے تھے، اسی دھوئیں کے احساس نے کرن کی اِس آشا کو اور زیادہ بھڑکا دیا تھا کہ وہ کسی بھی طرح کومل کے دکھوں کو دور کرنے کے کارن ہمیشہ کے لیے اسے اپنی زندگی بنا لے، وہ اس کا پہلا اور آخری پیار تھا، جس کے رنگ ایک پل کو پھیکے نہیں پڑے تھے، بھوجائی کے روپ میں بھی وہ دل پر پتھر رکھ کر اس کی کسی دیوی کی طرح پوجا کرتا تھا، اس پوجا کا رنگ بدل گیا تھا، لیکن پیار کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی مگر حالات نے ایک بار پھر دل میں محبت کی گرم راکھ کو چنگاری کا روپ دے دیا تھا، جتنی دیر وہ گھر میں رہتا، اپنے کمرے میں بند بیٹھا کومل کے بارے میں سوچتا رہتا جس نے منوج کی نفرت کو بھی سینے سے لگا رکھا تھا، کبھی کسی سے گلہ نہیں کیا تھا، منوج کی حادثاتی موت کے بعد بھی اپنے جیون کی تمام خوشیوں، امنگوں اور آرزوؤں کا گلا گھونٹ کر مکمل ودھوا کا روپ اختیار کرلیا تھا، کتنی مہان بن گئی تھی!

بھائی کی موت کے بعد کرن کو ٹینس کلب کے ایک دوست ممبر کے ذریعے حالات کا علم ہوا تو

وہ اور دکھی ہو گیا، ارملا کو دھتکارنے کے بعد جس طرح وہ کلب سے روانہ ہوا تھا شاید وہی اس کے جیون کا ایک موڑ ثابت ہوتا۔ ممکن ہے وہ اپنی غلطی مان کر کومل کو ایک پتنی کی حیثیت سے سوئیکار کر لیتا لیکن تقدیر نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ کرن نے ان باتوں کو کومل سے چھپا کر رکھا تھا لیکن اب وہ بھائی کی جگہ لے کر کومل کے سوکھے ہونٹوں پر خوشیوں کے دیپ دوبارہ روشن کرنا چاہتا تھا، جھوٹے سماج کی رسموں اور ماں کی وجہ سے اس نے زبان پر تالے ڈال رکھے تھے، اپنے کمرے سے نکلتا تو ماں کے پاس بیٹھتا، ان کا من بہلاتا رہتا، وہاں سے اٹھتا تو کہیں باہر چلا جاتا، لیکن ایک پل کے لیے بھی وہ کومل کے خیال سے کبھی غافل نہیں ہوا تھا۔

اس روز بھی وہ ماں کے کمرے سے اٹھ کر باہر جانے کے لیے نکلا تھا لیکن کومل نے جولان میں بچھی کرسیوں پر بیٹھی شاید اسی کی راہ دیکھ رہی تھی، آواز دے کر روک لیا، کرن نے ایک پل کو کچھ سوچا پھر دوستوں کی طرح مسکراتا ہوا اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو......'' کومل نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے کرن سے کہا تو وہ خاموشی سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آج مالتی نظر نہیں آرہی؟'' کرن نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کومل کی نظروں سے بچنا چاہا جس کی نگاہوں میں ایک دیوی کا دھرم پوری طرح جاگتا نظر آرہا تھا۔

''وہ بھی ادھر ہی تھی، لیکن میں نے اسے کام کا بہانہ کر کے ماں کے پاس بھیج دیا ہے۔'' کومل نے خود کو سنبھال کر کہا۔ ''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''وملا کے بارے میں؟'' کرن نے کسمسا کر کہا۔ ''مجھے وشواس تھا کہ ماں نے میری باتوں سے نراش ہو کر تمہیں ضرور گھیرا ہوگا۔''

''ہاں۔''

''پھر......تمہارا کیا حکم ہے؟'' کرن کے ایک سوال میں ہزاروں سوال چھپے تھے، کومل نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں ماں کا دل رکھنے کی خاطر ان کا کہنا مان لینا چاہیے۔'' اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

''تم نے کبھی قریب سے وملا کے رکھ رکھاؤ کو دیکھا ہے؟'' کرن نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ ''وہ جس طرح ماڈرن تہذیب کے سانچوں میں ڈھلی ہے، کیا اس

کے بعد شریف گھرانے کی بہو بننے کے لائق ہے؟''

''مرد اگر پیار سے اپنی پتنی کا من جیتنے کی کوشش کرے تو پتنی اسے کبھی نراش نہیں کرتی۔'' کومل نے ایک کمزور سا جواب دیا۔

''میں تمہاری بات نہیں...... وملا کی بات کر رہا ہو۔'' کومل نے نہ چاہنے کے باوجود ایک کھری بات کہی تو کومل ہونٹ چبانے لگی۔ اس کے پاس کرن کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، اس نے نظریں جھکا لیں۔

''کرن کے سامنے کبھی دوبارہ نراش مت ہونا کومل۔''

اس بار کرن کے لہجے میں اس کے پیار کی مٹھاس بھی شامل تھی۔ ''میں اپنی زندگی میں تمہارے چہرے پر کبھی مایوسی کی ایک چھایا بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر ماں نے تمہیں یہ ذمہ داری سونپ دی ہے اور تم بھی یہی چاہتی ہو کہ اس گھر میں دوبارہ وہی کہانی دہرائی جائے جو ایک بار جنم لے چکی ہے تو میں تمہارا حکم ماننے سے انکار نہیں کروں گا اور...... اور بھی بہت ساری باتیں ہیں جو میں کہنا چاہتا ہوں مگر اب......''

کرن نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا، تیزی سے اٹھا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ اس کے اپنے اختیار میں ہوتا، تو شاید وہ بھی اپنا دل چیر کر کرن کے چرنوں میں رکھ دیتی لیکن وقت اور حالات نے اس کے پیروں میں جو بیڑیاں ڈال دی تھیں وہ اسے کاٹ نہیں سکتی تھی، کچھ دیر تک گم صم کھڑی اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی رہی، پھر سر جھکا کر سادھنا دیوی کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے ساس سے کہہ دیا کہ کرن اس کے سمجھانے پر وملا سے شادی کرنے پر تیار ہو گیا ہے۔

سادھنا دیوی کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی لیکن کومل...... اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گئی، اپنے اجلے دامن پر کوئی داغ نہ دیکھنے کے کارن اس نے وہی کیا جو وقت کا تقاضا تھا، وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی!!

✿✿✿

کرن اور وملا کی شادی بڑے دھوم دھام سے ہوئی، سادھنا دیوی کی آخری اچھا بھی پوری ہو گئی، خود کومل نے بھی اس شادی میں دل کھول کر حصہ لیا۔ ہر کام میں پیش پیش رہی لیکن پھر ایک موقع ایسا بھی آیا جب کرن کی ضد کے سامنے سب مجبور ہو گئی۔ اس نے سر پر سہرا باندھنے کے لئے آگے آنے کو کہا تو خود کومل بھی سہم کر رہ گئی، اس کا وجود لرزنے لگا پھر اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتی کہ

زبانیں ایک ساتھ کھل گئیں۔ سادھنا دیوی نے وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے کرن سے کہا۔

''سہرے کی ذمہ داری میں نے مادھوری کو سونپی تھی۔''

''یہی مناسب ہوگا۔'' ایک بڑی عمر کی عورت نے کڑوا سا منہ بنا کر سادھنا دیوی کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''کسی ودھوا کو سہرے کو ہاتھ لگانا بدشگونی بھی ہوتا ہے۔''

''یہ ہماری ریت کے بھی خلاف ہے۔'' ایک رشتے دار کی زبان بھی کھل گئی۔ ''سہرا دو دلوں کا پوتر سندیس ہوتا ہے، اسے ودھوا کے سائے سے بھی دور رکھنا ضروری ہے۔''

کومل ہکا بکا کھڑی لوگوں کی باتیں سنتی رہی، اس نے اس گھر کی عزت کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنا سارا جیون بلیدان کر دیا تھا، ساری خوشیاں برباد ہونے کے بعد بھی کبھی زبان نہیں کھولی تھی، اپنے دل کی امنگیں، اپنے سہانے خواب، اپنی جوانی اور جوانی کے مچلتے ارمان سب کچھ بھینٹ چڑھا دیا تھا، آج اسی کو ایک چھوٹی سی خوشی سے دور رکھنے کی باتیں کی جا رہی تھیں، یہ کسی نے نہ سوچا کہ کرن کو اسی نے وملا سے شادی کرنے پر آمادہ کیا تھا لیکن اس کے ماتھے پر لگا ہوا ودھوا کا بدنما داغ آج پھر سب کو نظر آ رہا تھا۔

کرن چوکی پر بیٹھا کومل کو دیکھ رہا تھا، کتنی بے بس نظر آ رہی تھی وہ، سماج کے جھوٹے قوانین نے اس خوشی کے موقع پر بھی اسے اداس کر دیا تھا، کسی دیوی کی طرح دور سر جھکائے خاموش کھڑی، وہ لوگوں کی بھانت بھانت کی بولیاں سن رہی تھی، برداشت کر رہی تھی، جیسے وہ کوئی جیتی جاگتی عورت نہ ہو، پتھر کی کوئی مورتی ہو جس کو کسی سنگتراش نے بڑی مہارت سے تراش کر، خوبصورت رنگوں سے بنا سنوار کر، سجا کر روپ کا شاہکار بنایا پھر اس میں جان ڈالنا بھول گیا تو محفل کی شوبھا بڑھانے کی خاطر کسی بے جان بت کی طرح سب کے درمیان لا کھڑا کر دیا جو سب کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر بھی جواب دینے کی شکتی سے محروم کر دی گئی تھی، اس کی زبان کہیں کھل جاتی تو سارے پریوار کی عزت دو کوڑی کی بھی نہ رہ جاتی۔

منوج سورگ باسی ہو گیا لیکن اس کی آتما ضرور ویاکل ہوگی، اس سچائی کو جان لینے کے بعد کہ اس نے ارملا جیسی خوبصورت ناگن اور ماڈرن ویشیا کے روپ میں پوری طرح اسے ڈس لیا تھا، اس کے بسے بسائے گھر کو جہنم بنا دیا تھا، اس کی آتما بھی خوشی کے اس موقع پر ضرور تڑپ رہی ہو گی! یہی باتیں اگر خود کرن منہ کھول کر کہہ دیتا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ سادھنا ماں کے ہاتھ کے طوطے بھی اڑ جاتے...... جو سیتا بنے بڑھ بڑھ کر گز بھر کی زبان

چلا رہے تھے، انہیں بھی سانپ سونگھ جاتا، لیکن ماں کے خیال سے کرن نے کچھ کہنے کی غلطی نہیں کی، اس نے بڑی عقیدت بھری نظروں سے کومل کو دیکھا جس کے من میں ضرور ایک لاوا مچل رہا ہوگا، پھر کومل کو سہارا دینے کی خاطر اس نے دل پر جبر کر کے بلند آواز میں کہا۔

''سجنو! میں بھی جانتا ہوں کہ آپ کا سماج کس کے لیے کیا کہتا ہے لیکن۔'' وہ سب کے چہروں پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر زہر خند سے بولا۔ ''میں نے کومل کو اس گھر کا ایک جیتا جاگتا حصہ جان کر قریب آنے کو کہا تھا، کیا آپ کو اس پر بھی کوئی شکایت ہے؟''

''نہیں۔......'' سب نے یک جان ہو کر جواب دیا تو کرن کے دھڑکتے دل کو بھی قرار آ گیا، اس نے پلکیں اٹھا کر کرن کا نگاہوں ہی نگاہوں میں شکریہ ادا کیا، سادھنا دیوی نے بھی سکھ کا سانس لیا۔

پھر کرن نے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا، ساری پوتر رسمیں، پوتر سماج کی پوتر ریت پوری کی گئیں لیکن کومل قریب ہی قریب رہی، وہ سمجھ رہی تھی کہ سہرا بندھی کے لیے کرن نے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ تھا، اس نے کومل کو سماج کے ٹھیکیداروں کے زہر میں ڈوبے ہوئے جملوں سے بچانے کے کارن بڑا خوبصورت انداز اختیار کیا تھا۔

سادھنا دیوی وہیل چیئر ساتھ لے کر برات کے ساتھ گئیں، بیرسٹر جمنا داس نے آگے بڑھ کر سب کا سواگت کیا، پنڈت نے کچھ دیر بعد پنڈال کے بیچ بیٹھ کر وملا اور کرن کے دامن کو آپس میں گانٹھ لگائی، پھر جتنی دیر کرن اور وملا پوتر اگنی کے پھیرے لگاتے رہے، پنڈت لہک لہک کر اشلوک پڑھتا رہا۔ سات چکر پورے ہوئے، تو کرن نے دلہن کے ماتھے میں سندور بھرنے کی رسم ادا کی، پھر ہر طرف سے مبارک، سلامت رہنے کا شور گونجنے لگا، ان مہکتی مسکراتی آوازوں میں شہنائی کی آواز بھی گونج رہی تھی، اس موقع پر کومل نے من ہی من میں سکون کا سانس لیا تھا، اس نے دور دور اہ کر ہی دونوں کو بدھائی دی، قریب جانے کی بھول نہیں کی، لیکن آج اس کے دل میں ایک درد ضرور جاگا تھا، وہ جسے اس نے پیار سے کبھی سپنوں کا شہزادے کا ٹائٹل دیا تھا، آج پرایا ہو گیا تھا!!

وملا بیاہ کر کرن کے گھر آ گئی، کرن ہر طرح سے وملا کے ساتھ نبھانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن شادی کے بعد دو ماہ بعد سادھنا دیوی کو بھی ''پوت کے پاؤں پالنے'' میں نظر آنے لگے۔

مہینے ڈیڑھ مہینے تک وملا کسی نہ کسی طرح من کو مار کر سادھنا دیوی کو روزانہ صبح ان کے چرن

چھو کر پرنام کرنے کے لیے آتی رہی، پھر اس نے پر نکالنے شروع کر دیے۔ وہ ماڈرن تہذیب کی دلدادہ تھی، اس نے ولایت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی، کلبوں میں دوستوں کے ساتھ ناچنا، گانا اور ہلا گلا کرنا اسے پسند تھا، وہ کردار کی بری نہیں تھی، اس نے جیون میں کبھی کوئی پاپ نہیں کیا تھا لیکن وہ ماں کی تربیت نہ ملنے سے آزاد خیال اور ماڈرن سوسائٹی کو پسند کرنے لگی تھی، خود کرن بھی وملا کی ایک ایک بات محسوس کر رہا تھا لیکن برداشت کر رہا تھا مگر...... جب وملا نے اسے پیرس جا کر کسی پرفضا قائم پر شادی کا ہنی مون منانے کو کہا، تو اس نے بڑی صاف گوئی سے انکار کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

''ماں جب تمہارا جیتا جاگتا مون گھر لے آئی تو پھر پیرس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ رہا سیر سپاٹے کا معاملہ تو اپنے دیس میں بھی ایسے پہاڑ، گھاٹیاں اور تاریخی مقامات ہیں، جن کو دیکھنے کے لیے سیاح دور دور سے آتے ہیں۔''

''اتنا لمبا چوڑا بھاشن دینے کے بجائے تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ کسی خاص وجہ سے باہر نہیں جانا چاہتے۔'' وملا نے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا تو کرن کا ماتھا پہلی بار ٹھنکا۔

''تم...... کیا کہنی چاہتی ہو؟'' اس نے وملا کو تیز نظروں سے گھورا تو وملا کوئی جواب دینے کے بجائے معنی خیز انداز میں مسکراتی تولیا اٹھا کر باتھ روم میں اشنان کرنے چلی گئی۔

کرن کے اندر ٹوٹ پھوٹ شروع ہونے لگی، وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن کومل کی طرف کسی کو اشاروں میں بھی انگلی اٹھانے کی چھوٹ نہیں دے سکتا تھا، مگر اس نے کومل کی عزت کا بھرم رکھنے کی خاطر ایک خاص حد تک برداشت کرنے کا سوچ لیا تھا!!!

❁❁❁

اس روز بھی روز مرہ کی طرح کومل نے ساس کے کمرے میں آ کر اس کا منہ ہاتھ دھلانے میں مدد کی پھر وہ ہمیشہ کی طرح ساتھ ہی ناشتا کرنے میں مصروف تھی کہ وملا بھناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی، اس نے ساس کو پرنام کہنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، کومل کو گھورتے ہوئی بولی۔

''آج ناشتے کے لیے پوری اور بھاجی کس نے تیار کی تھی؟''

''گھر کے پرانے کک رام اوتار نے۔'' کومل نے وملا کے تیور پر پڑے بل دیکھنے کے بعد بھی بڑی سادگی سے جواب دیا۔

''کیا بات ہو گئی بہورانی؟'' سادھنا دیوی نے وملا سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں......" وملا نے جلے کٹے انداز میں کومل کو دیکھ کر حقارت سے کہا "کرن کو آج بھاجی میں نمک کم لگ رہا تھا، اس لیے میں نے سمجھا کہ شاید......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر تیزی سے پلٹ گئی تو کومل کو ایسا لگا جیسے اس کے منہ پر کسی نے طمانچہ مار دیا ہو، دل مسوس کر رہ گئی۔ سادھنا دیوی نے خلا میں دیکھتے ہوئے کومل سے کہا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں کومل بیٹی کہ بہورانی کا مزاج اب کڑوا ہونے لگا ہے۔"

"کبھی کبھی منش جو کہتا ہے اس کو کسی وجہ سے اس کا دھیان نہیں رہتا۔" کومل نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "وملا بری نہیں ماں جی، اسے احساس ہوگا تو وہ آپ سے......"

"میں جانتی ہوں بیٹی کہ تم اس گھر کی لاج ہو اس لیے ایسا کہہ رہی ہو، لیکن۔" سادھنا دیوی سرد آہ بھر کر بولیں۔ "شاید میں نے کرن کی بات سمجھنے میں کوئی بھول اوش کر دی ہے، وہ شروع سے وملا کو سویکار کرنے سے کترا رہا تھا، تمہارے کہنے پر اس نے ہاں ضرور کر دی مگر...... وہ بھی اب خوش نہیں نظر آتا۔"

"آپ چنتا نہ کریں ماں جی، میں کوئی مناسب سے دیکھ کر وملا کو سمجھانے کی کوشش ضرور کروں گی۔"

"ایسا مت کرنا کومل بیٹی۔" سادھنا دیوی نے پہلی بار کومل سے بنتی کی۔ "وملا ابھی جو جملہ میرے سامنے کہہ گئی ہے، میں اس کا مطلب سمجھ رہی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہارے اوپر انگلی اٹھائے، تم اس گھر کی لاج ہو، اگر تمہاری عزت پر کوئی حرف آیا تو شاید کرن بھی اسے برداشت نہ کر سکے گا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا ماں جی، آپ ناشتا کریں۔" سادھنا دیوی نے کومل کو ایک ماں کی پیار بھری نظروں سے دیکھا پھر اس کا ساتھ نبھانے کے لیے ناشتہ کرنے لگیں، لیکن وہ محسوس کر رہی تھیں کہ ان سے کرن کے معاملے میں جو بھول ہو گئی تھی وہ کسی وقت بھونچال کا روپ بھی دھار سکتی تھی، خود کومل بھی ان ہی وچاروں میں گم تھی، کئی دنوں سے وہ بھی وملا کی بدلی بدلی نظروں کے تیور بھانپ رہی تھی لیکن چپ تھی، شاید وملا اسے کانٹا سمجھ کر اس سے الجھنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" کومل نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ وملا کرن اور اس کے تعلقات کو غلط رنگ دینے کی بھول کر رہی تھی؟" کومل کے دل میں اچانک یہ خیال ابھرا تو وہ کسی ایسے معصوم پنچھی کی طرح سہم کر رہ گئی جو اپنے گھونسلے میں دبکا بیٹھا بجلی کے کڑکنے اور بادل کے

گرجنے سے سہم کرکسی اٹھنے والے طوفان کے خوف سے اپنے آشیانے کو محفوظ رکھنے کے لیے اوپر والے سے پرارتھنا کر رہا ہو، بنتی کر رہا ہو کہ اس نے تنکے تنکے جوڑ کر جو ٹھکانا سر چھپانے کے لیے بنایا تھا، کہیں وہ ٹوٹ کر بکھر نہ جائے!

❁❁❁

سمے گزرنے کے ساتھ ساتھ گھر کے ماحول میں تلخی بھی گھلنے ملنے لگی، وملا اور کرن کے بیچ بھی دراڑیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ سادھنا دیوی جیون کی آخری سانسیں گننے کے ساتھ ساتھ اس گھر کی خوشیوں کو بکھرتا دیکھ رہی تھیں جنہیں انہوں نے ہمیشہ سمیٹ کر رکھا تھا، کومل نے اپنا زیادہ تر وقت ساس کے کمرے میں گزارنا شروع کر دیا، وملا کی زبان روز بروز کھلتی جا رہی تھی، کومل ڈرتی تھی کہ اگر کہیں کسی دن کرن نے بھی جان لیا کہ وملا اپنی غلطیوں اور بے راہ روی کا سارا کچرا، سارا گند کومل پر ڈال رہی ہے تو قیامت ہی آجائے گی، ایک دو بار اس نے کرن سے پل دو پل سامنا ہونے پر آنکھوں ہی آنکھوں میں بنتی کی تھی کہ......

''کرن...... میرا آنچل داغدار نہ ہو، اس لیے تمہیں بھی خاموشی سے کام لینا چاہیے، میں نے تمہاری ماں کی سیوا کسی سگی بیٹی کی طرح کی ہے، اسی سیوا کا کچھ خیال کرو، ورنہ میں نردوش ہونے کے باوجود بدنام ہو جاؤں گی۔ سماج کے ٹھیکیداروں کو میرے خلاف زہر اگلنے کا موقع مل جائے گا، میں ایک کمزور ناری، کس کس کی زبان پکڑتی پھروں گی۔''

کرن نے کومل کی خاموش زبان کو سمجھ کر اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا، خود دہکتے انگاروں پر لوٹ رہا تھا، خون کے گھونٹ پی کر وقت گزار رہا تھا!!

گیارہ مہینے بیت گئے، ان گیارہ مہینوں کے اندر وملا نے گھر کے سارے نوکر چاکروں پر اپنا رعب جما لیا تھا، وہ کومل کے بارے میں برملا اپنی نفرت کا اظہار کرنے لگی تھی، کومل سادھنا ماں کے کمرے میں چار چھ روز گزارنے کے بعد بھولے بھٹکے کبھی باہر نکلتی تو وملا اس وقت بھی اسے کچوکے لگانے سے باز نہ آتی، پھر...... جب وہ پہلی اولاد کو جنم دینے کے لیے اسپتال میں داخل ہوئی تو بھی اس گندے وچاروں میں ایک ڈر بار بار سر ابھارتا رہا کہ کہیں کرن اور کومل کو اکیلے گھر میں ''کھل کھیلنے'' کا موقع نہ مل جائے۔

شروع دن سے اس نے کرن کو مٹھی میں لینے کی کوشش شروع کر دی تھی، کرن جب بھی اس کی بڑھتی ہوئی آزادی پر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا، اس کے من میں بسا ایک ہی خیال کنڈلی مار

کر سر اٹھانے لگتا۔ ''بس کی گانٹھ کومل کے سوا کوئی اور نہیں ہوگی، اس نے اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے کارن کرن کی شادی کرانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ ضرور لیا تھا، شاید اس لیے کہ اس شادی کی آڑ میں اس کے اور کرن کے تعلقات پر کوئی شبہ نہ کر سکے۔'' اسی ایک شبہے نے اسے کومل کے خلاف بھڑکا دیا تھا، اور کومل...... وہ اس جھوٹے اور بے بنیاد الزام سے جان چرانے کی خاطر وملا سے ڈرنے لگی تھی۔ اپنے خول میں سمٹ کر رہ گئی تھی، کرن سے دور دور رہنے لگی، جب تک وہ دفتر نہیں چلا جاتا تھا، وہ ساس کے کمرے میں ہی رہتی، کرن کے جانے کے بعد کبھی دو گھڑی کے لیے باہر لان میں جا کر کھلی فضا میں سانس ضرور لیتی تھی، لیکن ایک دن وہ مالتی کے ساتھ گھل مل کر ہمیشہ کی طرح بات کرنے میں مصروف تھی کہ وملا آ گئی۔ کومل اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں تو وہ جلدی میں اس سے دو چار باتیں کرنے کے بعد اندر ہی جا رہی تھی، جب اسے وملا کی زہر میں بجھی آواز سنائی دی۔ وہ مالتی سے کہہ رہی تھی۔

''اگر تو نے کبوتری بن کر دو پریمیوں کے سندیس ادھر ادھر پہنچانے کی کوشش کی تو تیرے سارے پر کتر کر گنجی کبوتری بنا دوں گی۔''

''کومل رکی نہیں، دھڑکتے دل اور نیچے اوپر ہونے والی سانسوں کو سنبھالتی ساس کے کمرے میں چلی گئی۔

''کیا بات ہے بیٹی'' سادھنا ماں نے اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تمہاری سانس کیوں پھول رہی ہے؟''

''بس...... وہ...... مالتی کے کہنے پر اس کے ساتھ پہل دوج کھیلنے میں لگ گئی تھی۔'' اس نے ایک سندر جھوٹ کی اوٹ میں پناہ لینے کی کوشش کی۔

''تم مجھے ماں بھی کہتی ہو، پھر بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کر رہی ہو؟'' سادھنا دیوی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے رحم طلب نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بہو رانی نے پھر کچھ کہہ دیا ہے؟''

''نہیں ماں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' کومل نے پھر ساس کو ٹالنے کی خاطر جھوٹ بولا۔

''آپ کو میری بات پر وشواس نہیں رہا تو مالتی کو بلا کر پوچھ لیں۔''

''سادھنا دیوی کو مالتی کو بلانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی، تھوڑی دیر بعد جب وملا روز مرہ کے معمول کے مطابق گاڑی میں تنہا بیٹھ کر سیر سپاٹے کے لیے نکل گئی تو شاموکا کا بذات خود ہاتھ

جوڑے کھانستا ہوا سادھنا دیوی کے کمرے میں آ گیا۔

''کیا بات ہے کاکا؟'' کومل نے اس کے چہرے پر لکھی تحریر پڑھ کر جلدی سے پوچھا۔'' کیا پہل دوج کھیلتے ہوئے مالتی کے پیروں میں بھگوان نہ کرے موچ تو نہیں آ گئی؟''

''اب بہت ہو گیا چھوٹی مالکن۔'' شامو کا کا نے کھانسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔'' ہم غریب لوگ ضرور ہیں لیکن مالکوں کے ساتھ نمک حرامی کبھی نہیں کی، پانی اب سر سے اونچا ہونے لگا ہے۔''

''کیا بات ہے شامو؟'' سادھنا دیوی نے بوڑھے مالی سے پوچھا۔

''ایک بنتی کرنے آیا ہوں بڑی مالکن، اب ہم باپ بیٹی کو چھٹی دے دو، میں نے سارا جیون اس گھر کا نمک کھایا ہے، برسوں بیت گئے، پھولوں کی دیکھ بھال کرتے کہ کہیں ہرے بھرے پودے کو کیڑا نہ لگ جائے لیکن۔'' شامو نے کومل کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا پھر خاموش ہو کر گردن نیچے کر لی۔

''مالتی تو ٹھیک ہے ناں؟'' سادھنا دیوی نے شامو کو کریدنے کی کوشش کی۔

''ہاں مالکن......اپنی چارپائی پر پڑی پھوٹ پھوٹ کر نیر بہا رہی ہے۔''

''کیا ہوا اسے؟''

''مجھے شما کر دینا چھوٹی مالکن، لیکن اب میں بھی چھوٹی بہو رانی کے غصے سے ڈرنے لگا ہوں، کسی دن انہوں نے میری محبت پر بھی کیچڑ اچھال دی تو برسوں کی سیوا بھی دھری کی دھری رہ جائے گی۔''

''شامو......'' سادھنا دیوی نے اس بار تیز آواز میں کہا۔'' مجھے سچ سچ بتاؤ کہ آج کیا ہوا ہے؟......مالتی کیوں رو رہی ہے؟''

شامو نے سر جھکا لیا، پھر بڑے دکھی لہجے میں بولا۔

''آج، چھوٹی بہو رانی نے مالتی سے کومل بیٹی کے بارے میں ایسی بات کہہ دی ہے کہ وہ بچی ہو کر بھی برداشت نہ کر سکی۔''

پھر سادھنا دیوی کے اصرار پر شامو ملا کی کہی ہوئی بات دہرا کر واپس چلا گیا تو پہلی بار سادھنا دیوی کے بوڑھے چہرے پر کسی جوالا مکھی کی سرخی کپکپانے لگی۔

''میرا خیال ہے کہ وملا ہسپتال سے ساتھ خیریت کے ساتھ واپس آ جائے تو پھر مجھے اس

سے کھل کر بات کرنی پڑے گی۔''

''ایسا مت کرنا ماں جی۔'' کومل نے تڑپ کر کہا، پھر دل کی ایک بات پہلی بار اس کی زبان تک آ گئی۔''ایک بار جو کہانی بیت چکی ہے اگر وہ بھگوان نہ کرے دوبارہ کبھی اور روپ میں پلٹ کر سامنے آ گئی تو پھر سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ سب کچھ...... شاید میں بھی۔''

سادھنا دیوی نے کومل کی نمناک نظروں کو بہت غور سے دیکھا، وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھیں، لیکن کومل اٹھ کر سسکتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی، سادھنا دیوی کی تجربہ کار نظریں دور پار خلاؤں میں کچھ تلاش کرنے لگیں، اپنے اس سہاگ کو بھی جس کے روٹھ کر جیون سے منہ موڑ لینے کے بعد ان کے اپنے جیون کے راج محل میں بھی پہلی دراڑ پڑی تھی!!

❁❁❁

ڈیڑھ سال اور کسی نہ کسی طرح بیت گئے! گھر میں ننھے منے ایک چاند سے بالک رندھیر کا اضافہ بھی ہو گیا تھا!

اس عرصے میں وملا کے من میں چھپے طوفانوں نے کئی بار سر ابھارنے کی کوشش کی لیکن سادھنا دیوی اور خود کومل بھی اسے ہنس کر ٹالتی رہیں، خود کرن بھی تلملا کر رہ جاتا لیکن کومل کی خاموش درخواست کا خیال کر کے یا تو خاموش رہتا، یا پھر گھر سے باہر چلا جاتا لیکن جو طوفان بار بار بند سے ٹکرا کر واپس پلٹ جاتے تھے، ایک روز انہوں نے اتنی شکتی کے ساتھ سر ابھارا کہ سارے بند ٹوٹ کر بہہ گئے، کرن کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔

اس روز کرن نے ایک بار پھر کھانے میں نمک کم ہونے پر رسوئیا کو بلا کر دبی زبان میں ڈانٹا تو وملا ایک دم ہی بھڑک کر آپے سے باہر ہو گئی، جو شک اس کے من میں پل بڑھ رہا تھا وہ کھل کر زبان تک آ گیا، اس نے کرن سے تیز آواز میں کہا۔

''کھانے میں نمک ڈالنے کو میں نے ہی کہا تھا، میرا خیال تھا کہ تم بھی گزارا کر لو گے، مجھے کیا خبر تھی تم کو وہ تیز نمک بھاتا ہے جو کومل رانی کے شریر میں......''

شٹ اپ......'' کرن وملا کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کھانے سے ہاتھ روک کر چیخ اٹھا۔'' آج ایک بات دھیان سے سن لو وملا کماری۔ اگر دوبارہ کبھی تمہاری گندی زبان پر کومل کا پوتر نام بھی آیا تو......''

''تو کیا کر لو گے؟'' وملا بھی چوٹ کھائی شیرنی کی طرح چھاتی تان کر کھڑی ہو گئی، بڑی تیز

اوراونچی آواز میں بولی۔ ''تم...... میری آنکھوں میں دھول جھونک کر جورنگ رلیاں چوری چھپے منا رہے ہو، میں بھی اب انہیں بر...... دا...... ش...... ت۔''

وملا کا جملہ پورا کرنے کا ارمان من ہی من میں گھٹ کر رہ گیا، کرن نے غصے سے تلملا کر جو بھرپور تھپڑ مارا تھا اس نے وملا کو ہلا کر رکھ دیا تھا، گرتے گرتے سنبھل گئی تھی۔

''آئی...... آئی ہیٹ یو......'' وہ کرن سے دو قدم پیچھے ہو کر پوری قوت سے چیخی۔ ''آئی اسپٹ آن یو۔اینڈ آل آف یو......''

پھر اس سے پیشتر کہ سادھنا دیوی یا کومل بات سنبھالنے کی کوشش کرتے، وملا حقارت سے فرش پر تھوک کر کسی ناگن ہی کی طرح بل کھاتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پھر، بیس منٹ کے اندر اندر وہ اپنا ضروری سامان سمیٹ کر گھر چھوڑ کر چلی گئی، جاتے جاتے اس نے معصوم رندھیر کو بھی پلٹ کر ایک نظر دیکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔

سادھنا دیوی کے علاوہ گھر کے سارے لوگ پریشان ہو گئے، کرن نے خاموشی سے رندھیر کو گود میں اٹھا لیا لیکن اس نے بھی وملا کو گھر چھوڑ کر جانے سے نہیں روکا، طوفان گزر چکا تھا لیکن اس کی تباہی کے دھیان نے سب ہی کو ہلا کر رکھ دیا تھا!!

کومل کا چہرہ اس طرح ست کر رہ گیا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو!!

❁❁❁

بیرسٹر جمنا داس اور سادھنا دیوی کے پریوار کے بیچ برسوں کے سمبندھ قائم تھے، جمنا داس کو معلوم تھا کہ وملا جس ماڈرن تہذیب اور آزاد ماحول میں بغیر کسی روک ٹوک کے اونچی اڑان اڑ رہی تھی، اس کا انت بھی اچھا نہیں ہوتا، بہت سوچ وچار کے بعد ہی انہوں نے سادھنا دیوی سے من کی بات کی تھی، اور اپنی کوششوں میں سپھل بھی ہو گئے تھے، ان کو امید کی ایک کرن نظر آئی تھی، کہ شاید سادھنا دیوی کے گھر کے اجلے اور پوتر چرنوں میں اور صاف ستھرے ماحول میں ایک دو سال گزارنے کے بعد وملا سنبھل جائے گی، لیکن کرن کے بارے میں اس کے من میں کومل کی طرف سے جو شک بیٹھ گیا، وہ وہ روز بروز جڑ پکڑتا گیا، پھر ایک دم ہی بھونچال آ گیا تھا، وہ کرن کے گھر پر تھوک کر اپنی آزاد دنیا میں واپس آ گئی تھی، آتے ہی اس نے باپ سے کہا تھا، کہ اب وہ مر جائے گی، لیکن کرن کے ساتھ دوبارہ ناتا جوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہو گی۔

جمنا داس نے جو سپنے دیکھے تھے، وہ ایک ذرا سی ٹھیس پا کر چکنا چور ہو گئے، وہ منوج کے لچھن

سے بھی واقف تھے، اور کرن کے بارے میں بھی اس بات کی پوری جان کاری رکھتے تھے، کہ وہ ایک پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا شریف اور ملنسار لڑکا ہے، کومل کو بھی وہ گنگا جل کی طرح پاک سمجھتے تھے، انہوں نے بیٹی کی بات سن کر کوئی جواب نہیں دیا، سیدھے سادھنا دیوی کے پاس پہنچ گئے جو دوبارہ چارپائی سے لگ گئی تھیں، کرن کا گھر اجڑنے کا روگ ان کے جیون کو گھن سن کر اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔

کرن نے جمنا داس کے چرن چھو کر ان کا سواگت کیا۔ وہ کرن کے سر پر ہاتھ رکھ کر اور ننھے رندھیر کو گود میں لے کر چومتے ہوئے سادھنا دیوی کے کمرے میں چلے گئے جہاں کومل کے ساتھ فیملی ڈاکٹر بھی موجود تھا، ڈاکٹر کو دیکھ کر وہ دبے قدموں چوکھٹ سے ہی باہر آ گئے، کرن سے پوچھا۔

"اب سادھنا بہن کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ڈاکٹر نے کوئی اچھی خبر نہیں سنائی ہے" کرن دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ "بھاگ میں اوپر والے نے جو لکھ دیا ہے، اسے مٹانا منش کے بس کا روگ نہیں ہے، ہم اوپر والے سے کیول ماں کی جیون کی بھیک ہی مانگ سکتے ہیں۔"

"کرن......" جمنا داس نے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں بھی جھولی پھیلا کر تم سے شما کی بھیک......"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" کرن نے تیزی سے کہا۔ "آپ بڑے ہیں انکل، آپ کو نہیں بلکہ شما کے لیے دامن تو مجھے پھیلانا چاہیے تھا۔"

"بیٹے...... کیا تم وملا کو دوبارہ سویکار کر لو گے؟" جمنا داس نے بڑی آس باندھ کر کرن کی طرف دیکھا۔ "میں جانتا ہوں کہ وملا زبان کی تیز ہے اس نے ضرور کچھ کہا ہوگا۔"

"کچھ نہیں انکل، وہ بہت کچھ کہہ کر گئی ہے۔" کرن چپ نہ رہ سکا۔ "وہ ماں اور کومل کے سامنے اس گھر پر تھوک کر گئی ہے، اس نے کومل کے اجلے دامن پر جو گندا اچھالنے کی بات کی وہ میں سارا جیون نہیں بھول سکتا۔ شاید میرے دکھ میں میری نردوش ماں بھی جیون کے آخری سانس......"

کرن اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا، اندر سے کومل کے چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے کی تیز آواز ابھری تو جمنا داس جی بھی بوکھلا گئے، رندھیر کو مالتی کی گود میں دے کر پلٹے تو ڈاکٹر سامنے آ گیا۔

"ڈاکٹر......"

"بھگوان کی یہی مرضی تھی جمنا داس جی۔"

ڈاکٹر سر جھکا کر چلا گیا تو جمنا داس نے دھڑکتے دل سے کمرے میں قدم رکھا جہاں کومل اور کرن دونوں ہی سادھنا کے مردہ شریر سے لپٹے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، سادھنا دیوی پر اوپر والے کو دیا آ گئی تھی، جس کے کارن ان کے چہرے پر اجلی سفید چادر ڈال دی گئی تھی۔ جمنا داس کچھ دیر خاموش کھڑے پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھتے رہے پھر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے گھر واپس لوٹ گئے، انہوں نے گھر جا کر وملا کو سادھنا جی کے دیہانت کی خبر سنائی تو زمین پر پاؤں مار کر بولی۔

''مائی فٹ...... اس بڑھیا کے بجائے اگر آپ نے مجھے کومل کا پاپ کٹنے کی خبر سنائی ہوتی تو میں سارے گھر کو دیسی گھی کے چراغوں سے جگمگا دیتی۔

جواب میں جمنا داس نے جھلا کر ایک زوردار تھپڑ وملا کے منہ پر مارا تو وہ چکرا کر رہ گئی، جمنا داس ہونٹ چباتے اپنے کمرے میں جا کر وملا کی ماں کی تصویر کے سامنے مجرم بن کر کھڑے ہو گئے، سر جھکائے آنسو بہاتے رہے، اب کیول یہی ان کے بس میں رہ گیا تھا!!

❁❁❁

سادھنا دیوی کی چتا کو آگ دکھانے کے بعد کرن کو جیسے چپ سی لگ گئی، اس کے دوست یار، پریوار کے ملنے جلنے والے سب ہی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن کرن کو ماں کے گزر جانے کے بعد بس ایک ہی دکھ بار بار ستا رہا تھا، جب وملا نے کومل کے اجلے دامن پر کیچڑ اچھالنے کی بات کی تھی، تو وہ چپ کیوں رہا؟ اس نے مار مار کر وملا کو لال کیوں نہیں کر دیا؛ وہ گردن اٹھا کر من کی بھڑاس نکال کر چلی گئی اور وہ کیول ایک خاموش تماشائی بنا کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا۔ ننھے رندھیر کا دھیان نہ ہوتا تو شاید گھر آ کر وہ خود کو گولی مار لیتا، مرتے مرتے کومل کو ایک پل کے لیے ہی سہی لیکن اپنے خون سے اس کی مانگ بھر کر دوبارہ سہاگن بنا تو دیکھ لیتا!!

❁❁❁

ماں کے مرنے کے بعد کرن نے وملا کے طلاق مانگنے پر اس کو طلاق دینے کے ساتھ دان دہیج میں ملنے والی ایک ایک چیز بھی لوٹا دی تھی، ایک اپنے شریر کے خون رندھیر کے علاوہ وملا کی کوئی نشانی اس نے اپنے گھر میں نہیں رکھی تھی، اس فیصلے کو جمنا داس جی کی حمایت بھی حاصل تھی، شاید اسی طرح وہ سادھنا دیوی سے شما بھی مانگ سکتے تھے جنہوں نے سارا جیون روگ ہی روگ میں کاٹ دیا تھا، گرتی ہوئی دیوار کو بھی آخری دھکا دینے والی بھی ان کی اپنی ہی پتری وملا کے سوا

کوئی اور نہیں تھا!!

❁❁❁

سادھنا دیوی کے مرنے کے چالیس روز بعد کرن نے ماں کی چتا کی پوتر راکھ کو پنڈت پجاریوں کو درمیان میں لائے بغیر اپنے ہاتھوں سے گنگا میں بہا دیا، پھر اس نے اچانک ہی باہر جانے کا فیصلہ کرلیا، وہ کومل کے ساتھ اب اتنے بڑے گھر میں تنہا کیسے رہ سکتا تھا؟ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو سب ہی کہتے کہ ''ماں کی ارتھی اٹھنے کی راہ تک رہا تھا۔'' شاید کومل خود بھی انکار کر دیتی، اسی خوف سے اس نے کہیں باہر جا کر جیون بتانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

کرن کا سامان گاڑی میں رکھا جاچکا تھا، اس نے گھر اپنے وکیل کے ذریعے خاموشی سے پہلے ہی کومل کے نام کرادیا تھا، گیٹ کے اندر مالی شامو کاکا، ان کی بیٹی مالتی، رسوئیا رام اوتار اور دوسرے نوکر چاکر سب ہی اداس کھڑے تھے، کرن رندھیر کو گود میں لیے کومل کی طرف بڑھا جو ایک طرف کھڑی نہ جانے کن وچاروں میں گم تھی، کرن نے قریب جا کر بڑی مدھم آواز میں کہا۔

''کومل...... میں جارہا ہوں۔''

اس کی آواز گلے میں پھنسنے لگی۔

کومل نے نظریں اٹھا کر کرن کی طرف دیکھا، اس کی پلکوں پر تھمے تھمے آنسوؤں کے قطرے بڑے سندر لگ رہے تھے، اس نے کرن کی بات کا جواب دینے کے بجائے ہاتھ بڑھا کر ننھے رندھیر کو گود میں لے لیا پھر اسے پیار کرتے ہوئے گھر کے اندر چلی گئی، کرن بھی اس کے پیچھے گیا، اس نے دل پر جبر کر کے کومل سے کہا۔

''جہاز جانے کا سمے قریب آرہا ہے۔''

''تو جاؤ۔''

وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ ''کس نے روکا ہے تمہیں؟''

''میں رندھیر کے بنا......'' کرن نے کچھ کہنا چاہتا تو کومل کا دل بھی دھڑکنے لگا۔

''اس کے بنا تو میں بھی نہیں رہ سکتی۔''

اس نے کرن کی آنکھوں میں دور تک جھانکا۔ ''اتنے بڑے گھر میں ایک اکیلی کس طرح جیون بتاؤں گی۔ کون میرے دکھ درد کا ساتھی بنے گا؟'' وہ رندھیر کے پھول جیسے گالوں کو چوم کر بولی۔ ''اب میں اپنے اس ننھے منے سپنوں کے شہزادے کے ساتھ ہی جیون بتاؤں گی۔''

''کومل......''

کرن نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''کیا رندھیر کے ساتھ اس گھر میں مجھے بھی تھوڑی جگہ مل سکتی ہے؟''

''تم اس گھر کے مالک ہو کرن اور اب......اب تو سارا ادھیکار بھی تمہارے پاس ہے۔''

کومل روانی میں دل کی بات کہہ گئی پھر رندھیر کو پیار کرتی ہوئی اندر چلی گئی۔

کرن کے کانوں میں کومل کا آخری جملہ جیسے رس گھول گیا......اس نے کچھ سوچ کر جیب سے جہاز کے دونوں ٹکٹ نکالے پھر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیا!

پاکستانی ویب ورلڈ ڈاٹ کام

گانٹھ

پرکھوں کی جنم جنم کی سیوا کا چمتکار تھا، جو ٹھاکر وشوا ناتھ اچانک دیوا پر مہربان ہو گیا۔ لکشمی اتنی جلدی مہربان ہو جائے گی، یہ دیوا نے کبھی سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اس دن وہ ٹھاکر کی لال حویلی کے باہر بنے بڑے گودام سے آنے والی فصل کے بیج لینے گیا تھا، تپتی دھوپ میں لائن میں کھڑا، شریر پر بہتے پسینے کو انگوچھے سے خشک کرنے میں مصروف تھا جب ٹھاکر کا جوان بیٹا سندر ناتھ اس کے سامنے آ گیا، دیوا گڑ بڑا گیا، اتنے قریب سے وہ آج سندر ناتھ کو پہلی بار دیکھ رہا تھا، اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ جوڑ کر ٹھاکر کو پرنام کیا، اس سمے وہ یہی کر سکتا تھا، چھوٹے موٹے ملازموں کو ٹھاکر کے قریب پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ٹھاکر کے لٹھ باز انہیں دور سے ہی دھتکار دیتے، لائن میں لگے دوسروں لوگوں نے بھی دیوا کی دیکھا دیکھی سندر ناتھ کو خوش کرنے کے لیے ہاتھ جوڑ لیے، سندر ناتھ نے اشارے سے جواب دیا، پھر دیوا کو ایک طرف لے جا کر پوچھا۔

''تم لائن میں کھڑے ہو کر اپنا سمے کیوں برباد کر رہے ہو؟''

''بیج لینے کارن کھڑا ہوں سرکار۔'' دیوا نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ ''زمین کی گوڈائی پوری ہو گئی، اب بوائی کا سمے ہے اس لیے۔''

''تم گھر جاؤ...... میں منشی سے بیج منگا کر لاجونتی کے ہاتھ بھیج دوں گا۔'' سندر ناتھ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''اور ہاں، آج لاجونتی کو دیر ہو جائے گی، گھر پر کچھ ضروری کام نکل آیا ہے۔''

جواب میں دیوا نے منڈیا ہلا کر ایک نظر سندر ناتھ پر ڈالی پھر تھکے تھکے قدم اٹھا کر گھر کی طرف چل دیا، راستے بھر اس کی نظروں میں سندر ناتھ کا چہرہ ڈوبتا ابھرتا رہا، وہ اٹھائیس، انتیس

سال کا گبرو نوجوان تھا، چوڑی چکلی چھاتی کا مالک، خالص دودھ دہی کھا کھا کر اس کے چہرے کی رنگت میں نکھار آ گیا تھا، بڑا سجیلا نوجوان تھا، گاؤں کی سب مٹیارنیں اسے چھپ چھپ کر دیکھنے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے کی عادی تھیں لیکن سندر ناتھ، دیوا کے اپنے خیال کے مطابق، اس کی لاجونتی کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

گاؤں کے دوسرے لوگوں کی طرح لاجونتی نے بھی ہاتھ پاؤں نکالنے کے بعد لال حویلی میں چاکری کے لیے جانا شروع کر دیا تھا، جب تک دیوا سے اس کا لگن نہیں ہوا تھا، وہ سورج ڈھلنے سے پہلے گھر واپس آ جاتی، لیکن لگن کے بعد اسے اکثر ضروری کام کے لیے حویلی میں دیر تک کے لیے روک لیا جاتا، شام زیادہ ڈھلنے لگتی، تو خود سندر ناتھ اسے اپنی چم چم کرتی گاڑی میں چھوڑنے آتا، ایسے موقعوں پر دیوا کی چھاتی پر سانپ لوٹنے لگتے، لیکن اس نے لاجونتی سے جسے وہ پیار سے لاجو کہتا تھا، کبھی دیر سویر کے سلسلے میں کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی۔

لاجو دیوا کی پسند کی تھی، اس پر پورا وشواس بھی تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کے وشواس میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہونے لگی، وہ اکثر سوچتا...... ''گاؤں میں لاجو کے علاوہ بھی اور بہت سے سندر ناریاں تھیں جو ہاتھ پاؤں اور جوانی کے اٹھان میں لاجو سے بھی بہتر تھیں، اور پھر چھپ چھپ کر للچاتی نظروں سے سندر ناتھ کو دیکھنے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے کی عادی تھیں...... پھر لاجو میں ہی کون سے سرخاب کے پر لگے تھے، جو چھوٹا ٹھاکر ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا؟

یہی ایک سوال تھا جو کئی بار دیوا کے ہونٹوں تک آتے آتے تھم جاتا...... لیکن اس رات جب لاجو ڈھیر سارے بیج اوڑھنی میں لپیٹے حویلی سے واپس لائی تو دیوا نے اسے بڑے دھیان سے دیکھا، لاجو بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اوڑھنی میں دبے ہوئے بیج ایک طرف احتیاط سے رکھے پھر مسکراتی ہوئی دیوا کے قریب آ کر بیٹھ گئی، اس کے تن سے بڑی بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''میں جانتی ہو دیوا......'' لاجو نے پتی کی آنکھوں میں چھپے انتظار کو بھانپ کر کہا۔ ''تو بڑی دیری سے میری راہ تک رہا ہوگا اس لیے...... اس لیے کہ آج...... آج شنی وار ہے۔''

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے لاجو کے گدرائے ہوئے گالوں میں ننھے ننھے گڑھے بھی نظر آنے لگے جو دیوا کو ہمیشہ بڑے سندر دکھائی پڑتے تھے۔

''کیا خاص کام پڑ گیا تھا حویلی میں؟'' دیوا نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''بڑے آدمیوں کے بڑے نخرے......'' لاجو منہ بنا کر بولی۔ ''ٹھاکر کی بڑی چھوری کا رشتہ کہیں طے ہو گیا ہے...... چار روز سے اسی کے شریر کو چمکانے کے کارن ابٹن سے رگڑائی ہو رہی ہے۔ آج میری اور مکھیا کی باری تھی۔''

''پھر تو ادھر بڑی حویلی میں بڑا دھوم دھڑکا ہو رہا ہوگا؟'' دیوا نے لاجو کو ٹٹولا۔ ''سب ہی اپنی اپنی مستی میں مگن ہوں گے؟''

''اور نہیں تو کیا......'' لاجو مسکرا کر بولی۔ ''جس کی بات پکی ہوئی ہے وہ تو ابٹن لگتے سے بے جل کی مچھلی کی طرح لمبی لمبی سانسیں بھر رہی تھی۔''

''تیرے من میں بھی لڈو پھوٹ رہے ہوں گے؟''

''میں کیا؟...... سب ہی موج میلہ منا رہے تھے۔''

''چھوٹے ٹھاکر نے بھی سب کے ساتھ تان ملانے کی کوشش ضرور کی ہوگی۔'' دیوا نے کہا ''وہ ان داتا جو ہیں۔''

''ایسی باتیں پوچھا نہیں کرتے مورکھ۔'' لاجو دیدے نچا کر بولی ''حویلی کے بھید حویلی سے باہر نہیں نکلتے۔ میں نے تجھے جو بتا دیا بس اسی پر گزارہ کر لے۔''

لاجو کا جواب سن کر دیوا کے من میں کانٹے کی سی چبھن جاگ اٹھی۔ منہ سے کچھ نہیں کہا، من ہی من میں جھلس کر رہ گیا۔

''بھوجن کیا تو نے......؟'' لاجو نے پوچھا۔

''پہلے تیرے بنا کبھی کیا ہے؟'' دیوا نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''میں تو حویلی سے حلوہ پوری اور بیسن کے سوندھے لڈو کھا کر آئی ہوں۔'' لاجو اٹھتے ہوئے بولی۔ ''تو جلدی سے ہاتھ منہ دھو لے، میں تیرے لئے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں پھر......!'' لاجو نے جملہ مکمل نہیں کیا، دیوا نے اس کا مطلب بھانپ لیا تھا، بے رخی سے بولا۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے...... آج بھوجن کی بھی چھٹی کر......'' دیوا یہ کہہ کر دوسری کروٹ لیٹ گیا۔ لاجو کا جوان قرب دیوا کے چین کو آگ لگاتا رہا۔ اس کی دونوں کلائیوں میں پڑی سرخ چوڑیوں کی کھنکھناہٹ اس کے من کو گدگدا رہی، لیکن وہ آنکھ بند کیے لیٹا رہا۔

شک کا وہ پہلا بیج تھا، جس نے دیوا کے دماغ میں اپنی جگہ بنائی، اور پھر گانٹھ کی شکل اختیار کر

لی تھی۔

یہ پرکھوں کی جنم جنم کی سیوا کا چمتکار ہی تھا، جو بڑے ٹھاکر نے دیوا کی شادی سے پہلے اسے زمین کا مربع دان کر دیا تھا، اس نے بڑے ٹھاکر کی دیا پر اس کے چرنوں کو ہاتھ لگا کر شکریہ بھی ادا کیا، پھر زمین کے اس ٹکڑے میں جت گیا جو ایک مدت سے خالی پڑا تھا، اس کے دن رات کی محنت رائیگاں نہیں گئی، سال بھر کی محنت اور خون پسینا بہانے کے بعد فصل کھڑی ہوئی تو اسے کئے کا پھل بھی ملا۔ وہ دن رات بڑے ٹھاکر کے گن گانے لگا، چھوٹا ٹھاکر بھی اس پر مہربان تھا، اکثر زمین پر چکر بھی لگایا کرتا جہاں دیوا اپنے آنے والے کل کے سندر سپنے دیکھنے میں مگن رہتا۔

دو کچے پکے کمروں کا چھوٹا سا مکان اتنا کافی نہیں تھا جہاں سال بھر کی محنت کو بوریوں کی شکل میں سنبھال کر رکھا جاتا، گوڈائی کا دیگر سامان بھی کھلے آکاش کے نیچے پڑا رہتا۔ دیوا نے اپنی زمین کے ساتھ ہی کچی پکی اینٹوں سے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی بنالی جس کے چھت کے لیے چھوٹے ٹھاکر نے اپنے ملازموں کی پرانی چھتوں سے اترنے والی ٹین کی زنگ آلود شیٹیں دان کر دی تھیں، دیوا نے ان چادروں کو ڈال کر اس پر ترپال ڈالی، چاروں طرف پتھروں کے وزن رکھ کر بارش سے محفوظ کر لیا۔ کوٹھری میں ایک طرف گھاس پھوس ڈال کر اتنی جگہ بنالی جہاں دن کو کام کاج سے تھک کر وہ دو گھڑی ٹانگیں سیدھی کر لیا کرتا۔ فصل کو پرندوں اور جانوروں سے بچانے کی خاطر ٹین ہی کا دروازہ بنالیا، جسے بند کرنے کے لیے کباڑی سے خرید کر کنڈی لگا دی، گاؤں میں چوری چکاری کا ڈر نہیں تھا، اس لیے تالے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس کے گھر سے زمین کا فاصلہ لگ بھگ پچاس قدم رہا ہوگا، اس کچے راستے کے دونوں طرف اس کے بڑوں کے لگائے اونچے درخت بھی نظر آتے، ان ہرے بھرے درختوں سے دیوا کے بچپن کی ڈھیر ساری خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔

ماتا پتا کے مرنے کے بعد دیوا بالکل تنہا رہ گیا تھا، دن بھر وہ ٹھاکر کی حویلی میں باہر کے کاموں میں مصروف رہتا۔ رات ہوتی تو وہ ویران گھر کے ایک کمرے میں تھکا ہارا سو رہتا۔ لاجو اسے ہمیشہ سے اچھی لگتی تھی، ایک بار دبی زبان میں اس نے سورگ باشی ماں سے بھی اپنی من کی بات چھیڑی، ماں نے تجربے کی مسکان ہونٹوں پر بکھیر کر کہا تھا۔

''ایک تو ہی کیا...... گاؤں کے سارے چھورے لاجونتی کے نام کی مالا جپتے ہیں، سوتے جاگتے اسی کے سپنے دیکھتے ہیں لیکن......''

''تو میری بات ڈال کر تو دیکھ'' دیوا نے بڑے چاؤ سے کہا ''ہوسکتا ہے لاجو کی لاٹری

میرے نام نکل آئے۔"

"مشکل ہے......" ماں نے دیوا کو ممتا بھری نظروں سے دیکھا اور بولی۔ "اول تو تیری اور لاجو کی عمر میں آٹھ سال کی اونچ نیچ ہے، وہ گاؤں کے بڑے پنساری کی ایک ہی چھوری ہے، اس لیے لاڈلی بھی زیادہ ہے، کھانا پینا اور دن بھر سکھیوں کے ساتھ کھیتوں میں ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتے رہنا، میں جانتی ہوں، نرائن اول تو اس رشتے کی بات نہیں کرے گا، جب وچار کرے گا بھی تو اپنے برابر والوں میں لگن کی سوچے گا؟" ماں کے لہجے میں اداسی گھلنے لگی۔ "آج ٹھاکر ہمارے لیے حویلی کے دروازے بند کر لے تو دو وقت کی روکھی سوکھی کی آس بھی جاتی رہے گی۔"

"چل چھوڑ......" دیوا نے ماں کو دکھی دیکھ کر بڑے حوصلے سے کہا۔ "گاؤں میں لڑکیوں کا کال تو نہیں پڑا پھر ہم کیوں لاجونتی کے لیے بیٹھے گھلتے رہیں۔"

"تجھے پارو کیسی لگتی ہے؟" ماں نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔ "اپنے برابر والوں میں سے ہے۔اس کی ماں میری بات سے منہ بھی نہیں موڑے گی۔ تیرے جوڑ کی بھی ہے۔"

"جوڑیاں تو آکاش میں بنتی ہیں ماں" دیوا نے بات بنائی "جب سمے آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ جو پرمیشور کو منظور ہو۔"

پھر...... سمے اتنی جلدی آگے نکل گیا کہ دیوا دیکھتا ہی رہ گیا۔ ماں کی اچانک موت کے دکھ نے اسے دو سال اور بڑا کر دیا۔ اس نے لاجو کو اپنے من میں بسا لیا اور سپنے دیکھنے چھوڑ دیئے۔ سمے کا پنچھی اپنی اڑان اڑتا رہا، پھر ایک دن جب دیوا سورج ڈھلے تھکا ہارا گھر واپس آرہا تھا، پارو اس کے راستے میں آگئی، ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

"ایک بات کہوں...... برا تو نہیں منائے گا؟"

"بات کیا ہے؟" دیوا نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

"لاجو کا دھیان اپنے من سے نکال دے۔ ڈال ڈال، پات پات چکرانے والی سندر تتلیاں کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھتیں، تو کب تک دھونی رمائے اس کی راہ تکتا رہے گا؟"

"میں کسی کے غم میں نہیں گھل رہا۔" دیوا منہ بنا کر جواب دیا۔ "تو اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھ۔"

"تیری مرضی۔" پارو نے جھلا کر کہا "تو نے اگر ڈالی سے ٹوٹے آم کی طرح دھوپ میں گھل گھل کر پلپلا ہونے کی ٹھان رکھی ہے تو تو جان اور تیرا کام...... لاجو جیسی ہوائی دیدہ چھمک چھلو

کبھی بھول کر بھی تجھے گھاس نہیں ڈالے گی۔ ایک بات اور گانٹھ سے باندھ لے، لاجو بہت دنوں سے چھوٹے ٹھاکر کو چھب دکھلا رہی ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے دونوں کو گھل مل کر ہنستے بولتے دیکھا ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" دیوا نے تلملا کر بولا۔ "اگر وہ چھوٹے ٹھاکر پر لٹو ہو رہی ہے تو تیرے پیٹ میں مروڑ کیوں ہو رہی ہے؟

دیوا کی کھری کھری سن کر پارو کو دکھ ہوا، وہ چوٹ کھائی ناگن کی طرح بل کھاتی اپنے رستے ہو لی۔

دیوا پارو کی زبانی لاجو اور سندر ناتھ کے درمیان ٹھٹول بازی والی بات سن کر اندر ہی اندر سلگ اٹھا، اسے لاجو پر کوئی ادھیکار نہیں تھا پھر بھی وہ اس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سکتا تھا، شاید ابھی تک لاجو کو پالینے کی آس نے اسے جینے کا سہارا دے رکھا تھا، بڑی دیر تک وہ ایک پگڈنڈی پر بیٹھا آکاش کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر اندھیرا گہرا ہونے لگا تو ایک سرد آہ بھر کر اٹھا اور گھر کی طرف چل پڑا۔

دوسری صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی، جلدی جلدی اس نے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے پھر حویلی کی طرف ناشتا پانی کیے بغیر ہی روانہ ہو گیا، اس کے ذہن میں اسے سے بھی پارو کی باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں، تیز تیز قدم مارتا حویلی پہنچا تو چھوٹے ٹھاکر کو سامنے دیکھ کر زمین اس کے پیروں تلے سے نکل گئی، سندر ناتھ کام کاج کے معاملے میں کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا تھا، چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر کھڑے گھاٹ نکال دیا کرتا، دیوا اس کی نظروں میں آ گیا تھا اس لیے وہ خود ہی سندر ناتھ کو "پرنام" کرنے کے بعد سہم کر رک گیا۔

"کیا بات ہے...... آج تجھے دیر کیسے ہو گئی؟" سندر ناتھ نے تیز نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک گھورا۔

"رات طبیعت ٹھیک نہیں تھی مالک، اس لیے [illegible] دیر سے کھلی۔" دیوا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"شما کر دیں...... آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"تمہاری شکل سے لگ رہا ہے کہ تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔"

"ناشتہ بنانے بیٹھتا تو اور دیر ہو جاتی مالک......" دیوا نے معصومیت سے جواب دیا۔

"سمجھ گیا۔" سندر ناتھ کچھ نرم پڑ گیا۔ "میں بھول گیا تھا کہ پتا کے بعد تمہاری ماتا کا بھی

دیہانت ہو چکا ہے۔"

"دیوا چھوٹے ٹھاکر کی اس ہمدردی کے بعد بھی مجرم بنا کھڑا رہا۔

"تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" چھوٹے ٹھاکر نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

سوال اس قدر اچانک تھا کہ دیوا گڑبڑا گیا، ابھی وہ جواب کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ سندر ناتھ نے اسے ایک نئے امتحان سے دوچار کر دیا۔

"لاجونتی تجھے کیسی لگتی ہے؟"

"جی...... وہ تو سب ہی کو بھلی لگتی ہے، لیکن لالہ جگت نرائن اور میرے درمیان دھرتی اور آکاش کا فاصلہ ہے۔ شاید وہ مجھے......"

"تم اس کی چنتا نہ کرو، جگت نرائن میرے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔" سندر ناتھ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ دس دن کے اندر اندر میں تمہاری اور لاجونتی کی بات پکی کرادوں گا۔"

دیوا کو ایسا لگا جیسے وہ جاگتے میں کوئی سندر سپنا دیکھ رہا ہو لیکن دس روز بعد لاجونتی سرخ جوڑ میں سج دھج کر دمکتی چمکتی اور مہکتی لگن منڈپ کے بیچ سلگتی اگنی کے سات پھیرے لگانے کے بعد اس کے سونے گھر کو آباد کرنے آ گئی تو دیوا کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، وہ خوش تھا کہ پرمیشور نے اس کی جنم جنم کی آشا پوری کر دی۔

سہاگ رات گزری تو دیوا کو اس بات کا وشواس بھی ہو گیا کہ لاجو گنگا جل کی طرح پوتر اور پاک ہے، اس کے بارے میں جو باتیں سنی تھیں وہ سب جھوٹی تھیں، لاجو ٹکسال سے جاری ہوئے نئے سکے کی طرح کھری تھی، جس پر پہلی چھاپ بھی دیوا نے اپنے نام کی لگائی تھی، اس رات چھوٹے ٹھاکر کی طرف سے اس کا دل کا میل بھی صاف ہو گیا۔

پنساری نرائن لاجونتی اور دیوا کی شادی پر خوش نہیں تھا، لاجونتی اس کے لیے ایسے چیک تھی جسے وہ سندر ناتھ کے ہاتھوں کیش کرانے کے سپنے دیکھ رہا تھا لیکن جب خود چھوٹے ٹھاکر نے اس کی بات دیوا سے طے کر دی تو وہ انکار کی ہمت نہیں کر سکا۔

دیوا اور لاجونتی اپنی اپنی کھال میں مست تھے جب ایک روز جگن نے ان کی خوشیوں بھری لہلہاتی زندگی میں شک وشبے کا بیج بویا، دوسروں کی طرح جگن کمار بھی لاجونتی کی بھرپور جوانی پر کمند ڈالنے کی خاطر گھات لگائے بیٹھا تھا، چھوٹے ٹھاکر کے فیصلے کے آگے اس کی دال بھی نہیں گلی تو اس کے سینے پر سانپ لوٹ گیا، ایک ہی گاؤں میں رہتے ہوئے بھی اس کی دیوا سے بس واجبی

بول چال تھی، دونوں کی حیثیتوں میں دھرتی اور آکاش کا فاصلہ تھا، دیوا نے چھوٹے ٹھاکر کے بل پر یہ فاصلہ ایک جست میں پھلانگ لیا تو جگن کمار اس کی خوشی کو ہضم نہ کر سکا، بیری بن گیا، پھر وہ موقع بھی اس کے ساتھ آ گیا جس کی تلاش میں وہ اپنی راتوں کی نینداور دن کا چین حرام کر رہا تھا۔

گاؤں کی ساری لڑکیاں باری باری بڑی حویلی میں کام کرنے جاتی تھیں، شادی کے بعد بھی لاجونتی نے حویلی جانا نہیں چھوڑا تھا، دیوا نے اس پر بندش نہیں لگائی، لگاتا بھی کیسے چھوٹے ٹھاکر نے اس پر احسان کیا تھا، اس کے جیون کے سپنے اس کو پردان کر دیے تھے، لاجونتی کو اس کے جیون کی شوبھا بنایا تھا، پھر ٹھاکر نے زمین دان کر کے دیوا کا مان بھی بڑھا دیا تھا پھر...... وہ چھوٹے بڑے ٹھاکر، بڑی حویلی اور لاجونتی کے بیچ دیوار کیسے کھڑی کر سکتا تھا۔ دیوا جانتا تھا کہ چھوٹے ٹھاکر نے لاجونتی کو بہت ڈھیل دے رکھی ہے' کارن کیا تھا؟ یہ جاننے کی دیوا نے کبھی کوشش بھی نہیں کی۔ کیول اتنا سمجھتا تھا کہ اگر چھوٹے ٹھاکر کے من میں پاپ ہوتا تو لاجونتی کو دیوا کی جھولی میں ڈالنے سے پہلے ہی اپنی من مانی بھی کر چکا ہوتا۔

اس روز بھی بڑی حویلی میں کچھ کام تھا، لاجو کے علاوہ گاؤں کی بہت سی بیاہی اور ان بیاہی لڑکیاں بھی حویلی میں کام کرنے آتی تھیں، سورج ڈھلنے کے بعد بھی لاجو کی واپسی نہیں ہوئی تو دیوا گھر سے باہر آ کر نیم کے اس جھاڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا جہاں سے لاجو کو دور سے آتا دیکھ سکتا تھا، وہ اپنے خیالوں میں مگن تھا، جب جگن کمار سامنے سے آ گیا، دیوا کو گھر سے باہر بیٹھا دیکھ کر رک گیا اس کے برابر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوا بولا۔

''کیا بات ہے دیوا، اس سمے تو گھر سے باہر کیسے نظر آ رہا ہے؟''

''لاجو کی راہ تک رہا ہوں۔'' دیوا نے بھولپن سے جواب دیا۔ ''بڑی حویلی میں کچھ کام تھا۔''

''لاجو کام کرنے گئی ہے اور تو مجنوں کی طرح ادھر جھاڑ سے ٹیک لگائے اپنی لیلیٰ کی راہ تک رہا ہے، جا، اندر جا کر سو جا۔'' جگن کمار نے بڑی اپنائیت سے ان کے کان میں زہر کا پہلا قطرہ ٹپکایا...... ''بڑی حویلی میں جب اندر کی سبھا سجتی ہے تو ساری اپسرائیں راجا اندر کے اشارے پر ناچتی ہیں، اس کے اشارے کے بغیر کوئی اپنی پائل کی جھنکار کو روک نہیں سکتا، راجا اندر کا دل بھر جائے تو اور بات ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''بھولے ناتھ......اتنا تو بھی جانتا ہے کہ لاجو گاؤں کی سب سے سندر چھوری ہے۔'' جگن کمار نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ''تیرا من بھی ضرور گواہی دے گا کہ چھوٹے ٹھاکر بیچ میں نہ آتے تو سارا جیون تو لاجو کے سپنے ہی دیکھتا رہتا۔''

''تو سچ کہہ رہا ہے جگن، چھوٹے مالک نے لاجو اور میرا لگن کرا کے جو ابکار کیا ہے اسے میں سارا جیون نہیں بھلا سکتا۔ بڑے دیالو ہیں چھوٹے مالک......'' دیوا کے لب و لہجے میں احسان مندی کا رنگ جھلک رہا تھا۔

''یہ کیوں بھول رہا ہے بھولے ناتھ کہ لاجو کے علاوہ حویلی کے مالکوں نے تجھے زمین بھی دی ہے، تاکہ تو اپنی گوڈائی میں جتا رہے اور چھوٹے ٹھاکر کا اپنا نشہ پانی بھی چھپر میں چلتا رہے۔''

''یہ تو کیا بک رہا ہے؟'' دیوا کو نشے پانی والی بات بری لگی تو اس نے جگن کو تیز نظروں سے گھورا ''میں نے تو چھوٹے مالک کو کبھی نشے میں نہیں دیکھا۔''

''تو غلط سمجھ رہا ہے بھولے ناتھ، میں دارو کے نہیں، جوانی کے نشے کی بات کر رہا ہوں جو سب سے قاتل ہوتا ہے۔'' جگن نے راز داری سے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''ایک بار کسی کو اس کی لت پڑ جائے تو رام رام ست ہونے تک پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کیا تو نے کبھی دھیان نہیں دیا کہ بڑی حویلی میں کیسے مدھ بھرے جام اپنے چھوٹے ٹھاکر کے چاروں اور مستی سے چھلکتے پھرتے ہیں۔''

''بکواس مت کر۔'' دیوا چمک کر بولا۔ ''اپنے چھوٹے مالک پاپی نہیں ہیں، اگر ہوتے تو اب تک یہ بات پورے گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہو چکی ہوتی۔ تو بلا فضول ان پر بہتان لگا رہا ہے۔''

''جو سیانے ہوتے ہیں وہ پہلے پُن کرتے ہیں، پھر ان کے پاپ کا بھانڈا نہیں پھوٹتا۔'' جگن نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ ''کوری ہانڈی میں ایک بار گھوٹا لگ جائے تو پھر اسے بار بار استعمال کرنے میں بھی کوئی کھٹکا نہیں رہتا...... چھوٹے ٹھاکر نے کچھ سوچ کر ہی لاجونتی کو تیرے پلے باندھا ہوگا۔''

''یہ آج تو کیسی الٹی سیدھی بات کرر ہا ہے......'' دیوا نے منہ پھاڑ کر حیرت سے جگن کو گھورا۔

''بات ذرا باریک ہے۔ تیری موٹی عقل میں اتنی جلدی نہیں سمائے گی۔'' جگن بائیں آنکھ جھپکا کر بولا۔ ''بس اتنا سمجھ لے کہ سود کا کاروبار کرنے والا اصل سے زیادہ سود وصول کرنے کے چکر میں رہتا ہے، اس طرح کھاتا بھی کھلا رہتا ہے اور قرض لینے والا نظریں بھی اونچی نہیں کر سکتا۔''

''کھل کر بات کر۔'' دیوا نے جھنجھلا کر کہا۔'' تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''

''پشپا اور چمپا کی کہانی اتنی جلدی بھول گیا مورکھ۔'' جگن کمار جو ہاتھ پیر کا بھی مضبوط تھا، تڑخ کر بولا۔'' لاجو کی طرح کبھی ان دونوں کی جوانی بھی لشکارے مارتی تھی، وہ بھی تیرے چھوٹے ٹھاکر کو رام کا اوتار سمجھ کر اس کی پوجا کرتی تھیں پھر جب ان کا سواستیاناس ہوگیا، تو چھوٹے ٹھاکر نے اپنا پاپ چھپانے کے کارن ان دونوں کو شیکھر اور پھمن کو بھیڑ بنا دیا جو پہلے ہی سے بدنام تھے، لکشمیاں ہاتھ آئیں تو ان دونوں نے انہیں اونے پونے، لچے لفنگوں کے ہاتھ بھاڑے چڑھانا شروع کر دیا پھر...... تو بھی جانتا ہے کہ ان دونوں نے آگے پیچھے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر آتم ہتیا کر لی، گاؤں میں کسی مائی کے لال میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ بڑی حویلی میں رہنے والوں کی طرف نظریں اٹھا کر اپنے منہ سے ایک شبد بھی نکال سکتا۔''

دیوا اپنی جگہ کسمسا کر رہ گیا، پشپا اور چمپا کی کہانی اس نے بھی سن رکھی تھی، لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے، ہر کوئی ایک الگ کہانی سنا رہا تھا، پنچوں نے سر جوڑ کر دونوں مرنے والیوں کے جنم پر کالک تھوپ کر ان کا قصہ لپیٹ دیا، سندر ناتھ یا بڑی حویلی کا نام بھی نہیں بیچ میں نہیں آیا، دیوا نے پنچوں کا نام لینے کی کوشش کی تو جگن پانی پڑے چونے کی طرح ابل پڑا، تلملا کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''گاؤں کے سارے جوانوں کی نظریں لاجونتی پر لگی تھیں، سب کے من میں لڈو پھوٹ رہے تھے، ایک سے ایک گبرو جوان اس کی مانگ میں سندور بھرنے کے سپنے دیکھ رہا تھا، تیرے مقابلے میں سب دھن دولت والے تھے، پھر لاجو کی لاٹری تیرے نام کیسے نکل آئی؟ تو عمر میں بھی اس سے آٹھ سال بڑا ہے، اگر بڑا ٹھاکر زمین کا ٹکرا دان نہ کرتا تو لاجو کو ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھلا سکتا تھا اور...... میری طرف سے تو بھاڑ میں جا!''

جگن دیوا کو پوری طرح اکساتا ہوا بولا۔'' جو شادی سے پہلے سورج ڈھلنے سے پہلے گھر آجاتی تھی...... اب چراغ جلنے کے بعد سندر ناتھ کے ساتھ اس کی گاڑی میں اس کا پہلو گرماتی آتی ہے اور تو...... تو انہیں دیوی اور دیوتا جان کر ڈنڈوت کر رہا ہے...... تھو ہے تیری مردانگی پر!''

جگن کمار پوری طرح دیوا کے کان بھر کر، غصے میں بل کھاتا چلا گیا تو دیوا اپنے جھونپڑے نما مکان میں جا کر کھاٹ پر لیٹ کر اس کی باتوں پر غور کرنے لگا، پھر جب لاجونتی واپس آئی، اور اس نے بتایا کہ چھوٹا ٹھاکر اسے اپنی چم چم کرتی گاڑی میں چھوڑ کر گیا ہے تو دیوا کے من میں اتھل پتھل

شروع ہوگئی، اس کے کانوں میں پارو کی کہی ہوئی بات گونجی...... "لاجو کا دھیان اپنے من سے نکال دے، ڈال ڈال، پات پات چکرانے والی سندر تتلیاں کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھتیں۔" پارو کے بعد دیوا کے کانوں میں جگن کمار کے، سودی رقم، اصل اور بیاج وصول کرنے والے جملے سنگ ریزوں کی طرح چبھنے لگے۔

اس رات لاجو بڑی حویلی سے حلوہ پوری کھا کر آئی تھی، دیوا بغیر کھانا کھائے منہ پھیر کر دوسری کروٹ لیٹ گیا، اس نے سوچا تھا کہ اگر لاجو کے من میں پیار کی سچی جوت روشن ہے تو دیوا کو منانے کی کوشش ضرور کرے گی لیکن اسی انتظار میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ لاجو نے اسے ایک دوبار مدھم سروں میں آواز ضرور دی لیکن پیار سے منانے کی ضرورت نہیں محسوس کی، شاید اس لیے کہ وہ پہلے ہی تھکن سے چُور تھی، جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

دوسری صبح دیوا کی آنکھ کھلی تو سورج کی کرنیں مکان کی منڈیر تک چڑھ آئی تھیں، لاجو ابھی تک پاؤں پسارے بکھری پڑی تھی، دیوا نے سنا تھا کہ خوشیوں کے موقعوں پر بیسن کے جولڈو تیار ہوتے ہیں، ان میں بھنگ بھی گھوٹ کر ملائی جاتی ہے، شاید اسی کے نشے نے لاجو کو ابھی تک مدہوش کررکھا تھا۔

دیوا ایک لمحے کھڑا لاجو کو عجیب نظروں سے تکتا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، آج اسے زمین کو ہلکا سا چھینٹا بھی لگانا تھا، قدم مارتا ہوا زمین کے ساتھ ہی کوٹھری کی طرف گیا جہاں سے اسے پانی دینے کے کارن کچھ سامان اٹھانا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر کنڈی کھولی لیکن پھر دروازے پر ہی ٹھٹک کر رہ گیا، کوٹھری کھلتے ہی گلاب جیسے عطر کی بھینی بھینی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی، تو اس کا ماتھا ٹھنکا، اندر گھاس پھوس کا ٹکڑا بھی اس طرح ادھر ادھر انظر آیا جیسے وہاں کسی نے لوٹ لگائی ہو، پھر اس کی نظر کانچ کی سنہری چوڑی کے ٹکڑوں پر پڑی جو زمین پر پڑے، ایک نئی کہانی سنا رہے تھے، دیوا کی پیشانی پر شکنیں ابھرنے لگیں، وہ اتنا نادان نہیں تھا کہ ٹوٹی ہوئی چوڑی اور بکھری ہوئی گھاس کا مطلب نہ سمجھ پاتا، اس کا من گواہی دے رہا تھا کہ رات کو کسی نے اس کی کوٹھری کو اپنی ضرورت کی خاطر استعمال کیا ہے، کون تھے وہ؟ یہ سوال دیوا کے ذہن میں چکرا رہا تھا، سوچ کی ایک نئی لہر خوف کی صورت اختیار کر کے اس کے تن بدن میں پھیل گئی۔

"اگر لاجو اچانک ادھر آگئی، اس نے چوڑی کے ٹوٹے ٹکڑوں کو دیکھ لیا تو وہ کیا وچار کرے گی؟ ہوسکتا ہے کہ اس کے من میں پارو کا دھیان جاگ اٹھے، اگر ایسا ہوا تو میں بلاقصور مارا جاؤں

گا، عورت ذات سب کچھ برداشت کر سکتی ہے پر اپنے مرد کا کسی دوسری استری کے ساتھ نتھی ہونا کبھی گوارا نہیں کرتی۔''

دیوا کی کھوپڑی میں بھونچال سر اٹھانے لگا۔ پارو اور اس کی بات کی بھنک لاجو کو پہلے سے تھی، بعد میں پارو نے بھی لاجو کو جلانے کی خاطر الٹی سیدھی باتیں پھیلائی تھیں، دیوا نے بڑی مشکلوں سے اس شک کو بار بار سوگند اٹھا کر دور کیا تھا، لیکن چوڑی کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پھر سے بھوبل میں بدلی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے سکتے تھے، وہ نردوش ہونے کے باوجود اپرادھی سمجھا جاتا، دیوا نے ایک پل میں بہت کچھ سوچا پھر اس نے چوڑی کے ٹکڑوں کو اٹھا کر دھوتی کی گانٹھ میں اڑس لیا، جلدی جلدی گھاس پھوس کو ٹھیک کرنے لگا، اس کام کو پورا کر کے وہ کمر سیدھی کر کے کھڑا ہوا تو گلاب کی بھینی بھینی مہک اسے کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈسنے لگی، کچھ سوچ کر وہ کندھے پر پڑا انگوچھا ہاتھ میں تھام کر کوٹھری میں لہرانے لگا، اسی طرح وہ اس مہک سے چھٹکارا پانے کی کوشش میں جت گیا جو اس کے جیون میں زہر گھول سکتی تھی، کچھ دیر بعد وہ سکھ کا سانس لے رہا تھا جب سامنے سے لاجو کو آتا دیکھ کر جلدی سے سامان اٹھا کر باہر نکلا، کوٹھری کی کنڈی مار کر وہ زمین کی طرف لپکا تو لاجو قدم مارتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''تو نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟''

''ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا۔''

''ناشتہ کئے بغیر تجھے کون سا ضروری کام یاد آ گیا تھا؟'' لاجو نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''آج کھیت کو پانی لگانا تھا۔'' دیوا نے خود کو سنبھال کر روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''اب تیرے لیے کھیت کو پانی لگانا لاجو سے زیادہ پیارا ہو گیا ہے؟''

''فصل اچھی نہیں ہوگی تو پیٹ کی آگ کیسے بجھے گی۔'' دیوا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا، وہ لاجو سے نظریں نہ ملا کر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

''میری طرف دیکھ کر بات کر......'' لاجو ابل پڑی۔ ''یہ بتا کہ کل سانجھ ڈھلے ادھر کون آیا تھا؟''

دیوا کا دل دھک سے رہ گیا، گلاب جیسی خوشبو اور ٹوٹی چوڑی کے ٹکڑوں کا خیال اس کی کھوپڑی میں کنکھجوروں کی طرح چمٹ گیا، اس نے سوچا...... ہو سکتا ہے رات کو کسی سمے لاجو کسی

کام سے کوٹھری کی طرف آئی ہو اور اس نے بھی وہ سب کچھ دیکھ اور سونگھ لیا ہو جسے دیوا چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''سانپ کیوں سونگھ گیا تجھے!'' لاجو چمک کر بولی۔

''میں نے بیڑی کا وہ ٹوٹا دیکھ لیا ہے، جو نیم کے تنے تلے پڑا تھا، سچ بتا، کیا وہ حرام کا جنا، جگن تیرے پاس آیا تھا؟''

''اوہ......'' دیوا نے سکھ کا سانس لے کر مدھم آواز میں جگن کے آنے والی بات مان لی۔

''ہاں...... میں نیم کے ساتھ لگا بیٹھا تیری راہ تک رہا تھا...... وہ ادھر سے گزر رہا تھا، دو گھڑی بات کرنے بیٹھ گیا۔''

''اور راون کی طرح ہماری لنکا ڈھا کر چلا گیا۔'' لاجو کسی جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑی۔

''سارے پرش ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہوتے ہیں، اپنا گند نظر نہیں آتا، دوسرے کے تن میں کیڑے ٹٹولتے ہیں، کل تک وہ کتے کا پلا میرے پیچھے دم ہلاتا پھرتا تھا، اس کے ہتھے نہیں چڑھی تو اب تیرے میرے خلاف زہر گھولنے آ گیا اور تو......''

لاجو کی قینچی جیسی زبان ایک دم تالو سے لگ گئی۔ اس نے دیوا کو شکایت بھری نظروں سے گھورا، تیزی سے پلٹی اور کولھے مٹکاتی واپس لوٹ گئی، دیوا دیکھتا ہی رہ گیا۔

چار روز تک ان کے بیچ رسا کشی جاری رہی، دونوں نے ایک دوسرے کے سامنے نہ جھکنے کی سوگند اٹھا رکھی تھی۔ پہلے دیوا نے گھر میں ٹکنا کم کیا، رات کو وہ دیر سے آنے لگا، لاجو ایک دو دن تک اس کے تیور دیکھتی رہی پھر اس نے بھی بڑی حویلی میں دیر تک رکنا شروع کر دیا۔

اگلے شنی وار کی رات کو لاجو کچھ سوچ کر جلدی آ گئی۔ اسے وشواس تھا کہ دیوا اسے ضرور منا لے گا، چراغ جلانے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک دیوار تکتی رہی پھر گھر سے نکل کر زمین کی طرف چلی گئی، اس کا خیال تھا، کہ شاید دیوا کوٹھری میں پڑا اس کی یاد میں ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہو گا' وہ دبے قدموں کوٹھری کے قریب گئی۔ کنڈی کھلی دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکان ابھر آئی۔ جانے کیوں اس کا من دھک دھک کرنے لگا، وہ چھوٹے چھوٹے پگ دھرتی بند کواڑ تک گئی، ایک جھماکے سے اس نے ٹین کا دروازہ کھولا لیکن پھر جیسے لاجو کے شریر میں کسی نے چنگاریاں بھر دی ہوں' گلاب کی بھینی بھینی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو زخمی شیرنی کی طرح جھپٹ کر اندر داخل ہوئی، لیکن دیوا وہاں نہیں تھا۔

''شاید اس نے مجھے آتا دیکھ لیا، تبھی تو کائروں کی طرح اپنی ہوتی سوتی کی کلائی پکڑی اور دم دبا کر بھاگ گیا۔''

لاجو کے تن بدن میں جیسے چیونٹیاں لپٹ گئیں۔ اس کی چھاتی میں آگ بھڑک اٹھی، سارا تن غصے میں کانپنے لگا۔ ایک پل کو اس نے سوچا کہ وہ تیزی سے جھپٹ کر باہر نکلے، کھیت میں ادھر ادھر چکر لگا کر دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر ان کی نظروں میں بھی ننگا کر دے، دونوں کہیں قریب ہی کسی گھنی جھاڑی یا اونچی نیچی پگڈنڈی کے بیچ چوروں کی طرح دبکے پڑے ہوں گے، گلاب کے پھولوں جیسی تیز خوشبو گویا جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی، اس کی سانسیں دھونکنی کی طرح تیز تیز چلنے لگیں، اس کے اندر ایک جنگ جاری تھی، پچھلے دنوں کی باتیں ایک ایک کر کے ابھرتی رہیں، اس کو وشواس ہوتا جا رہا تھا کہ دیوا کے منہ کو خون لگ گیا ہے، جبھی تو کسی دوسرے شکار کے پیچھے لگ گیا تھا۔

بڑی دیر تک وہ اپنی ہی آگ میں خاموش کھڑی جھلستی رہی پھر دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کا دھیان من سے جھٹک کر واپس گھر کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگی...... وہ رات اس نے کانٹوں کی سیج پر بتا دی، اس کے گھر پہنچنے کے کچھ دیر بعد دیوا بھی آ گیا، لاجو نے اس سے کوئی سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، سوتی بنی رہی، اس نے اپنے من میں کچھ اور ٹھان لی تھی، شادی کے بعد وہ شنی وار کی دوسری رات تھی، جو بنا کسی دھینگا مشتی اور چھیڑ چھاڑ کے سونی سونی بیت گئی، دیوا لاجو کے قریب آنے کے بجائے آنگن میں بچھے ٹوٹے تخت پر لمبی تان کر سو گیا۔

دو دن اسی کھینچا تانی میں گزر گئے، دیوا اور لاجو میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو منانے کی کوشش نہیں کی، جو گانٹھ ان کے ذہنوں میں پڑ چکی تھی اور الجھتی گئی۔

اگلے شنی وار تک سرد جنگ کا سلسلہ جاری رہا، دیوا نے کئی بار رات گئے دبے قدموں کوٹھری کی طرف جا کر خوشبو اور چوڑیوں والے اپرادھیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا، شاید ان کو بھی خطرے کی بھنک مل گئی تھی۔

اس روز دیوا سورج ڈھلنے سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا، لاجو سے دوری اب اسے بے چین کرنے لگی تھی، اسے گھر کی ہانڈی پسند تھی، اور بازار میں جا کر پیٹ بھرنے کو وہ ہمیشہ گھور پاپ سمجھتا تھا، اس نے ٹھان لی تھی، کہ اس روز وہ اپنی ساری اکڑ رس بھرے شبدوں کی گٹھڑی میں لپیٹ کر لاجو کے چرنوں میں ڈال دے گا، کھلے من سے اقرار کر لے گا کہ وہ اس سے دور رہ کر جیون نہیں بتا سکتا،

اسے وشواس تھا، کہ لاجو اس کی پیار بھری، لبھانے والی باتوں سے پگھل کر اپنا سندر شریر اسے سونپ دے گی لیکن......

گھر میں پہلا قدم رکھتے ہی دیوا کے سارے سپنے بارود کی طرح بھک سے اڑ گئے، گلاب کے پھولوں جیسی تیز خوشبو آج کوٹھری کے بجائے اس کے اپنے گھر میں بسی ہوئی تھی، وہ پاگل ہو گیا، پورا گھر دیکھ ڈالا، لاجو ابھی تک بڑی حویلی سے واپس نہیں آئی تھی۔

''ایسا تو نہیں کہ مہک والی بات لاجو کو بھی معلوم ہو گئی ہو؟'' دیوا نے سوچا۔ اگلے ہی پل میں ایک نئی گانٹھ اس کے من میں اور پڑ گئی۔ ''کہیں وہ مہک اس کے اپنے ہی گھر کی تو نہیں، جسے وہ گھر سے باہر تلاش کر رہا تھا؟'' وہ پاگلوں کی طرح لاجو کے سامان کی تلاشی لینے لگا، اس کی کھوج ناکام نہیں ہوئی، ٹین کے بکسے سے لاجو کے کپڑوں کے بیچ ایک شیشی دیوا کے ہاتھ لگ گئی جس میں خوشبو قید تھی، دیوا کے من میں جیسے کیچوے سے رینگنے لگے، بھینی مہک زہریلی گیس بن کر اس کے شریر کے پنجے میں چکرانے لگی، کوٹھری سے ملنے والی سنہری چوڑیوں کے ٹکڑے اس کو زخمی کرنے لگے، پھر دیوا نے لاجو کا سارا بکس کھنگال ڈالا، لیکن کوئی سنہری چوڑی نہ مل سکی، سرخ چوڑیاں اسے جنم جنم سے پسند تھیں، اس کی گوری گوری کلائیوں پر سجتی بھی خوب تھیں۔

دیوا خاصی دیر تک الجھی ہوئی گانٹھ کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہا، نراش ہو کر اس نے خوشبو کی شیشی واپس کپڑوں کے بیچ رکھ دی، جو سامان الٹ پلٹ ہوا تھا، وہ بھی سمیٹ دیا...... آنگن میں بچھے تخت پر لیٹ کر ''دور کی کوڑی'' تلاش کرنے لگا، اندھیرا پھیلنے کے بعد اس نے لالٹین جلانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی، اپنے وچاروں میں گم رہا، جب باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری، تو جلدی سے سوتا بن گیا...... لاجو نے اندر آ کر ایک نظر اس پر ڈالی پھر ٹھنڈی سانس بھر کر وہ بھی خاموشی سے کھری کھاٹ پر سمٹ سمٹا کر لیٹ گئی۔

رات میں کسی کھٹکے کی آواز سے دیوا کی آنکھ کھلی، آنکھوں کی جھری سے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، تو اس کے من میں ایک کانٹا سا چبھ گیا، اس نے لاجو کو دبے قدموں دروازے سے باہر جاتا دیکھ لیا، لاجو کے جانے کے ایک منٹ بعد وہ بھی جلدی سے اٹھا اور پنجوں کے بل باہر نکلا، لمبے راستے سے گھوم کر کوٹھری کی پچھلی طرف پہنچ گیا، ہوا کے لیے بنائے گئے چھوٹے سے موکھلے میں پھنسائی زنگ آلود جالی کے قریب کھڑا ہو کر وہ اندر کی ''سن گن'' لینے لگا، گھپ اندھیرے کے کارن اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا،...... وہ دم سادھے کچی پکی دیوار سے چمٹا کھڑا رہا، پھر اندر سے

بہکی بہکی سانسوں کی آوازیں ابھر کر دیوا کے کانوں تک پہنچیں، تو اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون آگ بن گیا، کچھ نظر نہ آنے کے باوجود بھی وہ دو جوان جسموں کے اندر والے طوفانوں کا مدھم مدھم شور سن سکتا تھا...... گلاب جیسی بھینی بھینی خوشبو بھی پھوٹ پھوٹ کر باہر آ رہی تھی۔

دیوا کے لہو کا جوش کچھ اور بڑھ گیا، من میں ایک خطرناک ارادے کی ٹھان کر وہ کوٹھری کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا، اس نے طے کر لیا تھا کہ لاجو کے سندر اور گدرائے ہوئے شریر کو خون میں نہلانے کے بعد خود بھی اپنے گلے پر درانتی پھیر لے گا، وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا، جب اندھیرے میں ایک سایہ تیزی سے اس کے قریب آیا، ایک ہاتھ سے دیوا کا ہاتھ تھام کر دوسرا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر جما دیا، اور دیوا کو کوٹھری سے دور لے گیا...... لاجو کی سرگوشی نما آواز دیوا کے کانوں سے ٹکرائی۔

”کسی دوسرے کے رنگ میں بھنگ ڈالنا اچھا نہیں ہوتا...... چل، گھر چل۔“

دیوا، لاجو کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کوٹھری سے دور ہٹ گیا، گھر پہنچ کر جتنی دیر میں اس نے کواڑ کو کنڈی لگائی، اتنی دیر میں لاجو نے بکسے سے گلاب والی خوشبوں کی شیشی نکال کر اپنے تن کے کپڑوں کو بھی مہکا لیا، پھر لالٹین کی لو مدھم کر کے اپنی کھاٹ پر آ گئی۔

”تیرے شریر کی مہک گلاب کی خوشبو سے زیادہ نشہ دلانے والی ہے۔“ دیوا نے لاجو کے قریب آ کر پھنسی پھنسی آواز میں کہا، پھر بہت دنوں سے الجھی ہوئی گانٹھوں کو سلجھانے میں مگن ہو گیا!

❁❁❁

اُلّو کا پٹھا

جب میری ماتا بھگوان کی مرضی سے سورگ باس ہوئی، اس وقت میری عمر تیرہ اور چودہ سال کی بیچ رہی ہوگی، میں اتر پردیش میں الٰہ آباد کے قریبی علاقے باندرہ سے تقریباً ڈھائی کوس دور ایک نواحی بستی میں رہتا تھا، جہاں زیادہ تر اجڈ، گنوار اور مزدور پیشہ لوگ رہا کرتے تھے، عمروں کا حساب کتاب تو در کنار، انہیں تو پاپ اور پن کی تمیز بھی نہیں تھی، سب کا یہی قول تھا، جب تک سانس چلتی رہی، پیٹ کا تندور بھرنے کے کارن دوڑ دھوپ کرتے رہو۔ جب آکاش سے پربھو کی طرف سے بلاوے کی چٹھی آجائے تو پاؤں پسار کر چتا کی آگ پر لیٹ رہو، سورگ اور نرک کے بارے میں بھی سب کا ایک ہی وشواس تھا، جو پربھو نے بھوش میں لکھ دیا ہے، وہ اوش پورا ہوگا، چاہے تم کتنے ہی پاپڑ کیوں نہ بیل لو، پھر ان جھمیلوں میں پڑ کر اپنے آپ کو کشٹ دینے سے کیا فائدہ؟

میری عمر...... جیسا کہ میں نے کہا، تیرہ اور چودہ کے بیچ ضرور تھی، لیکن کاٹھی صحت اور اتنی اچھی تھی، کہ میں بانکا سجیلا گبرو جوان نظر آتا تھا، علاقے میں جوانی کی جتنی کونپلیں پھوٹتیں، وہ دور دور ہی سے میری تن درستی اور گٹھے ہوئے کسرتی بدن کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتیں، لیکن میرا سب سے اچھا دوست پرکاش جو ایک نمبر کا گھاگ، چتر اور چالاک تھا، ہمیشہ یہی بکواس کرتا تھا، کہ میں نرا ''بھوندو'' ہوں۔ یہ کیول پرکاش ہی مجھے بول سکتا تھا۔ ورنہ میرے دوسرے تمام ساتھی جن سے میرا قد نکلتا ہوا تھا، سبھی مجھے اپنا لیڈر سمجھتے اور ''گبرو'' کے نام سے یاد کرتے تھے، ویسے میرا اصلی نام شمبھو تھا۔

میرے سنگی ساتھی اِس لیے مجھ سے دبتے تھے کہ میرے پتا رام لال اس پورے علاقے کے

سب سے بڑے پنساری تھے، جن کی دکان پر گاہک کو ساری چیزیں ایک ہی جگہ مل جاتی تھیں، علاقے کے لوگوں کا میرے والد سے ادھار کا کھاتا بھی کھلا رہتا تھا، اسی کارن علاقے کے بڑے بھی میرے باپو سے دبتے تھے، سب کی اپنی اپنی غرض بھی تھیں۔

میں نے ماتا پتا کی شادی کے کم و بیش سات سال بعد بڑی منتوں مرادوں اور دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں بڑے چڑھاوے اور بھینٹ گزارنے کے بعد جنم لیا تھا، اس لیے ان کا لاڈلا بھی تھا، ماں مجھے بڑے پیار سے ''چندا'' کہا کرتی تھی، پرنتو جب وہ خود ہی گہنا گئی تو میں خود کو بڑا تنہا تنہا سمجھنے لگا، اس لیے کہ میرے پتا جو ''لالہ جی'' کے نام سے جانے مانے جاتے تھے ان کے پاس اتنا سمے ہی نہیں تھا کہ وہ مجھ سے لاڈ پیار کرتے، سارا دن اپنے کاروبار میں جتے رہتے، رات کو تھکے ماندے آتے تو بھوجن پانی سے چھٹکارا پاتے ہی اپنی چار پائی پر پاؤں پسار کر لیٹ جاتے، کچھ دیر بعد ان کے خراٹوں کی آواز شروع ہو جاتی، میرے لیے کیول ایک پرکاش ہی رہ گیا تھا جو میرا ہر طرح سے پورا پورا دھیان رکھتا تھا، پڑھائی لکھائی میں بھی میری سہائتا کرتا تھا۔

پرکاش بڑا اجی دار اور نڈر لڑکا تھا، دور کی کوڑی لانے کا عادی تھا، اس کارن سب لڑکوں پر بھاری پڑتا تھا، پڑھائی لکھائی میں بھی سب سے تیز تھا، ہمیشہ اچھے نمبروں سے پاس ہوتا، کبھی کبھی جب وہ موڈ میں ہوتا تو مجھ سے بڑی چٹخارے والی باتیں کر جاتا جو میرے پلے نہیں پڑتی تھیں، اسی کارن وہ مجھے بھوندو کہتا تھا، ایک دن اس نے باتوں باتوں میں پھر ایسی ہی لچھے دار بات کی جو میری سمجھ میں نہیں آئی، کہنے لگا۔ ''یار ایک سندر چڑیا ہے جو...... دانہ تو بڑے آرام سے چگ لیتی ہے لیکن جال میں نہیں آتی، بڑے نخرے ہو گئے ہیں اس کے۔''

''یہ تو چڑی مار کب سے ہو گیا......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کس چڑیا کی بات کر رہا ہے؟''

''رہا بھوندو......!'' اس نے مجھے گھور کر دیکھا، پھر زمین پر آڑی ترچھی لکیریں نکالتے ہوئے بولا۔ ''میں پہلوان ہری چندر کی چھوکری روپا کی بات کر رہا ہوں...... سالی کے مزاج ہی نہیں ملتے...... ہاتھ آتے آتے چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل جاتی ہے۔''

میں پرکاش کی زبان سے روپا کا نام سن کر چونکا، اس کی لشکارے مارتی ہوئی جوانی اور سندرتا نے علاقے کے سارے لڑکوں کو دیوانہ کر رکھا تھا، سب اسے دور سے دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں

بھرتے، لیکن قریب جانے کی ہمت کوئی نہ کرتا، ان کے ڈرنے کا ایک کارن یہ بھی تھا، کہ ایک بار منشی ارجن کے لڑکے ساون کمار نے روپا کو کھیتوں کے بیچ اکیلا دیکھ کر کچھ ایسی بات کہہ دی جس نے روپا کو جوالا مکھی بنا دیا، پہلے روپا نے ساون کمار کو کھیت ہی میں لتھا لتھاڑ کر مارا، ٹھوکریں لگائیں، گندی گندی گالیاں بھی سنائیں، پھر گھر آ کر باپ سے اس کی شکایت بھی کر دی، دوسرے دن پنچایت بیٹھ گئی، گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے سر جوڑ کر آپس میں کانا پھوسی کی، پھر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ساون کمار کو علاقے سے ہمیشہ کے لیے دور چلے جانے کا فیصلہ سنا دیا، منشی نے بہت ہاتھ پیر جوڑے لیکن پہلوان نے اس کی کوئی داد فریاد نہیں سنی...... اس حادثے نے سبھی لڑکوں کو بس دور ہی دور سے زبان لپ لپانے پر مجبور کر دیا تھا، اکیلا پرکاش ہی تھا جو ساون کمار کی درگت اور گاؤں بدری والا فیصلہ سننے کے بعد بھی روپا سے ہنس بول لیتا تھا۔

''پرکاش! کیا تو ساون کمار والی بات بھول گیا......؟'' میں نے پرکاش کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میرا کہا مان، تو اس رستے سے کنی کاٹ کر پھوٹ لیا کر جس سے روپا کے گزرنے کا بھی ڈر ہو۔''

''ساون کمار کا چکر کچھ اور تھا پیارے، اس مورکھ نے گرما گرم ہنڈیا میں منہ مارنے کی بھول کی تھی......'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''سیانوں نے اسی کارن کہا ہے کہ ٹھنڈا کر کے کھانے سے ہونٹ بھی نہیں جلتے، بدہضمی بھی نہیں ہوتی اور...... منش پیٹ بھر کر کھا بھی سکتا ہے۔ تاڑی کا نشہ سارے نشوں کا بادشاہ ہوتا ہے لیکن تاڑ کے جھاڑ پر چڑھنا اور تاڑی نکالنا ہر منش یا ایرے غیرے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔''

''میں روپا کی بات کر رہا ہوں، تو تاڑی کا نشہ لے بیٹھا۔'' میں نے الجھ کر کہا تو پرکاش مسکرا دیا۔

''ایک ہی بات ہے میرے بھوندو! اپنی روپا کے شریر میں بھی تاڑی کا نشہ دوڑ رہا ہے، تاڑ کا پھل بھی گدرا کر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ پر...... تو کیا جانے ان باتوں کا مطلب...... ابھی تو تیری مسیں بھی پوری طرح نہیں بھیگیں۔''

''پھر تو مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتا ہے؟''

''دھیان سے سنا کر گرو کی باتیں...... جیون میں تیرے بڑے کام آئیں گی۔''

''چل چھوڑ......'' میں نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتا کہ تو روپا کے نخرے والی کیا بات

کر رہا تھا؟''

''کیا کرے گا سن کر...... چل فٹ بال کھیلتے ہیں۔''

''تیری یہی آنا کانی تو مجھے زہر لگتی ہیں......'' میں چڑ گیا۔

''پہلے خود سواد لے لے کر بات شروع کرتا ہے، پھر...... چل چھوڑ کہہ کر سارا مزہ کر کرا کر دیتا ہے۔''

''بات ہی ایسی ہے میری جان...... تو سنے گا تو تُو بھی میری ہنسی اڑائے گا۔......'' پرکاش نے زمین سے مٹھی بھر ہری ہری گھاس ایک جھٹکے سے اکھیڑتے ہوئے کہا۔ ''تجھے یاد ہے نا، پچھلے دنوں جب میں شہر کے بڑے میلے میں گیا تھا تو کتنی ڈھیر ساری بناؤ سنگھار چیزیں تھیلا بھر کر لایا تھا، آئینہ، کنگھی، ہاتھوں کے کنگن، کانچ کی چوڑیاں، سیپوں کی مالا، سرمہ، مسّی کی دھڑی، کاجل کی ڈبیاں، ماتھے کا ٹیکا اور جانے کیا کیا۔''

''ہاں، مجھے یاد ہے...... پھر؟''

''پھر کیا...... پرکاش نے ہونٹ کاٹتے ہوئے غصے سے کہا۔ ''تو ہی ایمان دھرم سے بتا...... چڑیا سارا دانہ چگ کر...... پھر سے اڑ جائے، جال میں نہ پھنسے تو شکاری کے من پر کیا گزرے گی۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ تو وہ ساری چیزیں اپنی ماتا جی کے لیے لایا ہوگا۔''

''دماغ چل گیا ہے تیرا...... اسی کارن تو بھوندو کہتا ہوں......'' پرکاش بھنا کر بولا۔ ''میری ماں کیا بڑھاپے میں سرخی پاؤڈر لگا کر چھیل چھبیلی بنتی اچھی لگے گی......؟ وہ تو میں اپنی روپا رانی کے لیے لایا تھا۔''

''کیا روپا نے ان چیزوں کو سویکار نہیں کیا؟''

''نہیں، ایسی بھی نہیں ہے...... وہ ساری چیزیں تو اس نے ہونٹوں پر مسکان سجا کر اپنی اوڑھنی میں سمیٹ لی تھیں، بعد میں کولھے مٹکاتی، ہری جھنڈی دکھا کر نو دو گیارہ ہو گئی۔''

''اور تو کیا چاہتا تھا؟''

''تیرا سر......! لعنت ہے ان تمام کم عقلوں پر جو تجھے گبرو کہتے ہیں...... سانڈ کا سانڈ ہو گیا لیکن عقل سے کورے کا کورا۔''

پرکاش چڑیا اور جال والی بات ادھوری چھوڑ کر جھلا کر اٹھ گیا، میں نے روکنے کی کوشش کی تو میرا ہاتھ جھٹک کر فٹبال گراؤنڈ کی طرف چلا گیا، میں واپس گھر آ گیا۔

......☆......☆......☆......

ہمارے علاقے میں صرف ایک ہی اسکول تھا جہاں صرف نویں جماعت تک پڑھایا جاتا ہے، اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکوں کی گنتی بہت زیادہ نہیں تھی، پھر بھی میری طرح اور بھی بہت سارے گاؤں کے علاقے کے لڑکے جو پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بننے کے سپنے دیکھا کرتے تھے، وہ بڑے چاؤ سے پڑھائی پر دھیان دیتے تھے۔

میری تعلیمی قابلیت پرکاش سے زیادہ نہیں تھی، لیکن اپنی کلاس میں بہتوں سے بہتر تھی......

ماں کے مرنے کے بعد دھرم کرم کے انوسار چالیس روز تک سوگ منایا گیا، میرا باپ نہ دھرم کو مانتا تھا، نہ اس کے رسم و رواج کو، پھر بھی دنیا دکھاوے کے لیے جانے کیسے چالیس روز تک خاموش رہا۔ جب چار بندے اکٹھے ہوتے، وہ بھی ان کے ساتھ نیر بہانے کا ناٹک رچاتا، پھر جب سوگ کے روگ سے چھٹکارا مل گیا تو ایک دن اس نے مجھے بھی صاف صاف کہہ دیا۔

''بس اب یہ لاٹ گورنر بننے کا شوق ختم کر دے، تو سیانا بھی ہو گیا ہے، کل سے دکان پر بیٹھ کر کام کاج میں میرا ہاتھ بٹایا کر۔''

میں ان دنوں نویں کلاس میں تھا، میرے علاوہ میری ماں کی بھی یہی آشا تھی کہ میں پڑھ لکھ کر اپنے پریوار کا نام اونچا کروں، مرنے والی ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی، اس کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اب پتا جی نے اپنی من مانی شروع کر دی تھی، میں نے پتا کی بات کو دھڑکتے دل سے سنا پھر ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''میں تمہاری ہر اِچھا کا پالن اپنا دھرم سمجھتا ہوں باپو لیکن ایک بنتی کروں گا۔''

''جلدی بول، کیا کہنا چاہتا ہے۔''

''اسکول سے دو بجے میری چھٹی ہو جاتی ہے، اس کے بعد میں سیدھا دکان آ کر تمہاری سہائتا کرتا رہوں گا، جیسا تم کہو گے، ویسا ہی......''

''الو کا پٹھا......'' باپو ایک دم لوہے کی استری کے انوسار تپ گیا۔ ''مجھے فریب دینے کی کوشش کرتا ہے، سیدھی طرح کل صبح سے میرے ساتھ چلنا ادھر۔ اب یہ پڑھ لکھ کر ڈپٹی کمشنر بننے کا سپنا دیکھنا بند کر دے، کیا سمجھا!''

میری سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا، مرنے والی کہا کرتی تھی کہ علم وہ روشنی ہے جو گھپ اندھیروں میں بھی جگمگاتی ہے اور باپو اس روشنی کو گل کر کے گھپ اندھیروں کے بھینٹ چڑھانے پر تل گیا تھا، میں نے باپو کی بات سر جھکا کر مان لی اور دوسرے دن سے دکان جانا شروع کر دیا، لیکن دل میں یہ بھی ٹھان لی تھی کہ کچھ بھی ہو، میں پڑھائی نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے پرکاش سے دل کا حال کہا تو اس نے دو دن کے اندر اندر میری ساری کٹھنائیاں دور کر دیں، مجھے اسکول کے بڑے ماسٹر جی سے اس بات کی اجازت مل گئی کہ اگر میں پابندی سے فیس بھرتا رہوں، تو سالانہ امتحان میں بھی بھاگ (حصہ) لے سکتا ہوں، میری اِچھا پوری ہوگئی، اسی دن میں نے اسکول کی کتابیں لے جا کر پرکاش کے گھر پر رکھ دیں، دن بھر کولھو کے بیل کی طرح دکان پر لُون، تیل اور لکڑی میں لگا رہتا، شام کو کھیلنے کے بہانے پرکاش کے گھر چلا جاتا جو بڑی لگن سے پڑھائی کے معاملے میں میری پوری سہائتا کرتا، ایک دو مہینے اسکول کی فیس بھی اس نے اپنی جیب سے بھر دی، پھر میں نے جیون میں پہلی بار باپو کی نظریں بچا کر دکان کے گلّے سے چھوٹی چھوٹی رقمیں تڑی پار کرنا شروع کر دیں، لیکن میں بھگوان کی سوگند اٹھا کر کہوں گا، کہ میں کیول اتنے ہی پیسے چراتا تھا کہ اسکول کی فیس پوری ہو جائے، باپو کو کبھی کانوں کان اس کی خبر نہ ہو سکی۔

بھگوان کی بڑی کرپا ہوئی کہ میری محنت اکارت نہیں ہوئی، میں نے چوری چھپے ساتویں کے بعد آٹھویں جماعت بھی پاس کر لی، پرکاش کی سہائتا کرنے کا کارن تھا جو کلاس میں میری پوزیشن بھی اچھی ہوگئی...... میرا خیال تھا کہ باپو کے کانوں تک میری پڑھائی کی خبر نہیں پہنچے گی، علاقے کے سبھی چھوکرے مجھ سے ڈرتے تھے، لیکن میرا اندازہ غلط نکلا، آٹھویں جماعت میں جب کلاس میں میری چوتھی پوزیشن آئی تو باپو کے کسی متر نے خوش ہو کر میری شاندار پوزیشن کی اطلاع باپو کے کان میں پھونک دی، ایک دن باپو نے بڑی بڑی آنکھیں نکال کر مجھ سے سچ بولنے کو کہا تو میں نے ڈرتے ڈرتے سارا سچ اگل دیا، مجھے وشواس تھا کہ باپو مجھے ہمیشہ کی طرح مرغا بنا کر ناک سے زمین پر ریکھائیں نکالنے کا حکم دے گا، پرنتو ایسا نہیں ہوا، کچھ دیر تک مجھے تیز نظروں سے گھورنے کے بعد باپو کے ماتھے پر جو آڑی ترچھی ریکھائیں ابھری تھیں، وہ غائب ہوگئیں۔ اس نے مجھے قریب بلا کر ماں کے مرنے کے بعد پہلی بار بڑے پیار سے میری چندیا پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

''میں امتحان میں تیرے سپھل (کامیاب) ہونے والی بات سن کر خوش ہوا ہوں۔''

میں ہکّا بکّا رہ گیا، میرا خیال تھا باپو مجھے قریب بلا کر ایک زناٹے دار تھپڑ میرے گالوں پر

مارے گا، پھر ہمیشہ کی طرح اتنی موٹی موٹی گالیاں بکے گا، جس کا صحیح مطلب میں آج بھی طرح نہیں جان سکا، ایک عرصہ گزرنے کے بعد مجھے باپو کا پیار ملا تو میری آنکھوں میں نیر آئے، میں باپو کی چھاتی سے لپٹ کر سسکنے لگا۔

''چل، بس چپ ہو جا۔ میں تجھے آگے پڑھنے سے بھی نہیں روکوں گا اور......'' باپو نے جانے کیسے اپنے اندر کے کنجوس مکھی چوس پنساری کو مارتے ہوئے کہا۔ ''تیرے اسکول کی فیس اور کاپی، پنسل کا خرچہ بھی آئندہ میں دیا کروں گا۔''

''باپو زندہ باد......!'' میں نے خوش ہو کر نعرہ لگایا، پھر خوشی سے اچھلتا سیدھا پرکاش کے پاس جا کر اسے خوش خبری سنائی تو اس کی آنکھوں میں جانے کیوں ایک چمک سی ابھر آئی۔ مجھے شرارتی نظروں سے کسی گھاگ منش کی طرح گھورتے ہوئے بولا۔ ''بات تیری پوزیشن لانے کی نہیں، کچھ اور ہے میرے بھوندو بادشاہ...... مجھے پتا تھا کہ اب اونٹ کس کروٹ بیٹھنے والا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''ابھی نہیں...... پہلے تو نویں جماعت میں داخلہ لے لے، پھر جب سے آئے گا تو اطمینان سے باتیں ہوں گی۔''

''اس سے کیا رکاوٹ ہے؟'' میں نے اصرار کیا۔

''کچھ دن چھری کے نیچے دم لے لے!''

''پرکاش!'' میں تلملا اٹھا۔ ''تو نے پھر شروع کر دیں، وہی لچھے دار باتیں، کھل کر کیوں نہیں کہتا کہ بات کیا ہے؟''

''دھیرج رکھ کر میری جان کے چوتھائی ٹکڑے...... دو چار کڑیاں اور مل جانے دے پھر تجھے ساری کتھا سنا دوں گا۔''

''وچن دیتا ہے!''

''میری بات کا وشواس کر۔ بس ہفتہ دس دن اور رک جا پھر میں تجھ سے کچھ بھی سینت کر نہیں رکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے بات کا رخ بدل کر پوچھا۔ ''یہ بتا، تیری روپا کا کیا حال ہے؟''

''ایک گر کی بات گانٹھ سے باندھ لے......'' وہ لہرا کر بولا۔ ''جب رت بدلتی ہے تو پہاڑ پر جمی ہوئی برف بھی پگھلنے لگتی ہے...... روپا رانی تو پھر استری ذات ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''گیس کا غبارہ کبھی دیکھا ہے تو نے، جب اس میں گیس زیادہ بھر دی جائے تو پھٹ جاتا ہے......'' اس نے آنکھ جھپکا کر چٹخارا لیتے ہوئے کہا ''اسی طرح گاؤں کی چھوکریوں میں بھی گرم گرم گیس بھری ہوتی ہے لیکن اوپر سے وہ برف نظر آتی ہیں...... جب گرمی بڑھ جاتی ہے تو برف بھی پگھل جاتی ہے، روپا پر جمی برف بھی اندر کی گرمی سے گھلنے لگی ہے لیکن...... پہلوان ہری چندر کو کون راضی کرے گا؟''

''کون راضی کرے گا سے تیرا مطلب؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

''پہلے میرے من میں کچھ اور تھا مگر...... روپا دوجے ٹائپ کی چھوکری ہے، اس نے مجھ سے کھل کر صاف صاف کہہ دیا ہے کہ چوری چھپے آنکھ مٹکا کرنا اور بلا فضول خالی خولی شریر کی دھینگا مشتی کرنا، اسے پسند نہیں ہے۔ اگر مرد ہوں تو اسے اپنانے کی خاطر اس کے پتا سے مل کر پوتر اگنی کے پھیرے لگانے کی بات کرلوں۔''

''پھر کرلے اس کے پتا سے دو دو باتیں...... تو کیا مرد نہیں ہے؟''

جواب میں پرکاش کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل کر گہری ہونے لگی، پھر بڑی رازداری سے بولا۔ ''اگر بڑے چودھری کے باڑے میں گھس کر اس کی بھینس چرانے کی بات ہوتی تو میں پورے گاؤں پر اپنی مردانگی ثابت کر دیتا، لیکن روپا رانی کے پہلوان پتا سے وواہ کی بات چھیڑ کر مجھے اپنی ہڈی پسلیاں تڑوانی منظور نہیں ہیں، وواہ کی بات سنتے ہی وہ میری کھال کھینچ کر اس میں بھس بھروادے گا۔''

''وہ کیوں...... ؟ کیا اس نے روپا کے لیے کوئی بر دیکھ رکھا ہے؟''

''ایسی بات نہیں ہے؟''

''پھر......!''

''بات دراصل یہ ہے کہ اسے شیلا، نرملا اور رادھا کے ساتھ میرے سمبندھ کی بھنک مل گئی ہے۔'' پرکاش نے دبی زبان میں کہا۔

''کیا......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تو ان چھوکریوں کی برف بھی پگھلا چکا ہے؟''

''ان باتوں کی خبر تو روپا کو بھی ہے...... لیکن اس نے کبھی زبان نہیں کھولی ہے، اس لیے کہ وہ

بھی مجھ پر جان چھڑکتی ہے۔''

میں نے پرکاش کی بات سمجھی تو اس کے قریب کھسک کر کہا۔

''ایک کام کر...... تو روپا کو لے کر گاؤں سے چمپت ہو جا...... پہلوان کچھ دنوں تک چیخے چلائے گا، پھر اسے جب خبر ملے گی کہ تو نے روپا کو اپنی رانی بنا لیا ہے، تو وہ بھی برف بن کر پگھل جائے گا۔''

''یہ بات میں نے کی تھی روپا سے...... پر وہ تیار نہیں ہے۔''

''کیا کہتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بھی میرے پرانے کرتوت سے بے خبر نہیں ہے، اس لیے وشواس کرنے پر تیار نہیں ہے......'' پرکاش نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''بدا چھا بدنام برا والی بات ہے......روپا کا خیال ہے کہ میں اسے بھی کچی کیری کی طرح دو تین بار چک مار کر کسی پگڈنڈی پر پھینک کر آگے نکل جاؤں گا......اسے اپنے بارے میں بھی وشواس نہیں ہے میری بات کا......ویسے بھی وہ اپنے ہٹے کٹے پتا کے منہ پر کالک تھوپنے کو تیار نہیں ہے۔''

''پھر......اب کیا بنے گا؟''

''تو فکر مت کر...... جب اوکھلی میں سر دیا ہے تو پھر موسلوں سے کیا ڈرنا......'' پرکاش نے ہونٹ چباتے ہوئے بڑی گھمبیر آواز میں کہا۔ ''کوئی نہ کوئی اوپائے تو نکالنا پڑے گا......گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا تو پھر تخت یا تختہ کے بارے میں بھی وچار کروں گا۔''

''پھر سوچ لے مورکھ......اگر پہلوان کو خبر لگ گئی تو تیرے رام رام ست ہونے میں دیر بھی نہیں لگے گی۔''

''تو نہیں سمجھے گا میرے دل کی لگی کو......'' پرکاش نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ ''پکّے آم سے بھی رس چوس کر سواد ملتا ہے لیکن......کچی کیری کو چوری کر کے کھانے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے......ایک بار روپا رانی کے کس بل نکل گئے تو پھر میری ساری دبدھا (گھبراہٹ، پس و پیش) دور ہو جائے گی...... پہلی بار تو دودھ دینے والی گیا (گائے) بھی دولتی جھاڑتی ہے، بعد میں نظریں جھکائے چارا چرتی رہتی ہے، روپا ڈھیلی پڑ گئی تو اپنے پتا کو بھی وہی رام کر لے گی۔''

''جان بوجھ کر جیو ہتیا (خودکشی) کرنے سے تجھے ڈر نہیں لگتا؟''

''میں تو پہلے ہی روپا رانی کے ہاتھوں گھائل ہو چکا ہوں......اس کی نظریں نیچی کرنے کے

بعد اگر چتا کی آگ میں جل گیا تو بھی یہ سودا کچھ زیادہ مہنگا نہیں پڑے گا......'' پرکاش نے سرد آہ بھر کر کہا۔ پھر بات بدل کر بولا۔ ''کل ٹھیک سمے پر اپنے پتا سے فیس اینٹھ کر اسکول آجانا۔ نویں میں داخلے میں کیول تین دن باقی رہ گئے ہیں۔''

''تجھے اچانک اتنی جلدی کیا پڑ گئی ہے۔'' میں نے پرکاش کو اچانک اٹھتے دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔ ''کیا کوئی ضروری کام یاد آگیا ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لے......کل ملوں گا تو تجھے آرام سے بتاؤں گا۔''

پرکاش تیزی میں بات پوری کر کے چلا گیا تو میں کچھ دیر تک اس کی جلد بازی کے بارے میں سوچتا رہا، پھر اچانک ایک ایسی بات کھوپڑی میں آئی کہ میں نے خود اپنے آپ کو آہستہ سے آواز دے کر کہا۔

''بھوندو......تو اب بھوندو نہیں رہا۔ پرکاش کی صحبت میں رہا تو جلدی ہوشیار ہو جائے گا۔''

......☆......☆......☆......

نویں جماعت میں داخلہ ملتے ہی میں نے پہلے دن سے پورے زور وشور سے پڑھائی شروع کر دی، شہر میں جا کر اسکول میں داخلہ لینے کی پہلی شرط، پرکاش نے یہی بتائی تھی کہ کسی اچھے اسکول میں داخلہ لینے کے لیے اچھی پوزیشن بھی لانی ضروری ہوتی ہے، داخلہ اچھے اسکول میں نہ ملے تو منش کے سنہرے سپنے بھی اس کی بھاوناؤں کے انوسار پورے نہیں ہوتے۔ اونی پونی نوکری پر ہی جیون بتانا پڑتا ہے اور......میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔

میں اپنی پڑھائی میں اتنا مگن ہوا کہ پرکاش سے روپا کے بارے میں بھی نہ پوچھ سکا، خوشی اس بات کی تھی کہ باپو بھی میری پڑھائی میں دلچسپی لے رہا تھا، لیکن نہ جانے کیوں ہر رات وہ مجھے بڑا بیاکل سا نظر آتا تھا، رات کو سونے لگتا تو آنکھیں موند کر سونے کے بجائے پرانی چھت کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر سے جھانکتی لوہے کی زنگ آلود سلاخوں کو تکتا رہتا، ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے باپو؟......کیا تجھے نیند نہیں آ رہی، تو کہے تو میں اٹھ کر چمپی کر دوں۔''

''شمبھو پتر......!'' باپو نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔ ''سچ سچ بولنا، کیا تجھے، تیری ماں یاد آتی ہے؟''

''کیوں نہیں......'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''ماں تو ماں ہوتی ہے، اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔''

''مجھے بھی اس کی کمی کا دھیان چٹکیاں بھرتا رہتا ہے، تو نے تو آٹھ جماعتیں پڑھ ڈالی ہیں، تجھے پتا ہوگا کہ منش جب دھرم پتنی کے مرنے کے بعد اکیلا رہ جاتا ہے، تو اکیلے پن کا روگ اسے اندر ہی اندر کسی زہریلے ناگ کے انوسار ڈستا رہتا ہے، کوئی سنگی، ساتھی نہ ہو تو جیون بڑا سُونا سُونا لگتا ہے، رات گزارے نہیں گزرتی۔''

''تو کیوں بیاکل رہتا ہے باپو؟ میں ہوں نا تیرے پاس، تیری سیوا کرنے کو۔'' میں نے بڑے لاڈ سے کہا، پھر اٹھ کر باپو کے پاؤں دبانے لگا، کچھ دیر وہ خالی خالی نظروں سے چھت کو دیکھتا رہا، پھر جانے کب تکیہ سر کے نیچے سے نکالا، رانوں کے بیچ رکھا اور کچھ دیر بعد خراٹے لینے لگا۔

اس رات، باپو کی اداسی کے کارن میں بھی رات بھر بیاکل رہا، وہ میری ماں کو ابھی تک بھولا نہیں تھا، بچھڑنے والی کا دھیان شاید ابھی تک اس کے بھیتر کروٹیں لیتا رہتا تھا۔ میں نے طے کر لیا کہ اب باپو کا زیادہ دھیان رکھا کروں گا، دوسرے دن میں نے اداس لہجے سے پرکاش سے باپو کی اداسی کی بات کی تو وہ ہنستے ہنستے دہرا ہو گیا۔

''شرم نہیں آتی تجھے......'' مجھے پرکاش کی ہنسی زہر لگی۔ ''کسی کے دکھ پر منہ پھاڑ کر بتیسی نکال رہا ہے، تجھے شرم نہیں آتی!''

''گرمی کیوں کھا رہا ہے میری بھوندو بادشاہ! پہلے میری بتیسی نکالنے کا کارن تو سمجھ لے......'' پرکاش نے جواب دیا پھر سنجیدگی سے بولا ''تجھے یاد ہے جب تیرے باپو نے تجھے دو گھنٹے آرام کرنے کی چھٹی دی تھی، بعد میں آٹھویں کلاس پاس کرنے کے بعد تجھے لاٹ گورنر بننے کی اجازت بھی دی تھی، اس سمے میں نے کہا تھا، پہلے میں پورا کھوج لگا لوں پھر تجھے پوری رام لیلا بھی سناؤں گا۔''

''مگر یہ کون سا سمے ہے رام لیلا سنانے کا......؟'' میں نے جھلا کر کہا تو پرکاش پھر بتیسی نکالنے لگا۔

''پھر میرے قریب کھسک کر بولا۔'' میں نے جو کڑیاں ملنے کی بات کی تھی وہ پوری ہو گئی ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''گنگو دھوبی کی ٹھنگنی گلبیا کو کبھی دھیان سے دیکھا ہے؟ جدھر نکلتی ہے سب دل تھام کر رہ

جاتے ہیں، بھگوان نے بھی اسے چھپّر چھاڑ کر، ٹھاٹھیں مارتی ہوئی جوانی دان کی ہے، ایسے کولھے مٹکا مٹکا کر چلتی ہے کہ دل پر آرے چل جاتے ہیں۔''

''کیا تو نے اسے بھی......''

''اپنے بھاگیہ ایسے کہاں......'' پرکاش نے جل کر کہا۔ ''اس چھمک چھلو کی تو لاٹری رحیمو کے نام نکل چکی ہے، اس کے علاوہ گلبیا کسی کو پٹھے پر ہاتھ بھی نہیں دھرنے دیتی۔''

''اسے شرم بھی نہیں آتی؟ ہندو برادری کی ہو کر ایک اچھوت کے مُسلے کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے۔ چھی چھی!''

''یہ دھرم کرم کی باتیں نہیں ہیں مورکھ...... پیار میں اونچ نیچ سب چلتی ہے، جس پر من آئے وہی راجا اندر بن جاتا ہے۔''

''لیکن......''

''لیکن ویکن چھوڑ......رام لیلا والی بات دھیان سے سن لے۔''

''بول......''

''گلبیا کے پتا کی طرف تیرے باپو کی بڑی رقم نکلتی ہے......'' پرکاش مسکرا کر بولا ''تیرا باپو بھی بڑا گھاگ ہے، اس نے چھ سات مہینے سے چپ رہ کر گنگو کا کھاتا اتنا لمبا کر دیا ہے کہ وہ مر جائے جب بھی ادھار چکتا نہ کر سکے۔''

''تو نے پھر ٹالنے والی بات شروع کر دی......'' میں نے کہا۔ ''یہ رام لیلا کے بیچ باپو اور گنگو کا بہی کھاتا کہاں سے آ گیا؟''

''یہی تو سارا چکر ہے بھولے بادشاہ......!'' پرکاش نے کہا۔

''اسی کھاتے نے تو تیرے باپو کو بھی چکر گھنی بنا دیا ہے۔''

''وہ کیسے......!''

''گلبیا کی مست جوانی اور اس کی چنک مٹک نے دھوبی پاٹ مار کر تیرے باپو کو بھی اس بڑھاپے میں چاروں خانے چت کر دیا ہے اور اب......اب میرا من کہتا ہے گلبیا ہی تیری نئی ماں بنے گی۔''

''نئی ماں......! دماغ تو نہیں چل گیا؟'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''تیرا مغز تو نہیں پھر گیا، کیوں بکواس کر رہا ہے۔''

''تو آج نہیں مانتا...... نہ مان، پرنتو کل وہی ہوگا جس کا کھوج میں لگا چکا ہوں۔''

''کیا کھوج لگایا ہے تو نے......؟'' میں نے بھنا کر پوچھا۔

''تیرے باپو نے گنگو کا سارا کھاتا معاف کرنے کی ایک ہی شرط لگائی ہے گلبیا...... اور گنگو اور تیرے باپو کے بیچ میں سارا معاملہ بھی فٹ ہو چکا ہے۔''

''میں حیرت سے پرکاش کا منہ تکتا رہا گیا۔

''پر گلبیا تو ابھی کیول پندرہ سال کی ہوگی، جب کہ باپو پچاس سے بھی پانچ اوپر کر چکا ہے، اتنا فرق کچھ کم تو نہیں ہوتا اور...... پھر کیا گلبیا مان جائے گی؟''

''باپ کی طرح گلبیا بھی ایک نمبر کی چتر، چنٹ اور چنڈالنی ہے......'' پرکاش پھر دور کی کوڑی لاتے ہوئے بولا۔'' اس نے بھی یہی سوچ کر ہاں کی ہوگی کہ تیرا باپو زیادہ سے زیادہ دس پندرہ بار چیر کھٹ یدھ لڑنے کے بعد کام آجائے گا، سارا دھن دولت تو گلبیا کو ہی ملے گا، تب وہ من مانی شروع کرلے گی، اپنے کسی یار کے ساتھ سارا جیون گل چھرے اڑائے گی۔''

''یہ تو بہت برا ہوگا......'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''ایسا ویسا......'' پرکاش سنجیدگی سے بولا۔'' گلبیا دھوبی کی بیٹی ہے، شادی کے ایک دو مہینے میں ہی تیرے باپو کا سارا بچا کھچا کلف نکال کر کسی پرانے کپڑے کے انوسار پوری شکتی سے نچوڑ کر الگنی پر لٹکا دے گی، کچھ دن الٹا جھولتا رہے گا، پھر اس کا تو کریا کرم ہو جائے گا، اور گلبیا بند گوبھی کی طرح ہری بھری ہی نظر آئے گی۔''

''پرکاش......!'' میں نے بیاکل ہو کر کہا۔'' کیا تو کوئی ایسا چکر نہیں چلا سکتا کہ یہ بے جوڑ وواہ نہ ہو سکے۔''

''معاملہ لمبی رقم کا ہے، جب گنگو نے ہی ہتھیار ڈال دیے تو پھر میں کیا کر سکوں گا۔''

''بھگوان جانے باپو کو اس کالی کلوٹی چھوکری میں کیا بات نظر آگئی ہے جو پاگل ہو رہا ہے......'' میں نے کہا۔'' پرلوک سدھارتے سمے وواہ رچانے کی سوچ رہا ہے۔''

''بات کالی پیلی کی نہیں، گلبیا کی اٹھان اور بھرپور جوانی کی ہے......'' پرکاش نے اپنی ترنگ میں کہا'' کپڑا بھی اگر کالا اور ریشمی ہو تو اس کی بات بھی کچھ اور ہوتی ہے، کتنا ہی مسک جائے، پھٹ جائے لیکن اس کی چمک دمک ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے، کالے رنگ روپ کو دوجے کی نظر بھی نہیں لگتی۔ بڑے بڑے گیانی دھیانی بھی یہی کہتے ہیں، بینگن کے بھرتے کی مثال پکڑ لے،

چھوٹے بڑے سبھی زبان سے چاٹ چاٹ کر کھاتے ہیں، تیرا باپو بھی شاید......''

''بکواس نہ کر......'' میں نے برامان کر کہا۔ ''بجائے اس کے کہ تو لگن منڈپ کو سجنے سے روکنے کی بات کرتا، اپنا فلسفہ بگھارنے پر بیٹھ گیا۔''

''بدھی سے کام لے مورکھ......!'' پرکاش سنجیدہ ہو گیا۔

''تیرے اوپر کیا فرق پڑ جائے گا، تیرا باپو گلبیا کی زلفوں میں الٹا لٹک گیا تو تجھے نویں میں اچھی پوزیشن لانے کا سمے بھی زیادہ ملے گا......اس کے بعد تو تجھے شہر جا کر اپنا بھوش سنوارنا ہے، اپنے سپنے پورے کرنے ہیں، اپنا گھر بسانا ہے، گلبیا اب تیرے باپو کی سونی کیاری میں کالے گلاب کی طرح کچھ دنوں اپنی مہک بکھیرے گی، تو کیا فرق پڑ جائے گا؟ ہو سکتا ہے، اس میں اوپر والے نے تیرے بھوش کے لیے بھی کوئی بھلائی سوچ رکھی ہو۔''

''تیری بات سمجھ میں آتی ہے پرنتو باپو کے الگنی پر لٹک کر سوکھنے کا خوف من کو بیاکل کرتا ہے۔''

''پر تو اس کی چنتا نہ کر......تیرا باپو بھی کوئی دودھ پیتا بالک نہیں ہے، علاقے کا سیانا اور گھاگ پنساری ہے، دن بھر میں ہزاروں سودے نپٹاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ پوری طرح ناپ تول کر اور ٹھونک بجا کر گلبیا سے شادی رچانے کا فیصلہ کیا ہو، اس کے اندر کا حال اس کے اور پربھو کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔''

''کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ......تو بلا فضول کیوں دبلا ہو رہا ہے......؟'' پرکاش نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تجھے کون سا مستقل گاؤں میں رہنا ہے، شہر جا کر پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن گیا تو پھر تجھے گاؤں کی یاد بھی نہیں آئے گی، ہو سکتا ہے، جورو کے آجانے کے بعد تجھے کبھی میری یاد بھی نہ آئے......تاڑی اور ناری کا نشہ بھی بڑا ظالم ہوتا ہے، منش اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔''

''کیسی بات کرتا ہے پرکاش۔'' میں جذباتی ہو گیا۔ ''تو کوئی بھولنے کی چیز ہے، تیری سہائتا اور تیرے ابکار تو میں مر کر بھی نہیں بھول سکتا۔''

پرکاش نے بڑے پیار سے مجھے گلے لگا لیا، بہت دیر تک ہم پرانی باتیں کرتے رہے پھر میں گھر آ گیا، پرکاش نے جو بات میری کھوپڑی میں بٹھاتی تھی وہ غلط بھی نہیں تھی، ویسے بھی باپو کو کسی کام سے روکنا میرے بس کا روگ نہیں تھا، کنڈے کی آگ کی طرح اندر ہی اندر سلگنے سے بھی کچھ

پراپت نہ ہوتا۔

☆......☆......☆......

پرکاش نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔

میرے ششماہی امتحان ابھی ختم ہی ہوئے تھے کہ گلبیا باپو کے ساتھ لگن منڈپ کے سات پھیرے پورے کر کے چھم چھم کرتی میرے گھر آ گئی، دلہنوں کے سرخ جوڑے میں اس کا پھنسا پھنسا شریر زورا زوری کرتا سبھی کو نظر آ رہا تھا، انگ انگ مچل رہا تھا، اوپر سے سکھیوں نے جو بناؤ سنگھار کیا تھا، وہ الگ غضب ڈھا رہا تھا۔

باپو نے اپنا دوسرا بیاہ رچانے کی خوشی میں پورے علاقے کے لوگوں کو دعوت دی تھی، بھانت بھانت کا بھوجن تیار کرایا گیا، دل کھول کر مال خرچ کیا گیا تھا، خود بھی اکڑ اکڑ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر بہت سارے مہمان دبی دبی زبان میں اس بے جوڑ شادی کے بارے میں کانا پھوسی کر رہے تھے۔

پرکاش کی دوسری بات بھی سچ ثابت ہوئی، گلبیا کے آ جانے کے بعد باپو اس کے ناز نخرے اٹھانے میں لگ گیا، میں بھی باپو کی شادی پر پھٹکار بھیج کر اپنی پڑھائی میں جت گیا......

میری دن رات کی محنت رنگ لائی، سالانہ امتحان کے بعد نتیجے کا اعلان ہوا تو میں خوشی سے دیوانہ ہو گیا، پوری کلاس میں میری دوسری پوزیشن آئی تھی، پرکاش بھی میرے مقابلے میں چت ہو گیا، لیکن سچے متر کی طرح اس نے مجھے گلے لگا کر شاندار کامیابی پر بدھائی دی تھی۔

مجھے پورا وشواس تھا کہ اب شہر کے کسی اچھے اسکول میں مجھے اوش داخلہ مل جائے گا، میں خوشی سے ناچتا گنگناتا سب سے پہلے باپو کو اپنی کامیابی کی خوش خبری سنانے اس کی دکان پر گیا، نہ جانے وہ کس بات پر پہلے ہی غصے میں بھرا بیٹھا تھا، مجھے سینے سے لگا کر یا سر پر ہاتھ رکھ کر مبارکباد اور دعائیں دینے کے بجائے ایک دم کسی پرانے جوالا مکھی کے انو سار منہ پھاڑ کر آگ اگلنے لگا، چمک کر بولا۔ ''تو نے دوسری پوزیشن ہتھیالی ہے، تو میں کروں، تن کے کپڑے اتار کر ناچنا شروع کر دوں یا ہیجڑوں کی طرح ٹھمکے لگاؤں، الو کا پٹھا! چل سیدھی طرح نظروں سے دور ہو جا، نہیں تو پرانی روئی کی طرح دھنک کر رکھ دوں گا۔''

باپو نے مجھے پیار کے بجائے نفرت سے دھتکارا تو میں بجھ کر رہ گیا، اس کے ''الو کا پٹھا'' کہنے کا میں نے برا نہیں منایا۔ یہ گالی تو وہ ماں کے مرنے سے پہلے بھی مجھے خوب ٹکا کر دیتا تھا، اور

بھی ڈھیر ساری گالیاں بکی تھیں باپو نے۔

میں باپو کی جھاڑ سن کر منہ بسورتا گھر پہنچا، تو وہاں گلبیا بھی کسی بات پر منہ پھلائے بیٹھی تھی، غصے میں بھی وہ بڑی کٹار لگ رہی تھی، میں نے ابھی تک گلبیا کو کوئی نام نہیں دیا تھا، کسی نہ کسی طرح کام چلا رہا تھا، اس لیے کہ میں نے اسے ماں کی حیثیت سے سویکار نہیں کیا تھا، پرنتو اس سمے اسے دیکھ کر مجھے اپنی سورگ باسی ماں یاد آ گئی، اگر وہ زندہ ہوتی تو میری کامیابی کی خبر سن کر پھولے نہ سماتی، میری چٹا چٹ بلائیں لیتی، خوشی سے دیوانی ہو جاتی، آس پاس کے لوگوں میں بیسن کے سوندھے سوندھے لڈو بانٹتی، مندر جا کر بھگوان کی مورتی کے سامنے سر جھکا کر اور ہاتھ باندھ کر میرے بھوش کے لیے پرارتھنا کرتی، منتیں مانتی، لیکن ایک اس کے نہ ہونے سے بھرا گھر کیسا سنسان اور اجاڑ ہو کر رہ گیا تھا۔

میں آنگن کے بیچ منہ لٹکائے کھڑا گلبیا کو دیکھتا رہا، مگر اس کے اندر ماں جیسی کوئی بات بھی مجھے نظر نہیں آئی، وہ بھی چھپر کھٹ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی، کسی چوٹ کھائی بلی کی طرح مجھے ٹکٹکی باندھے گھورے جا رہی تھی، میں کچھ دیر چپ کھڑا رہا تو وہ غرا کر بولی۔ ”کیا بات ہے بوڑھے کھوسٹ کے تخم...... اس طرح مجھے دیدے پھاڑے کیا دیکھ رہا ہے...... کیا پہلے کوئی چھوکری نہیں دیکھی؟“

”وہ...... وہ...... میرے امتحان کا نتیجہ آ گیا ہے۔“

”جبھی تھوتھنی لٹکائے کھڑا ہے......“ وہ بڑے جلے کٹے لہجے میں بولی۔ ”اپنے پتا کی طرح شاید تو بھی امتحان میں لڑھک گیا ہے...... ہے نا یہی بات؟“

”نہیں......“ میں نے ہمت کر کے کہا۔ ”میں پاس ہو گیا ہوں، دوسری پوزیشن پراپت کی ہے۔“

”پھر...... تیرے چہرے پر یہ پھٹکار کیوں برس رہی ہے؟“

وہ تنک کر بولی۔ ”جا جا کر اپنے جھڑوس باپو کو خوش خبری سنا۔ دکان پر بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا ہوگا، دمے کے روگی کی طرح کھانس بھی رہا ہوگا، میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔“

”گیا تھا دکان پر......“ میں نے اٹک اٹک کر کہا۔ ”پر باپو نے گالیاں دے کر بھگا دیا، اگر ماں زندہ ہوتی تو وہ......“

”وہ کیا کرتی......؟“ گلبیا بھرے بھرے کولھوں پر ہاتھ دھر کر کھڑی ہو گئی۔ ”کیا وہ آکاش

پر دیے جلاتی؟''

''وہ مجھے خوشی سے لپٹا کر پیار کرتی اور......'' میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا، ماں کی یاد میری آنکھوں سے نیر بن کر چھلک اٹھی۔

گلبیا خاموش کھڑی مجھے تیز نظروں سے گھورتی رہی...... پھر آہستہ آہستہ اس کے تناؤ میں کمی آنے لگی، مجھے سر سے پاؤں تک اس طرح دیکھنے لگی، جیسے کوئی قصائی جانور کا مول تول کرتے سے اس کے جوڑ پٹھوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے، کچھ دیر بعد میری آنکھوں میں اپنی کجرا بھری آنکھیں ڈال کر بولی۔

''تو مجھے کیا سمجھتا ہے؟ میرے تیرے بیچ کیا سمبندھ ہے؟''

''تو باپو کی پسند ہے۔'' میں نے منہ بسورتے ہوئے کھرے انداز میں کہہ دیا۔ ''مم...... میں تجھے ماتا کہہ کر پکار نہیں سکتا۔''

''نہیں کہہ سکتا تو میں تجھے مجبور بھی نہیں کروں گی۔'' وہ عجیب انداز میں میرے قریب آئی، میرے برابر کھڑے ہو کر اپنی اور میری اٹھان کا بھید بھاؤ جانچتی رہی پھر بڑے پیار سے سرسراتے لہجے میں بولی ''ایک بات کہوں، مانے گا؟''

''بول......''

''تو...... تو مجھے کیول گلبیا کہہ کر پکار لیا کر۔''

''ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے سہم کر کہا۔ ''یہ ادھیکار تو صرف باپو جی کے پاس ہے، اسے بھنک بھی مل گئی تو میری چمڑی ادھیڑ کر رکھ دے گا۔''

''ہونہہ......!'' گلبیا نے کڑوا سا منہ بنا کر ہنسی اڑاتے ہوئے کہا۔ ''جو مریل اور کھوسٹ کسی بکری کو بھی رانوں کے بیچ دبوچنے کی شکتی نہ رکھتا ہو وہ بھلا تیرے جیسے گبرو کی چمڑی کیا ادھیڑے گا......'' پھر اس نے میرے گالوں کو اپنی گرم گرم اور نرم ہتھیلیوں سے ہولے ہولے سہلاتے ہوئے بڑے چاؤ سے کہا ''کبھی تو نے اپنے آپ پر دھیان بھی دیا ہے؟ چودہ پندرہ سال کی عمر میں پورا اکڑیل جوان دکھائی دیتا ہے، جبھی تو سب تجھے گبرو کہتے ہیں، کسی سے نہ ڈرا کر۔''

''میں کسی سے نہیں ڈرتا۔'' میں نے سینہ ٹھونک کر کہا، پھر ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ ''پر...... باپو کی بات اور ہے، اس کے سامنے نظریں اونچی کرنے سے بھی مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''میرے ساتھ پکی دوستی کر لے تو پھر تو کسی سے نہیں ڈرے گا، میں تیری سہائتا کروں گی تو

تیرا باپو بھی بھیگی بلی بن جائے گا...... کیا سمجھا۔"

"نہیں...... مجھے باپو سے ڈر لگتا ہے، میں تجھے گلبیا نہیں کہہ سکتا۔"

"اپنے باپو کے سامنے نہ ہی لیکن اکیلے میں تو کہہ سکتا ہے۔" گلبیا نے میرے گلے میں اپنی گداز بانہیں ڈال کر بہکے بہکے انداز میں مجھے اکسانے کی کوشش کی۔

"لیکن......"

"اب یہ لیکن ویکن چھوڑ......!" وہ آہستہ سے میرا ہاتھ دبا کر بولی۔ "ابھی تو کہہ رہا تھا نا کہ اگر مرنے والی زندہ ہوتی، تو تجھے سینہ سے لگا کر پیار کرتی، تیرا لاڈ کرتی، تیری کامیابی پر خوب دھوم دھڑکا کرتی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا، تو گلبیا کی مدھ بھری آنکھوں میں جانے کیوں سرخ سرخ ڈورے تیرنے لگے، میرے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر میرے اور قریب آ گئی، اس کی گرم گرم سانسیں میرے گالوں سے ٹکرانے لگیں، بڑی مدھم اور شوخ آواز میں کہا۔ "تو چنتا نہ کر سمجھا...... تو چاہے مجھے مرنے والی نہ سمجھ، لیکن آج میں تجھے سینے سے لگا کر پیار اوش کروں گی، ایسا دھودھڑکا ہوگا کہ تو بھی سارا جیون گلبیا کو نہیں بھلا سکے گا۔"

پھر گلبیا نے میرے جواب کا انتظار نہیں کیا، آگے بڑھ کر مجھے اپنی چھاتیوں سے لگا کر چٹا چٹ میرے گالوں کو جگہ جگہ سے چومنے لگی، میں نے کسمسانے کی کوشش کی، تو اس نے کسی بھوکی شیرنی کی طرح پوری شکتی سے دبوچ لیا، میں اس کی دھڑکن اپنے سینے پر محسوس کر رہا تھا، اس کی سانسیں بھی زیادہ گرم اور تیز تیز چلنے لگی تھیں، وہ دیوانوں کی طرح مجھے جگہ جگہ سے چوم رہی تھی، کبھی میرے بازوؤں میں اپنے دانت گاڑ دیتی، کبھی میری رانوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیتی......

گلبیا وہ سب کچھ کیوں کر رہی تھی، میرے پلے کچھ بھی نہ پڑا، اس کی چھاتیوں سے میری سورگ باسی ماں کی چھاتیوں جیسی سوندھی سوندھی خوش بو کے بجائے عجیب حیوانی مہکار پھوٹ رہی تھی، سانسوں میں بھی وہ شفقت بھری مہک نہ تھی جو ماں کا خاصہ تھی۔ جسے گالوں پر محسوس کر کے مجھے نیند آنے لگتی تھی، نہ اس کے شریر میں خون کی وہ گرمی تھی جو میرے انگ انگ میں ابھی تک دوڑ رہا تھا، گلبیا مجھے دیوانوں کی طرح چوم چاٹ رہی تھی لیکن مجھے وحشت سی محسوس ہو رہی تھی، میں نے کئی بار سوچا کہ کیول ایک بار میں بھی اس کے پیار کا جواب پیار سے دے سکوں لیکن میرے اندر کی گھٹن بڑھتی جا رہی تھی، وحشت سی طاری ہو رہی تھی، جب بات بڑھنے لگی تو گھٹن بھی زیادہ ہو گئی۔

''چھوڑ دے مجھے گلبیا...... میرا سانس بند ہو رہا ہے......'' میں نے کسمسا کر زور لگایا تو گلبیا نے مجھے چھوڑ دیا، اس کی آنکھوں کی سرخی کا رنگ پہلے سے زیادہ گہرا نظر آ رہا تھا، اس کا پورا شریر اس طرح کپکپا رہا تھا جیسا لرزہ چڑھ کر بخار آنے سے پہلے ہوتا ہے، شاید اسے میرا جدا ہو جانے والا ڈھنگ بھلا نہیں لگا تھا، شاید میں نے اس کے پیار کا اپمان کر دیا تھا، اس کی ان خوشیوں کو پیروں تلے روند دیا تھا، جو میرے کارن منانا چاہتی تھی...... مجھے دکھ ہوا تو میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''مجھے شما کر دے گلبیا! میں تیرے پیار کو شاید سمجھ نہ سکا، میرا دم گھٹ رہا تھا، میں نے تیرے من کو ٹھیس پہنچا کر اچھا نہیں کیا، اس لیے بنتی کرتا ہوں، تو باپو سے میری شکایت نہ کرنا، دیکھ میں تیرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوں۔''

''بدھو کہیں کا...... مورکھ'' گلبیا نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ ''چھوڑ ان باتوں کو، میں نے تیری کسی بات کا برا نہیں منایا...... ایسا کر تو بھاگ کے کرمو حلوائی کے ہاں سے اصلی کھوئے والا قلاقند اور بیسن کے لڈو لے آ...... جلدی کر نہیں تو خوشی کا سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔''

''آج...... آج نہیں...... کل۔'' میں نے اس کی بات کی گہرائی نہ سمجھتے ہوئے معصومیت سے جواب دیا تو وہ بھنا کر بولی۔ ''سمجھنے کی کوشش کر شمبھو! میرا من آج مچل رہا ہے اور تو...... کل پر ٹال رہا ہے۔''

''وہ...... وہ، آج مجھے تھکن ہو رہی ہے، باپو کے پاس سے بھاگتا ہوا آیا تھا اس لیے!'' میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''تھکن کی چنتا مت کر......'' اس نے الٹی آنکھ جھپکا کر مستی بھرے انداز میں کہا۔ ''تو میری بات مان لے، میں تیری ساری تھکن دس منٹ میں دور کر دوں گی، جیون بھر یاد کرے گا کہ گلبیا نے تیری تھکن کیسی چھومنتر کر دی تھی۔''

گلبیا مجھے ہر طرح سے اپنے پیار کا وشواس دلا رہی تھی، میری کھوپڑی میں پرکاش کی کہیں دور سے آتی ہوئی آواز گونج اٹھی......

''نہیں شمبھو...... تو گلبیا کے چکر میں بھول کر بھی نہ آنا...... یہ دو ٹکے کی چھوکری تجھے کبھی ماں کا سچا پیار نہیں دے سکے گی۔ پوری دھرتی پر۔ پربھو نے ماں کا کوئی بدل نہیں رکھا، میری مان تو گلبیا کی پرچھائیں سے بھی نکل کر سرپٹ بھاگ لے، اس کے سندر جال میں آ کر ایک بار پھنس گیا تو کبھی تیرے سپنے پورے نہیں ہو سکیں گے، اس کے شریر میں ایسا زہر بھرا ہے جسے ایک بار چکھ لیا تو

پھر دیوانہ ہو کر رہ جائے گا...... بھاگ لے...... بھاگ لے...... میری یہ بات گرہ سے باندھ لے کہ ناگن کا ڈسا پھر کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ گلبیا بھی ایک سندر ناگن کے انوسار ہے جو تیرے باپو سے نراش ہو کر اب تجھے نچوڑنے کے سندر سپنے دیکھ رہی ہے...... ایک بار الگنی پر لٹک گیا، تو پھر لٹکا ہی رہ جائے گا...... بھاگ جا شمبھو...... گلبیا کا منتر چل گیا تو...... تو کسی کام کا نہیں رہ جائے گا...... بھوش کے سارے سندر سپنے ادھورے رہ جائیں گے۔''

''آج نہیں گلبیا، کل...... کل تو جو کہے گی میں......''

''دور ہو جا میری نظروں سے......'' گلبیا چیخ کر بولی، پھر اس کی زبان بھی کھلنے لگی، ''حرام کا تخم...... نکھٹو...... الو کا پٹھا!''

''گلبیا کے منہ سے اور بھی نہ جانے کون کون سی گالیاں نکل رہی تھیں، لیکن میں وہاں رکا نہیں...... تیزی سے پلٹ کر گھر سے باہر نکل گیا...... سیدھا پرکاش کی طرف گیا۔

اس نے میری زبانی پوری کہانی سنی تو ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گیا، مجھے اس کی ہنسی زہر لگ رہی تھی، میں اسے اپنا متر جان کر، اس سے سہائتا مانگنے آیا تھا اور وہ مجھے دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''دیکھ لی تیری بھی یاری......'' میں جھلا کر جانے کے لیے اٹھا تو پرکاش نے میرا ہاتھ تھام لیا، سنجیدگی سے بولا۔

''کہاں جا رہا ہے؟''

''نرک میں......''

وہیں سے تو بچ کر آیا ہے میری جان...... چل بیٹھ جا، اب نہیں ہنسوں گا۔''

''پہلے یہ بتا کہ تو نے کیا سوچا ہے؟'' ''تیرا کیا مشورہ ہے......'' میں نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ ''اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''پتا جی کو ساری باتیں کھل کر بتا دوں گا...... صاف صاف کہہ دوں کہ چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے پر...... میں گلبیا کو مرتے دم تک کبھی ماں کے پوتر نام سے نہیں پکاروں گا۔''

''گلبیا کب چاہتی ہے کہ تو اسے ماں سمجھے......''

''پھر...... وہ کیا چاہتی ہے؟'' میں نے بڑے اچنبھے سے پوچھا۔

''کب نکلے گی تیری عقل ڈاڑھ......؟ پرکاش نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''کیا سارا جیون

ایسا ہی کورے کا کورا رہے گا...... کب تک پرش اور ناری کے گٹھ جوڑ والی باتیں نہیں سمجھے گا؟"

"تیرے پاس جھک مارنے نہیں آیا......" میں نے بھنا کر جواب دیا "تو کیوں نہیں سمجھا دیتا؟"

"میری بات دھیان سے سن شمبھو...... یہ باتیں ایسی نہیں جو کوئی دوسرا سمجھا سکے، میں تجھے کیول حالات کی اونچ نیچ سمجھا سکتا ہوں، اپنے بھوش کا فیصلہ تو تجھے خود کرنا ہے۔"

"پھر شروع کر دیں تو نے وہی لچھے دار باتیں...... کھل کر بتانے میں تجھے کیا لاج آ رہی ہے؟"

"بات ہی شرم کی ہے، اسی لیے تو گھما پھرا کر تیری بھس بھری کھوپڑی میں بٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں......" پرکاش نے گیانیوں کے انداز میں کہا۔ "تو یوں سمجھ کہ اگر...... گرمی زور پکڑ لے اور...... پروَیا کا ایک جھونکا بھی نہ چلے تو سانس اندر سے گھٹنے لگتی ہے، یہی حال چھوکریوں کا ہے، جب ان کے اندر لو چلنے لگتی ہے تو ان کے من میں ایسی آگ بھڑکتی ہے، جو لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے، وہ جس منش کو من میں بسا لے، اس پر اپنا زور زبردستی کا ادھیکار بھی سمجھنے لگتی ہے جب تک اسے جیت نہ لے، اپنی ہار نہیں مانتی...... گلبیا کے من میں بھی تیرا دھیان، پارے کی طرح مچل رہا ہے...... تو بڑا بھاگیہ شالی ہے کہ گلبیا کے بچھائے ہوئے جال کی رسی تڑا کر بھاگ نکلا، کہیں ایک بار تیرا پاؤں رپٹ جاتا تو نہ گھر کا رہتا نہ گھاٹ کا۔ جوالا مکھی کا منہ ایک بار کھل جائے تو اس کے اندر سے ابلنے والا لاوا کھیت، کھلیان اور کھڑی فصل، سب کو لپیٹ میں لے لیتا ہے، ساری ہریالی جل کر راکھ ہو جاتی ہے، تو کس کھیت کی مولی ہے۔"

میں پھر بھی پرکاش کی باتوں کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکا...... جب میرے اصرار پر اس نے کھل کر مجھے سب کچھ سمجھایا تو میرے کانوں کی لویں بھی گرم ہونے لگیں، میں دم بخود بیٹھا، اس کی باریک باتوں کو گانٹھ لگاتا رہا، جب وہ مجھے پرش اور ناری کے سارے سمبندھ اور ساری اونچ نیچ سمجھا چکا تو میں نے کہا۔ "یہ سب تو بڑے پاپ کی باتیں ہیں۔"

"وہ تو ہے...... پرنتو جب شیطان من میں گدگدی کرتا ہے تو منش اندھا ہو جاتا ہے، باقی کسر، ناری کی سندرتا پوری کر دیتی ہے۔"

"ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ بتائے گا!"

"پوچھ......"

''کیا شیطان تجھے بھی گدا گدا تا رہتا ہے؟''

''تیرا کیا خیال ہے؟ میں شکل سے پاگل دکھائی دیتا ہوں......'' پرکاش نے مسکرا جوادیا۔'' یہ شیلا، رادھا، کامنی اور نرملا کیا میرے چاچا ماما کے رشتے دار لگتی ہیں جو میں ان کے ناز نخرے اٹھاتا ہوں، جیب سے نقد نرائن خرچ کر کے ان سب کے بناؤ سنگھار کی چیزیں لاتا ہوں، کبھی کبھی ان کی فرمائشیں بہت مہنگی پڑتی ہیں...... کچھ دنوں کی بات اور ہے پھر تو بھی سمجھنے لگے گا کہ ان رنگ بہ رنگی تتلیوں کے ساتھ سرسوں کے کھیت میں آنکھ مچولی کھیلنے کا کیا مزہ آتا ہے۔''

''روپا کا کیا بنا......؟'' میں نے رازداری سے پوچھا۔'' کیا تو نے ابھی تک اپنی انگلی ٹیڑھی نہیں کی؟''

''چنتا مت کر...... مہینے دو مہینے کی بات ہے پھر تو اسے روپا نہیں، بھرجائی کہا کرے گا۔''

کچھ دیر تک ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر میں نے سنجیدگی سے پوچھا'' پرکاش، اب یہ بتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ایک ہی چھت کے نیچے آگ اور پٹرول کا ساتھ کب تک چلے گا۔''

''اب کی ہے نا تو نے مردوں جیسی بات......!'' پرکاش نے میری تعریف کرتے ہوئے کہا۔'' کچھ دنوں میری شاگردی کر لے تو کندن بنا دوں گا۔''

''ٹھیک ہے گرو...... میں تمہارا چیلا بننے کو گلے گلے تیار ہوں، لیکن یہ گلبیا تو میرا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑے گی۔''

''یہی بات میری کھوپڑی میں بھی کلبلا رہی ہے...... میری مان تو، تو اب شہر چلا جا...... نویں کلاس پھلانگ لینے کے بعد اب تیرا یہاں رکنا ویسے بھی بیکار ہے۔''

''شہر تو میرے لیے بالکل انجانا ہوگا پرکاش...... پھر میرے پاس اتنے پیسے کہاں ہیں کہ شہر جا کر کہیں قدم جما سکوں۔''

''یہ بھی سوچنے کی بات ہے......'' پرکاش نے کہا۔'' دو تین سو کی بات ہوتی تو میں ہاتھ پیر مار کر تیری مشکل آسان کر دیتا لیکن...... شہر جانے، وہاں پہنچ کر کہیں سر چھپانے کا ٹھکانا تلاش کرنے اور کسی بڑھیا سے اسکول میں داخلہ لینے میں ہزاروں کی ضرورت پڑے گی۔ دس خرچے پردیس میں اوپر کے بھی نکل آتے ہیں۔''

''پھر......؟'' میں اداس ہو گیا۔'' کیا میرے بھاگ میں باپو کی دکان پر بیٹھنا ہی لکھا ہے۔ یہاں رہا تو باپو کے سوا گلبیا کے ہاتھوں بھی عزت خراب ہوتی رہے گی...... نہیں پرکاش، نہیں......

میں کسی اندھے کنوئیں میں تو چھلانگ لگا سکتا ہوں لیکن گلبیا کے ہاتھوں الگنی پر لٹکے رہنا مجھے منظور نہیں ہے......"

"پھر تو تیرے لئے ایک ہی راستہ ہے......" وہ نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

"وہ کیا......؟"

"اپنے باپو کے گلے پر ہاتھ صاف کر دے...... اگر وہ گلبیا سے بڑھاپے میں دواہ کر کے پورے گاؤں والوں کا بھوجن پانی کر سکتا ہے، تو پھر اس کی سینت کر جمع کی ہوئی دولت پر تیرا بھی ادھیکار بنتا ہے......" پرکاش نے کہا۔ "شرافت سے تو وہ تجھے چار دمڑی بھی نہیں دے گا...... گالیاں مفت میں سنائے گا۔"

"تو ٹھیک کہتا ہے گرو......" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے کچھ کچھ خبر تو ہے کہ باپو دکان میں اور گھر میں کہاں کہاں اپنی جمع پونجی چھپا کر رکھتا ہے، ایک بات اور بھی ہے...... میں اپنی ماتا جی کے تمام گہنے بھی تڑی پار کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا...... گلبیا جیسی نار میری ماں کے اجلے تن سے اترے ہوئے گہنے اپنے گندے شریر پر سجا کر مٹکتی پھرے، یہ بھی مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"تو نے سولہ آنے کھری بات سوچی ہے...... ماں کے گہنوں پر بھی تیرا زیادہ ادھیکار بنتا ہے۔" پرکاش نے میری پیٹھ ٹھونک کر کہا۔ پھر ہم سر جوڑ کر بڑی دیر تک ایک دوسرے سے مشورے کرتے رہے۔

......☆......☆......☆......

ڈھلتے سورج کی روشنی میں درختوں کے سائے تیزی سے لمبے ہو رہے تھے۔

میں پرکاش کے ساتھ گاؤں کی آخری سرحد پر بس کے اڈے والی اس سڑک پر کھڑا تھا جو بل کھاتی ہوئی، باندرہ سے الہ آباد کے ریلوے اسٹیشن تک جاتی تھی، پرکاش مجھے زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کر رہا تھا، سچے متر کی طرح مجھے آنے والے دنوں کی کٹھنائیوں کے بارے میں بتا رہا تھا، بڑوں کی طرح اپدیش (نصیحت) کر رہا تھا، اس کے چہرے پر بھی اداسی تھی، میں بھی اندر سے بجھا بجھا تھا، جنم جنم کا ساتھ کچھ دیر میں چھوٹنے والا تھا، ایک دوجے سے بچھڑنے کا خیال دونوں کو تڑپا رہا تھا۔

میں نے وہ گٹھری سنبھال رکھی تھی، جس میں میرے کیول چار جوڑے کپڑے تھے، اٹھارہ ہزار کی وہ رقم بھی تھی، جو میں نے باپو کی جمع پونجی سے اپنا ادھیکار سمجھ کر چرائی تھی، میں نے اسے

بڑی احتیاط سے ایک پرانے اخبار کے اندر چھپا رکھا تھا، میری سورگ باسی ماں کے وہ پوتر گہنے بھی تھے، جو لگن منڈپ میں اس کے شریر پر سجائے گئے تھے، ان پوتر زیورات پر گلبیا سے زیادہ میرا ادھیکار تھا۔

دور سے بس مٹی اور دھول اڑاتی نظر آئی تو ہم دونوں کے من کھدبد کرنے لگے۔

''بھگوان قدم قدم پر تیری سہایتا کرے۔'' پرکاش نے رندھی ہوئی آواز میں مجھے گلے لگا کر کہا۔ ''شہر کے ہنگاموں اور بھیڑ بھاڑ میں گم ہو کر اپنے یار کو بھول نہ جانا، اپنی خیریت کی چٹھی لکھتے رہنا۔''

''تو بھی بابو کا دھیان رکھنا......'' میں نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں بنتی کی۔ ''میرے جانے کے بعد تو وہ گلبیا کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہے گا، جانے کیا بیتے گی اس پر۔''

''چنتا مت کر...... میں چاچا کا ہر طرح سے دھیان رکھوں گا۔''

''پرکاش......'' میں نے بڑے پیار سے کچھ سوچ کر کہا۔ ''تیری اور روپا کی بات بن جائے تو اسے میری طرف سے بدھائی ضرور دینا۔''

''دعا کر کہ بات بن جائے۔''

''کیا بات ہے......؟'' میں نے پرکاش کو نراش محسوس کر کے پوچھا۔ ''کیا پہلوان ہری چندر کوئی اڑنگا لگا رہا ہے؟''

''جو بھاگ میں لکھا ہے وہ تو پورا ہونا ہے لیکن اس کلنکی نرملا نے گھٹالا کر دیا ہے۔''

''کیوں؟ اسے کیا بیر تھا تجھ سے، تو تو اس کی برف پگھلا تا رہتا تھا۔

''بات برف کی نہیں، دل کی لگی کی ہے......'' وہ جھلا کر بولا۔ ''نرملا مجھ سے وواہ رچانے کا سوچ رہی ہے، اس لیے میرا اور روپا کا راستہ کھوٹا کر رہی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اس بدذات کو میرے اور روپا کے سرسوں کے کھیت میں چوری چھپے آنکھ مچولی کھیلنے کی بھنک مل گئی تھی......روپا بتا رہی تھی کہ اس نے یہ خبر کسی طرح ہری چندر کے کانوں تک پہنچا دی ہے، اس لیے وہ اب روپا کا ہاتھ مجھے دینے میں ہچر مچر کر رہا ہے۔''

''اب کیا بنے گا؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''جو پربھو کو منظور ہو۔'' پرکاش نے دبی زبان میں کہا۔ ''ایک خطرہ اور بھی روپا کے سر پر

منڈلا رہا ہے، اس کے پیٹ میں میرے پیار کی نشانی نے کلبلانا شروع کر دیا ہے، ایک دو مہینے میں اگر بھانڈا پھوٹ گیا تو پھر...... پھر جانے کیا طوفان اٹھ کھڑا ہو......"

"بس قریب آ کر رکی تو ہماری بات ادھوری رہ گئی۔

"تو میرے لیے بھگوان سے پرارتھنا کرنا کہ سب ٹھیک ہو جائے ......اچھا......"

"اچھا پرکاش۔" میری آواز بھرا گئی، میں گٹھڑی سنبھال کر بس پر چڑھ گیا، پھر دور تک ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے رہے، پرکاش اور روپا والی خطرے کی بات سن کر میرا دل بھی ڈوبنے لگا!

جیون کے نو دس سال یوں بیت گئے، جیسے ابھی کل کی بات ہو۔

منش کے دل کی لگن اگر سچی ہو، اس میں کوئی ملاوٹ یا کھوٹ نہ ہو تو بھگوان بھی اسے نراش نہیں کرتا، کٹھن راستے بھی آسان کر دیتا ہے، سپنے پورے ہونے میں دیر نہیں لگتی، میری نیت بھی سچی تھی، ماں کا آشیرواد، اس کے مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ تھا، اس لیے میں اپنی پڑھائی کی سیڑھیاں پھلانگتا رہا، بی کام کرنے کے بعد مجھے ایک دیالو منش نے سفارش کر کے ایک بدیسی بنک میں نوکری بھی دلوا دی، میرے سارے سپنے ایک ایک کر کے پورے ہوتے گئے اور آج......

آج میں اسی بدیسی بنک میں ایک آفیسری حیثیت سے کام کر رہا ہوں، میرے پاس شہر میں سول لائنز ایریا میں ایک تین کمرے کا فلیٹ بھی ہے جس میں میں اکیلا نہیں رہتا، میرے ساتھ میری سندر اور من موہنی دھرم پتنی اوشا اور ڈیڑھ ورش کا ایک بالک شیام بھی رہتا ہے، جسے ہم شیامو کے نام سے پکارتے ہیں، اوشا ایک کھاتے پیتے گھرانے کی بہت نیک اور سگھڑ ناری ہے، مجھ سے بڑا پیار کرتی ہے، میری ہر ضرورت کا پورا پورا دھیان رکھتی ہے، جتنی پگار مجھے ہر ماہ ملتی ہے اس میں ہم بڑے سکھ سے جیون بتا رہے ہیں۔

گاؤں کے بارے میں اب میں نے سوچنا چھوڑ دیا ہے، اس لیے کہ جو سمبندھ تھا، وہ ایک ایک کر کے ٹوٹ گیا...... شہر آنے کے چار ماہ بعد ہی مجھے ایک بری خبر ملی۔ روپا کے پاپ کی نشانی جب ظاہر ہونے لگی تو پہلوان ہری چندر غصے سے پاگل ہو گیا۔ روپا نے اس کے خوف سے نیلا تھوتھا کھا کر اپنی بدنامی کو چتا کی آگ میں جلا ڈالا۔ روپا کے بعد ہری چندر شمشان گھاٹ سے سیدھا پرکاش کی طرف گیا، لوگوں نے بیچ میں آنے کی کوشش کی لیکن اس نے کلہاڑی مار مار کر پرکاش کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور خود جیل کی کال کوٹھری میں پڑا چودہ سال قید با مشقت کی سزا

پوری کرر ہا ہے۔

پرکاش اور روپا کے کوئی تین سال بعد مجھے باپو کی موت کی خبر ملی تو میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا، شاید اس الگنی کی رسی باپو کا بوجھ نہ سہارنے کے کارن ٹوٹ گئی تھی جس پر اسے گلبیا نے نچوڑنے کے بعد لٹکا رکھا تھا۔

سمے گزرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ساری پرانی باتوں کو ایک ایک کر کے بھلا دیا ہے، لیکن ایک سوال کبھی کبھی میری کھوپڑی میں ضرور سر اٹھاتا ہے...... میں اکثر سوچتا ہوں کہ میں نے گلبیا کے ساتھ پاپ کی پینگیں بڑھانے سے انکار کر دیا تو اس نے مجھے ''حرام کا پلا'' اور ''الو کا پٹھا'' کہا تھا...... لیکن...... اگر میں اس کے جھانسے میں آ کر اس کی بات مان لیتا تو وہ مجھے کس نام سے یاد کرتی؟

❀❀❀

پاکستانی ورچوئل لائبریری وقار عظیم ڈاٹ کام

گہرا گھاؤ

کالے، گورے چٹے اور بھانت بھانت کے سارے پرش، مہیلائیں، بچے، بوڑھے، بڑے بڑے گیانی دھیانی اور چوراُچکے، جو بھی تھے، جیسے بھی تھے، ایک ہی دھرتی پر مل جل کر رہتے تھے، ایسا بھی نہیں تھا، سارے کے سارے اللہ میاں کی گائیں ہوں، کچھ جھگڑالو بھی تھے، پریوار کے بیچ کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پہلے تو تو، میں میں ہوتی، کسی ایک گروپ کا متھا پھر جاتا، تو گالم گلوچ اور پھر لاٹھی، بلّم اور چاقو بھی چلنا شروع ہو جاتے...... کبھی بات کسی دھنوان اور بڑے آدمی کی ہوتی تو ان کے پالتو کتے آتشی اسلحہ سے دھائیں دھوئیں بھی شروع کر دیتے...... جہاں چار برتن ہوں وہاں ان کے ٹکرانے سے بھانت بھانت کی آوازیں بھی بلند ہوتی ہیں، پرنتو ایسے تمام کٹھن مسائل میں ہمارے بڑے اور کچھ گیانی دھیانی بیچ آ کر من میں جمنے والے میل کو دور کر دیتے تو بچھڑے ہوئے پریوار پھر ایک بار پوتر مالا کے دانوں کے انوسار ایک ہو جاتے، من میں پڑی ساری گانٹھیں ایک ایک کر کے کھل جاتیں۔

دھرم کرم اور ذات برادری کا فرق بھی مٹ جاتا، سب ایک کنبے کی صورت میں نظر آنے لگتے، کون پتھروں کے بت اور دیوی دیوتاؤں کے سامنے ڈنڈوت کر رہا ہے۔ کون اپنے خدا کے آگے پانچ وقت سجدہ کرتا ہے، ان باتوں پر کبھی دھیان نہیں دیا جاتا تھا، سب کو اپنے اپنے دھرم پر چلنے کی پوری پوری آزادی تھی، کوئی کسی پر انگلی اٹھانے کی بھول نہیں کرتا تھا، ہم سب ایک دھرتی کے باسی تھے، ہمیشہ مل جل کر رہنے والے کٹھن سموں میں میں ساری اونچ نیچ اور چھوت چھات بھول کر ایک دوجے کے کام آتے، دھرم بھی یہی پرچار کرتا ہے کہ من کو ہمیشہ اجلا رکھو، کسی کا دل نہ دکھاؤ کہ دل میں بھگوان بستا ہے، کسی پر کوئی بپتا آن پڑے تو تن من اور دھن سے اس منش کے من

کو سکھ اور چین دینے کے کارن کوئی جتن باقی نہ چھوڑو، ہمارے پرکھوں کی بھی سدا یہی سکشا رہی، پر یہ بھی صحیح ہے کہ سمے ہمیشہ ایک سمان نہیں رہتا، موسم اور رتوں کے انوسار کروٹیں لیتا رہتا ہے۔

جنم جنم سے مل جل کر رہنے والوں کے بیچ کچھ چتر نیتاؤں اور چیلوں نے اپنی لیڈری چمکانے کے کارن اچھے بھلے ہریالے کھیتوں کے درمیان اونچ نیچ اور چھوت چھات کا بیج بو دیا، دیکھتے ہی دیکھتے آگ بھڑک اٹھی اور ایسی بھڑکی کہ سیدھے سادے لوگ بھی حیران رہ گئے، آج ساری دنیا تماشا دیکھ رہی ہے، جن جگادری اور گھاگ لوگوں نے پریم سے مل جل کر رہنے والوں کے بیچ نفرت کی ریکھائیں کھینچی تھیں، وہ کچھ دنوں اونچے اونچے سنگھاسن پر بیٹھ کر چین کی بنسری بجاتے رہے، پھر سورگ باشی ہو گئے، کچھ چتا کی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے لیکن ان کے پھونکے ہوئے کالے منتر کا جادو آج بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

جب ایک ہی دھرتی کا بٹوارا ہو گیا تو نیتاؤں نے جنتا کے من میں آگ بھر دی، بسی بسائی بستیاں اجاڑ ہو گئیں اور ایسا بھونچال آیا جس کی مثال آج تک ڈھونڈے نہیں ملتی۔ پھوٹ کی فصل اتنی تیزی سے تیار ہوئی کہ لاکھوں کنبے اپنے گھربار چھوڑ کر شرنارتھی بن کر اپنے نئے دیس کی طرف منہ اٹھا کر اس طرح بھاگنے پر مجبور ہو گئے کہ انہیں تن کے لباس کا بھی ہوش نہیں رہا، ایسے سمے بلوائیوں اور پاپیوں کی چاندی ہو گئی، انہوں نے بھاگتے ہوئے پریواروں کو بارڈر کے قریب روک کر لوٹنا پیٹنا شروع کر دیا، ان لوٹ مار کرنے والوں میں سارے من کے کالے ایک ذات ہو گئے تھے، شرنارتھیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا، سندر اور جوان ناریوں کے تن کے کپڑے نوچ کھسوٹ کر انہیں اس انوسار داغی کر دیا گیا کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ گئیں، چوڑے چمار بھی جن کو ایک سمے کا بھوجن تک نصیب نہیں ہوتا تھا، وہ بھی تن کی بھوک بھول کر من کی بھوک مٹانے والوں میں شامل ہو گئے، سرکار کی طرف سے شرنارتھیوں کی حفاظت کرنے والے باردی جوانوں نے سندر ناریوں کو بے لباس دیکھا تو ان کے من بھی للچا گئے، وہ بھی اپرادھیوں پر گولی داغنے کا وچن بھول کر ان کے ساتھ شریک ہو گئے، ایسا کھیل کھیلا گیا کہ شیطان نے بھی شرم سے آنکھیں موند لیں، گیانی دھرنی اور دھرم کرم کی باتیں اور بھاشن دینے والوں کی آوازیں بلوائیوں کے شور میں کسی کو نہیں سنائی دیں، عنتا بھی کون؟ لوٹ مار کرنے والے بلوائی تو اپنی اپنی بولیاں بولنے میں مگن تھے، سینہ تان کر، رانوں پر ہاتھ مار مار کر ایک دوجے کو اپنے نیچ کاموں کی کتھا سوا دے کر سنانے میں مگن تھے۔

''پر اُشوک...... آج تو ایک سندری کو دبوچ کر ایسا آنند ملا کہ جنم جنم کی بھوک پیاس مٹ گئی۔ تاڑی اور ٹھرّا بھی کبھی وہ مزہ نہ دے گا جو وہ سالی...... کی جنی دے گئی۔''

''کتنے شکار کیے؟'' اشوک نے لوٹی ہوئی رقم کو تیسری بار گنتے ہوئے پوچھا۔

''تو نے بھی بھلی کہی، جب ایک منش کے لیے دس دس گرما گرم دیگیں کھلی ہوں، ان میں سے سوندھی سوندھی بھاپ بھی اڑ اڑ کر من کو للچا رہی ہو تو گنتی کس ماں کے خصم کو یاد رہتی ہے۔'' منگل سنگھ نے نشے کی حالت میں خود اپنی ماں کو گندی گالی دی، ہاتھ میں دبی شراب کی بوتل سے ایک لمبا گھونٹ لیا پھر لہرا کر بولا۔'' سالی اپنی ہی بیٹری عین موقع پر دھوکا دے گئی، قسم واہ گرو کی میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔''

''کیوں......؟'' اشوک نے رقم گن کر اپنی دھوتی کے بل میں اڑستے ہوئے کہا۔'' کیا دھکا اسٹارٹ سے بھی بات نہیں بنی۔''

''کوشش تو کی تھی لیکن وہ...... جگا حرامی رنگ میں بھنگ ڈالنے آ گیا۔'' منگل سنگھ نے اپنے ہی بھائی کو گالی دیتے ہوئے بڑی حسرت سے کہا۔'' پر امیری بات کا وشواس کر...... ایسا ٹھسا ٹھسا اور گدرایا ہوا مال تھا، کہ اپنی طبیعت لوٹ پوٹ ہو کر رہ گئی پر...... جگا نے بھی اس کے ساتھ بہت برا کر ڈالا، میں نے تو آنکھیں بند کر لی تھیں۔''

''کیا کر ڈالا اس نے......؟'' اشوک نے بیڑی جلا کر لمبا کش لے کر دھواں اڑاتے ہوئے مزہ لینے کے کارن بڑے چاؤ سے سوال کیا۔

''نہ پوچھ یار...... میں تو سوچتا بھی ہوں تو ابکائی آ جاتی ہے......'' منگل سنگھ نے شاید ابکائی روکنے کے کارن آدھی بوتل غٹا غٹ حلق کے نیچے اتار کر جواب دیا۔'' اس نے قصائی بن کر پہلے تو دوبارا سے روندا پھر وہ کھڑی ہاتھ جوڑتی رہی بنتی کرتی رہی، لیکن جگا نے اپنی کرپان نکال کر پہلے تو ایک [illegible] میں الٹی چھاتی کاٹی پھر پوری کی پوری کرپان اس کے تڑپتے بل کھاتے شریر میں اتار دی، بعد میں وہ انارکلی بھی تڑپ تڑپ کر ترلوک سدھار گئی، میں اس کی لاش کو تکتا رہ گیا۔''

''چِنتا مت کر منگلے...... ڈیڑھ گھنٹے میں دوسری گڈی (گاڑی) نیا اور تازہ مال لے کر آنے والی ہے، جب تک تو بیٹری بھی چارج کر لے۔''

''تو نے آج کتنا مال سمیٹ لیا؟'' منگل نے اشوک کی دھوتی میں جگہ جگہ نظر آنے والی موٹی موٹی گرہوں کو للچائی ہوئی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''آخری گڈی گزر جائے تو پھر حساب کتاب بھی ہو جائے گا۔'' اشوک نے بے پروائی سے کہا، پھر برا سا منہ بنا کر بولا۔'' ہم سے زیادہ مزہ تو سالے سرکاری وردی میں نظر آنے والے ہٹے کٹے...... مسٹنڈے حرامی لوٹ رہے ہیں، سرکاری ہتھیاروں کی شکتی کے زور پر تر مال بھی بھنبھوڑتے ہیں اور بعد میں مونچھوں پر تاؤ دے کر ہمارے لوٹے ہوئے مال میں سے بھی پتا کا ادھیکار سمجھ کر ادھوادھ کرنے پر تل جاتے ہیں۔''

منگل سنگھ نے جواب میں مسکرا کر سرکاری مسٹنڈوں کے بارے میں کوئی چٹ پٹی کتھا سنانے کی سوچی تھی لیکن اسی سمے اسے الٹی شروع ہو گئی۔ اوغ...... اوغ کی آوازیں حلق سے نکالتا ہوا خود بھی اسی الٹی پر اُوندھے منہ لوٹ گیا...... اشوک نے اچھل کر الٹی کی گندگی سے خود کو بچایا پھر ناک پر ہاتھ رکھ کر من ہی من منگل سنگھ کو گالیاں سناتا اپنی راہ لگ گیا۔

ایسی بہت ساری کہانیاں میں نے اپنے پرکھوں کو چوری چھپے باتیں کرتے سن رکھی تھیں، پرنتو یہ کہانیاں نہیں تھیں، ننگی اور سچی حقیقتیں تھیں جو پرانے اخبار کے پتوں (صفحات) میں آج بھی محفوظ ہیں......!!

❁❁❁

سرجیت کمار بھی ان خوش نصیبوں میں سے ایک تھا جو اپنی عزت بچا کر کسی نہ کسی طرح بارڈر کراس کر کے بھارت کی سرحد میں اٹاری کے راستے داخل ہو گیا، اس کی سندر استری رکمنی کو دوسرے دیش کے کچھ غنڈوں نے گندا کرنے کی کوشش کی تھی، دھینگا مشتی میں اس نردوش کے تن کا لباس جگہ جگہ سے مسک گیا تھا لیکن عزت پر ڈاکا نہیں پڑ سکا، ایک نیک دل فوجی نے جس کے چہرے پر داڑھی بھی تھی اس نے عین اس وقت بھگوان کے روپ میں آ کر ان راکشسو سے بچا لیا تھا جو رکمنی کو کسی بے زبان جانور کی طرح زمین پر گرا کر دبوچنے میں مگن تھے، سرجیت کمار ایک طرف اپنے بچوں، پانچ برس کی شیاما اور تین سال کے موتی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا، رکھنی کو نیچ ذات کے غنڈوں سے نجات ملی تو سرجیت نے نرم دل فوجی کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''میں تمہارا ابھاری ہوں دوست کہ تم نے میری دھرم پتنی کی عزت بچا لی ورنہ......''

''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، اپنا فرض پورا کیا ہے جو مجھ کو سونپا گیا تھا۔'' فوجی نے دکھی لہجے میں کہا۔'' جو بھی ہوا مجھے اس پر شرمندگی ہے۔''

''میں جانتا ہوں متر پرنتو تم نے جو کرپا کی ہے اس کے لیے میں سارا جیون تمہارا ابھاری

رہوں گا۔"

"اب جلدی سے نکل جاؤ میرے دوست۔" فوجی نے کہا۔" بارڈر زیادہ دور نہیں ہے، مجھے اور بھی فرض پورا کرنا ہے۔"

فوجی مڑ کر چلا گیا تو سرجیت نے اپنے کندھے پر پڑی چادر اتار کر رکمنی کے شریر کو اس سے ڈھانپا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا بارڈر کراس کر گیا، سرحد پار کرنے کے بعد اس نے سب سے پہلے بھگوان کے سامنے ڈنڈوت کی تھی پھر بچوں کا ہاتھ تھام کر نئی منزل کی طرف بڑھنے لگا جس کا کوئی نشان اسے پہلے سے معلوم نہیں تھا، آگ اور خون کی ہولی سے بچنے کے کارن اسنے سارا سامان، اپنے پرکھوں کا مکان اور سارا اسباب چھوڑ دیا تھا، اس کے نزدیک جیون کی قیمت سب سے زیادہ تھی۔

بٹوارے کے بعد ایک نئی دھرتی پر پہنچ کر اس نے سکون کا سانس لیا تھا، اس سمے اس کے پاس کیول گیارہ سو روپے تھے، جس کے سہارے جیون نہیں گزارا جا سکتا تھا، اپنے سے زیادہ اسے بچوں اور رکمنی کا دھیان بے کل کر رہا تھا، کہیں نہ کہیں کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کرنا تھا جہاں وہ سر چھپا کر قدم جما کر بیٹھ سکتا پھر جیون بتانے کے کارن کوئی کام دھندے کی فکر بھی اسے پریشان کر رہی تھی۔

"ہم یہاں آ تو گئے ہیں پر...... رہیں گے کہاں؟" رکمنی نے بہت دیر بعد زبان کھولی۔ اپنی دھرتی پر پگ دھر کے بعد بھی وہ بہت دیر تک سہمی سہمی رہی تھی، یہی سوچ رہی تھی کہ اگر اس کی عزت لٹ گئی ہوتی تو شاید وہ نردوش ہونے کے باوجود سارا جیون سرجیت سے بھی نظریں نہ ملا سکتی۔

"جس بھگوان نے یہاں تک پہنچا دیا ہے وہی آگے بھی اوش کر پا کرے گا، منش کو کبھی اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"پاپا...... مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" ننھا اور معصوم موتی جسے بدلتے حالات کی کوئی خبر نہیں تھی سرجیت سے ضد کرنے لگا۔

"دھیرج سے کام لو بیٹا، کوئی دکان نظر آ گئی تو میں تمہیں تمہاری پسند کے بسکٹ اور چاکلیٹ بھی دلا دوں گا۔"

سرجیت کے باپ نے سارا جیون دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی تھی، پاکستان میں بھی وہ ایک مندر کے بیرونی چبوترے پر بیٹھ کر بچوں کو گیتا کا پاٹھ سنایا کرتا تھا، زندگی بتانے کے گر بتاتا تھا...... بھگوان کی سیوا میں اس نے پورا جیون تیاگ دیا تھا، کبھی پاپ کے راستوں پر بھول کر بھی

نظر نہیں ڈالی تھی، وہ سچا گیانی تھا، دھرم کا نام لیوا تھا، اس کی وہی تپسیا سرجیت کے کام آ گئی۔

''کہاں جانا ہے بابو......'' ایک ٹانگے والے نے اس کے قریب آ کر سوال کیا۔

''میں پردیسی ہوں بھائی......'' سرجیت نے اس سے بنتی کی۔ ''کسی ایسی جگہ پہنچا دو جہاں سر چھپانے کی جگہ مل جائے۔''

''شرنارتھی جان پڑتے ہو......؟''

''ہاں......'' سرجیت نے کہا۔ ''سب کچھ پیچھے چھوڑ آیا ہوں...... کیول بھگوان کا اور سورگ باسی پتا کا آشیرواد میرے ساتھ ہے۔''

''چنتا مت کرو......'' ٹانگے والے نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''میں ادھر دور ایک گاؤں...... رام نگر میں رہتا ہوں، آبادی چھوٹی ہے لیکن وہاں لوگوں کے دل بڑے ہیں...... میں تمہیں جگدیو سے ملا دوں گا، مجھے وشواس ہے کہ وہ تمہاری مدد کرنے سے منہ نہیں موڑے گا، آدمی ٹیڑھا ہے پر من کا دیالو بھی ہے۔''

سرجیت نے جگدیو کے بارے میں یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے......؟ کیا کرتا ہے؟ ......خاموشی سے رکمنی اور بچوں کے ساتھ بھگوان کا نام لے کر ٹانگے میں بیٹھ گیا۔

''پاکستان میں کہاں رہتے تھے......'' ٹانگے والے نے گھوڑے کو پہلا چابک لگاتے ہی سوالات شروع کر دیے۔

''لاہور کے قریب ایک گاؤں تھا، وہاں میرے پتا ایک مندر کے بڑے پجاری تھے، ان کا دیہانت ہو گیا تو میں نے ان کی گدی سنبھال لی تھی۔''

''سچ کہہ رہے ہو......؟'' ٹانگے والے نے سرجیت کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے سرجیت کے جواب پر وشواس نہیں آیا تھا۔

''جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' سرجیت نے ہونٹوں پر ایک سچی اور کھری مسکان سجا کر کہا۔ ''جھوٹ بولنا تو مہا پاپ ہے۔''

''تمہاری عمر کتنی ہے؟''

''انتیس سال کے لگ بھگ ہو گی...... کیوں؟'' اس بار سرجیت نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''مجھے شما کر دینا گرو......'' ٹانگے والے نے ایک ہاتھ سرجیت کے گھٹنوں کو لگا کر مدھم آواز

میں کہا۔ ’’مجھے تمہیں پہچاننے میں بھول ہوگئی تھی۔‘‘

’’تمہیں اچنبھا کس بات کا ہے؟‘‘

’’انتیس سال کی عمر میں دھرم کرم کی باتیں آج کل کے جوان نہیں کرتے۔‘‘

’’ہم جو دکھ جھیل رہے ہیں اس کا کارن بھی یہی ہے۔‘‘ سرجیت نے کہا۔ ’’جس کے من میں پاپ وپن کا دھیان نہ ہو، بھگوان کا خوف نہ ہو تو پھر وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔‘‘

’’تم سچ کہتے ہو گرو......‘‘ ٹانگے والے نے جواب دیا پھر گھوڑے کی رفتار بڑھانے کے کارن چابک کو ہوا میں لہرانے لگا۔

❁❁❁

سرجیت کی عمر یوں تو انتیس سال کے لگ بھگ تھی لیکن بچپن سے یوگا کے کارن وہ بڑا بانکا سجیلا اور کڑیل جوان نظر آتا تھا، صورت شکل میں بھی سندر تھا، شریر کے جوڑ پٹھے پارے کے انوسار پھڑکتے تھے، مونچھ ہلکی تھی، لیکن ڈاڑھی کے چمکیلے اور سیاہ بال اس کے مکھ پر خوب سجتے تھے، ماتھے پر لگا چندن اس کے نیک اور من کا اجلا ہونے کی دلیل تھی......سر گھٹا ہوا تھا، لیکن ذات پات کی نشانی بل کھاتی لہراتی لمبی سی چٹیا اس بات کا پرچار کرتی نظر آتی تھی کہ وہ دھرم کا پجاری ہے، اس کی بڑی بڑی بادامی آنکھوں میں بھی دور دور تک کہیں پاپی ہونے والی کوئی بات نظر نہیں آتی تھی۔

رام نگر ایک نو آبادی تھی جہاں سوسوا سو گھر آباد تھے...... ہر طرف ہریالی نظر آتی تھی، سگھڑ لوگوں نے ایک دو پارک بھی بنا رکھے تھے، جہاں دن بھر کے تھکے ہارے لوگ ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر پسینا خشک کرتے، بچے ادھر ادھر اچھل کود میں مگن رہتے...... آبادی کا ایک بڑا حصہ خالی زمین کا تھا جہاں بڑے بڑے اور گھنے جھاڑ بھی تھے جو گھنی دھوپ میں تھکے ہارے مسافروں کو اپنی چھایا میں دو گھڑی ستانے کو جگہ دیتے تھے۔

سنت رام ٹانگے والا سرجیت کو ایک ایسے ہی پارک میں چھوڑ کر جگدیو کو بلانے چلا گیا، سرجیت نے راستے سے بسکٹ کے ایک دو ڈبے اور کھانے پینے کا جو سامان لیا تھا اس کی پوٹلی کھول کر ہری ہری گھاس پر رکمنی کے ساتھ بیٹھ گیا، شیاما اور موتی دوڑ دھوپ کے کھیل میں مگن ہو گئے تو رکمنی نے سرجیت سے کہا۔

’’بھگوان کرے یہاں کہیں سر چھپانے کا ٹھکانا مل جائے، ورنہ اب یہاں سے اور کہاں جائیں گے؟‘‘

''پربھو پر بھروسا رکھ......'' سرجیت نے اس کی ہمت بندھائی۔ ''سنت رام اچھا منش جان پڑتا ہے۔ ہمیں یہاں لایا ہے تو اس کی بدھی (عقل) میں بھی یہ سوال ہوگا، جو تم کر رہی ہو۔''

''ہمارے جیون میں کبھی ایسا سمے بھی آئے گا، یہ بات تو سپنے میں بھی نہیں سوچی تھی۔'' رکمنی جھرجھری لے کر بولی۔

''رام رام......کیسی کٹھن گھڑی تھی جب ہم پرکھوں کی جیون بھر کی جمع پونجی چھوڑ کر گھر سے نکلے تھے۔''

''بھول جاؤ ان باتوں کو......اب ہاتھ ملنے سے کیا پراپت ہوگا، یہی کیا کم ہے کہ عزت بچ گئی۔''

''جس فوجی نے ہماری سہائتا کی تھی بھگوان اس کو ہمیشہ سکھی رکھے، وہ نہ آجاتا تو......''

''اس دھرتی پر جہاں پاپی رہتے ہیں وہاں بھلے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے۔'' سرجیت نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''پربھو قدم قدم پر ہمارا امتحان لیتا ہے، جو سچے اور کھرے ہوتے ہیں ان پر کوئی آنچ نہیں آتی، جو پاپی ہوتے ہیں ان کو ان کے کیے کا سراپ بھی اوش ملتا ہے۔''

دونوں کے بیچ اسی بھونچال کی بات ہو رہی تھی جس سے وہ زندہ بچ گئے تھے، رکمنی کی عزت بھی لٹتے لٹتے بال بال بچ گئی تھی، اسے اپنے جمے جمائے گھر کے اجڑ جانے کا ملال تھا، لیکن سرجیت کسی سچے پجاری کی طرح حالات کی چکی میں پس جانے کے بعد بھی بھگوان اور ان دیوی دیوتاؤں کا ابھاری تھا، جن کی شکتی اپرم پار تھی، نہ ہوتی تو شاید دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی گاجر مولی کی طرح کٹ مر کر کہیں دھول مٹی میں اٹے پڑے ہوتے، ارتھی کی پوتر کی اگنی بھی نصیب نہ ہوتی۔ اس کے پتا پنڈت راجن کمار نے سدا ایک ہی کانٹے کی بات کہی تھی ''گھر منش کے دم سے آباد ہوتا ہے، منش نہ رہے تھے تو کھنڈر اور گھر کے بیچ کوئی فرق نہیں رہتا۔''

سرجیت بھی اس سمے اپنے سورگ باسی پتا کی دی ہوئی سکشا کے بارے میں غور کر رہا تھا اور آنے والے کل کے بارے میں اپنے اجل وچاروں میں گم ہو گیا تھا جب دور سے کسی موٹر سائیکل کی آواز قریب آتی سنائی دی۔ سرجیت کے علاوہ رکمنی بھی اسی طرف دیکھنے لگی، موٹر سائیکل پرانی لیکن خاصی جاندار لگتی تھی، اس پر سے جو گٹھے ہوئے بدن کا آدمی اترا وہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔ بڑی بڑی گھنی اور کونوں سے بل کھائی مونچھیں، بڑی بڑی آنکھیں جن میں کسی آدم خور چیتے کی سی چمک موجود تھی، سر پر گھنے بال اور دراز قد، شکل ہی سے ایسا گھاگ نظر آتا تھا جس کو کھرے اور کھوٹے

کی پہچان بھی ہوگی۔

سنت رام بھی آنے والے کے ساتھ تھا، اس کو دیکھ کر سرجیت نے یہی سمجھا کہ اس کے ساتھ آنے والا جگدیو کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا، زمین سے لباس جھاڑتا وہ اٹھ کھڑا ہوا، چھوٹے چھوٹے پگ اٹھاتا...... جگدیو کے قریب چلا گیا، ہاتھ باندھ کر اس نے پرنام کیا۔

''یہی ہیں اپنے جگدیو مہاراج'' سنت رام نے سرجیت سے کہا۔''بڑے دیالو اور بھلے مانس ہیں۔ پوری بستی انہیں جانتی اور مانتی ہے، مہاراج نے کبھی کسی کے سلسلے میں دھوکا نہیں کھایا، ایک نظر میں تاڑ لیتے ہیں کہ کون کس جتھے سے سمبندھ رکھتا ہے، جو دکھی اور اجلے دل کے ہوں ان کی دل کھول کے تن من دھن سے سہائتا کرتے ہیں...... جو جگدیو مہاراج کے وچار کے مطابق پاپی ہو یا زیادہ چتر چالاک اور چنڈال بننے کی بھول کرے، اسے پانی میں ڈوبا بھی نہیں چھوڑتے۔ ایسی سزا دیتے ہیں کہ اس کے پرکھوں کی آتما بھی آکاش میں کسی دم توڑتے جانور کے انوسار پھڑ پھڑانے لگتی ہے۔''

سنت رام جگدیو کے بارے میں اپنے راگ الاپ رہا تھا لیکن جگدیو کی نظریں سرجیت کے پورے شریر (جسم) کے ایک ایک انگ کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں، سرجیت کے سلام کا جواب بھی اس نے سر کی معمولی جنبش سے دیا تھا۔

سرجیت اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہا، جگدیو اس کے چاروں اور گھوم پھر کر اس کے جوڑو بند کی جانچ پڑتال کرتا رہا، دور کھڑی رکمنی من ہی من میں پرارتھنا کر رہی تھی۔

''پربھو...... آنے والے کو ہمارے لیے دیالو بنا دے، تو تو ہمارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔''

شیاما اور موتی بھی دور کھڑے جگدیو کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جب جگدیو سرجیت کے گرد چکر لگانے کے بعد اس کے سامنے آکر رک گیا، اس نے بھی وہی سوال کیے جو سنت رام کر چکا تھا، سرجیت نے وہی جواب دیے جو سچ تھا، جس کا ساکشی (گواہ بھگوان) بھی تھا۔

''ادھر رام نگر میں کیا وچار لے کر آئے ہو؟'' جگدیو نے بڑے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

''میں شرنارتھی ہوں......'' سرجیت نے نرم اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''ساری جمع پونجی پیچھے چھوڑ آیا ہوں، ساتھ لانے کی کوشش کرتا تو مارا جاتا یا سب کچھ راستے میں لٹ جاتا...... بھوش میں کیا لکھا ہے اس کا کھوج کیول پربھو لگا سکتا ہے، میں شرن لینے کے کارن

یہاں آیا ہوں، اگر آپ کی کرپا ہو گئی اور چولہا ہانڈی چلتا رہا تو سارا جیون یہیں بتا دوں گا۔''

''اور اگر بعد میں تمہیں کہیں اور اچھا چانس وانس مل گیا تو......؟''

''منش کو دو سمے کا بھوجن پیٹ کی مانگ پوری کرنے کے لیے مل جائے تو اسے اس سے زیادہ کالالچ بھی نہیں کرنا چاہیے، جو ایسا وچار رکھتے ہیں ان کا من دنیا کے جھمیلوں میں اُلجھ کر اور سنسار کی سندرتا میں گم ہو کر سچے اور سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے، پھر وہ مکتی نہیں پراپت کر سکتے۔''

جگدیو سرجیت کا جواب سن کر خاصی دیر خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

''آدمی تم کھرے اور بھلے دکھائی دیتے ہو۔''

''منش کی سچی پرکھ ہمیشہ سمے کرتا ہے، اپنے منہ سے کون اپنے آپ کو دشٹ یا پاپی بتائے گا۔'' سرجیت نے کھلے دل سے کہا تو جگدیو کے ہونٹوں پر پہلی بار ہلکی سی مسکان جاگ اٹھی، اگلے ہی لمحے اس نے پھر سنجیدگی اختیار کر لی۔

سنت رام بدستور خاموش کھڑا جگدیو اور سرجیت کے بیچ ہونے والی باتوں کو بڑے دھیان سے سن رہا تھا۔

''آخری بار تم نے اپنی چندیا (سر) کب گھٹوائی تھی؟''

''اس سمے میں ساڑھے چار یا پانچ سال کا تھا...... اس کے بعد سے پتا جی کے حکم کے انوسار کبھی بال بڑھانے کی بھول نہیں کی۔''

''ایسا ہی جان پڑتا ہے۔'' جگدیو نے پہلی بار قدرے نرم لہجہ اختیار کیا۔ ''ہمارے پاس ایک کچی پکی کوٹھری خالی پڑی ہے جہاں میں اپنی موٹر سائیکل کھڑی کرتا ہوں...... میں تمہارے لیے اس کی مرمت بھی کرا دوں گا اس لیے کہ اس کی چھت بارش میں کئی جگہ سے ٹپکتی ہے، کوٹھری سے ذرا دور ایک پرانا مندر بھی ہے جہاں بستی کے دو چار بندے کبھی کبھی تہوار کے موقع پر پوجا پاٹ کرنے چلے جاتے ہیں، تم بھی من چاہے تو چلے جایا کرو۔'' جگدیو نے کہا پھر ذرا رک کر بولا۔

''چولہا ہنڈی چلنے والی بات کے بارے میں، میں سوچ وچار کر کے جواب دوں گا، جب تک تمہارا کوئی بندوبست نہیں ہوتا تمہارا اور تمہارے ساتھ رہنے والوں کا بھوجن پانی میرے گھر سے آتا رہے گا۔''

''کیا یہاں ایسی کوئی پاٹھ شالا نہیں ہے، جہاں بچوں کو سکشا دی جاتی ہو؟''

''ابھی تک تو نہیں ہے، لیکن اگر تم چاہو تو ہو بھی جائے گی۔'' جگدیو نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''تمہیں سارے بچوں کی جانب سے کوئی فیس نہیں ملے گی، لیکن جو دینے کے قابل ہیں، میں انہیں پابند کر دوں گا، ہو سکتا ہے اسی فیس کے ذریعے تمہارے چولہا ہانڈی کا کام بھی ہو جائے۔''

''ایسا ہو جائے تو میں بڑا ابھاری ہوں گا۔''

''میں تمہارے ساتھ جو کرپا کروں گا اس کے بدلے میں تمہیں میری...... کیول ایک بات ماننی پڑے گی۔'' جگدیو کے چہرے پر اس کے اندر کے منش کی اصل چھایا ابھر آئی۔

''وہ کیا......؟''

''ابھی نہیں...... جب پاٹھ شالا کا مہورت ہو جائے اس کے بعد بتاؤں گا۔''

سرجیت نے بڑے دھیان سے جگدیو کی بات کو من ہی من تولا، لیکن زبان نہیں کھولی۔

''تم نے ابھی تک میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟''

''سنت رام نے راستے میں بتایا تھا کہ آپ پوری بستی کی سوا کرتے ہیں...... میرے لیے یہی جانکاری بہت ہے۔''

''آج کی دنیا میں اور بدلتے حالات کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ ایک منش دوسرے کے بارے میں پوری جانکاری رکھتا ہو۔ کون کیا ہے؟ اس کے متھے (پیشانی) پر نہیں لکھا ہوتا، جو بھولے ناتھ ہوتے ہیں، وہ چتر چنڈالوں کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں...... کیا سمجھے؟''

سرجیت کچھ نہیں سمجھ سکا، اس لیے بت بنا کھڑا رہا۔

''میرا نام جگدیو ہے...... پولیس کے محکمے میں تین پٹیوں کے حوالدار کی آسامی پر کام کرتا ہوں۔'' جگدیو نے خود ہی اپنا تعارف شروع کر دیا۔ ''دس سال سے چور سپاہی کا کھیل کھیلتے ہوئے اچھے برے کی پہچان بھی ہو گئی، اڑتی چڑیا کے پر بھی گن لیتا ہوں...... کبھی کبھی ان کے پر کاٹ کر پنجرے میں بھی بند کرنا پڑتا ہے...... ساری بستی کے چھوٹے بڑے میری پوری اے، بی، سی ڈی سے پوری جانکاری رکھتے ہیں اسی کارن بڑا بھی مانتے ہیں، دوستوں کے ساتھ دوستی اور دشمنوں کے ساتھ دشمنی کے سارے گر بھی آتے ہیں مجھے، اس لیے بھی بھول کر بھی مجھے جل (دھوکا) دینے کی کوشش نہ کرنا۔

''اس کی نوبت کبھی نہیں آئے گی......'' سرجیت نے اسے وشواس دلایا۔

''کبھی آ گئی تو مجھ سے کسی رعایت یا دیا کی امید بھی نہ رکھنا۔'' جگدیو مونچھوں پر تاؤ دیتے

ہوئے ٹھوس آواز میں بولا۔ ''جو میرے ساتھ چھل کپٹ کرتے ہیں...... میں ان کی کھاٹ کھڑی کرنے میں دیر بھی نہیں لگاتا...... کیا سمجھے؟''

''سمجھ گیا جگدیو بابو......'' سرجیت نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''اسی میں تمہاری مکتی بھی ہے۔'' جگدیو نے پھر اپنی سرکاری حیثیت کا رعب جمایا، پھر دور سے ایک نظر رکمنی پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہاری دھرم پتنی کو سلائی کٹائی کا کام تو آتا ہوگا؟''

''آپ سر چھپانے کا بندوبست کر دیں تو رکمنی بھی سلائی کٹائی کا کام کر کے چولہا ہانڈی میں میرا ہاتھ بٹائے گی، ہم آپ لوگوں پر زیادہ بوجھ نہیں بنیں گے۔''

''یہ ہوئی نامردوں والی بات۔'' جگدیو نے سرجیت سے دوستی والا ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''منش وہی اچھا ہے جو مانگ تانگ کر پیٹ پوجا کرنے کے بجائے خود محنت مزدوری کر کے اپنا پورا کرے۔''

پھر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر جگدیو کے حکم سے اس کوٹھری کی مرمت بھی ہوگئی، جو اتنی بڑی ضرور تھی کہ چار آدمیوں کی تنگی ترشی سے پاؤں پسارنے کے بعد ایک دو اینٹ کی چھوٹی حد بندی کر کے رسوئی کی جگہ بھی نکالی جاسکتی تھی، یہ کام سرجیت اور رکمنی نے مل جل کر چار چھ روز میں پورا کر لیا، دو مہینے کے اندر اندر جگدیو نے لوہے کے سریے کھڑے کر کے اس پر ٹین کی چھت ڈال کر ایسی پاٹھ شالا بھی کھڑی کر دی جہاں بستی کے بیس پچیس بچے آسانی سے سما سکتے تھے۔

سرجیت اور رکمنی کی لگن سچی اور کھری تھی، اس لیے چھ ماہ کے اندر اندر پاٹھ شالا میں دس پندرہ لڑکے اور چھ سال لڑکیاں بھی آنے لگیں، اس عرصے میں جہاں رکمنی نے بستی کی عورتوں میں گھل مل کر نہ صرف ان کے دلوں میں جگہ بنالی تھی بلکہ سلائی کٹائی کا کام بھی حاصل کر لیا تھا، سرجیت اور جگدیو کی جانکاری بھی پکی دوستی میں بدل گئی' بستی کے کھاتے کماتے لوگوں نے بچوں کی فیس کے بجائے اپنی اپنی حیثیت کے انوسار سرجیت کی ماہانہ پگار بھی اتنی کر دی تھی کہ اس کا گزر بسر اس کی توقع سے کچھ زیادہ ہی اچھا ہوگیا' بستی کے لوگوں نے سرجیت کے اندر چھپے ہوئے ایک سچے پجاری کا روپ دیکھا، تو سب اسے ''گرو'' کے شبھ نام سے پکارنے لگے، جگدیو کی یاری بھی پکی ہوگئی۔

کوٹھری کے قریب ایک چھوٹا سا پارک بھی تھا، جہاں سورج ڈھلتے ہی بستی کی عورتیں اور بچے

موج میلا کرنے کے کارن ایک کنبے کی طرح جمع ہو جاتے تھے، ایک سال گزر گیا تو ایک دن جگدیو نے اکیلے میں سرجیت سے کہا۔

"گرو، ایک بات کہوں، مانو گے۔"

"تم نے جو اپکار میرے پریوار پر کیا، میں اسے بھولا نہیں ہوں۔" سرجیت نے سادگی اور سچائی سے کہا۔ "بولو...... کیا بات ہے؟"

"میں نے پہلے دن تم سے کہا تھا کہ تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔" جگدیو نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں...... میں بھولا نہیں تمہاری اس بات کو۔"

"تم بستی کے لوگوں کو دھرم کرم کی زیادہ سکشا نہ دینا۔" جگدیو نے ادھر دیکھ کر ذرا مدھم سروں میں کہا۔

"وہ کیوں......؟" سرجیت نے حیرت سے پوچھا۔

"سمجھا کرو گرو......" جگدیو آنکھ مار کر بے تکلفی سے بولا۔ "اگر بستی کے لوگ پاپ اور پن، اچھے و برے کو سمجھنے لگے تو تمہارے یار کے یہ ٹھاٹ باٹ یہ عیش نہیں رہیں گے...... کیا سمجھے؟"

"سمجھ تو گیا میرے یار لیکن......"

"کوئی اپدیش یا گیتا کا پاٹھ سنانے کی کوشش نہ کرنا گرو......" جگدیو نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بار کوئی پولیس والا آٹو میٹک اسٹارٹ ہو جائے، تو پھر چلتی گاڑی کو بریک لگانے میں سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے، جیسے باجرے کے آٹے میں کوئی کنکر یا ریت آ جائے تو کھانے والا تھو تھو کرنے لگتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جگدیو لیکن......"

"پھر وہی لیکن ویکن......" جگدیو نے سرجیت کی بات کاٹ کر کہا۔ "ہر منش اپنی طبیعت کے انوسار اچھے اور برے کا فیصلہ کرنے کا ادھیکار رکھتا ہے، گاڑی کا پٹرول ختم ہو جائے تو وہ بھی ٹھپ ہو جاتی ہے، منش کا رام رام ست ہو جائے، تو وہ بھی چتا کی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے، پھر وہ راکھ بھی گنگا یا جمنا میں بہا دی جاتی ہے...... جب انت ایسا ہو تو پھر بھوش کے بارے میں زیادہ سوچ بچار کرنے سے فائدہ' سب بھگوان کی اِچھا (مرضی) پر ہے جسے چاہے نرک میں جھوک دے، جسے چاہے سورگ کا پرمٹ ایشو کر دے۔"

سرجیت جانتا تھا کہ ''کتے کی دم ایک بار ٹیڑھی ہو جائے تو پھر کبھی سیدھی نہیں رہتی۔'' اس لیے اس نے جگدیو کے ساتھ زیادہ متھا ماری کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گیا!

❁❁❁

جہاں مٹی ہو وہاں دھول بھی ضرور اڑتی ہے، رام نگر میں بھی بھانت بھانت کے لوگ رہتے تھے، جہاں سو دوست ہوں، وہاں دس بارہ دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں، سرجیت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، بستی کے زیادہ تر لوگ اس کے گن گاتے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، خاص طور پر کچھ نوجوانوں کی ایک ٹولی ایسی تھی، جسے سرجیت اور جگدیو کی یاری بھی کھٹکتی تھی، سرجیت کے سامنے وہ بھی اس کی مالا جپتے تھے، لیکن اکیلے میں اس کے خلاف ایسی ویسی باتیں بھی کرتے تھے، اس چنڈال چوکڑی کا لیڈر شیکھر نامی ایک نوجوان تھا جسے اس کے سنگی شیرا کے نام سے یاد کرتے تھے۔

شیرا کی سگائی بستی کے حجام جگن ناتھ کی پتری کانتا سے ہوگئی تھی جو بستی کی سب سے سندر لڑکی تھی، پتا کے استرے کی طرح اس کی زبان بھی قینچی کی طرح چلتی تھی، بستی کی دوسری تمام لڑکیوں کی طرح وہ بھی سرجیت کی تعریف کرتے نہیں تھکتی تھی، سب کے سامنے ''گرو'' کے گن بھی گاتی...... یہی باتیں شیرا کے پیٹ میں مروڑ پیدا کرتی تھیں، اسے کانتا کا پاٹھ شالا جانا اور سرجیت سے گھل مل باتیں کرنا بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

سرجیت سے دشمنی کا ایک ہی کارن تھا، اس کے اسکول میں جو لڑکیاں پڑھنے جاتی تھیں، ان پر بستی کے بہت سارے لڑکوں نے نظریں جما رکھی تھیں، دو چار ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی اپنی پسند کی سندریوں کا بت بھی اپنے من کے بھیتر سجا رکھا تھا، ان میں پرشوتم، منوہر، چندوا اور سکھیا پیش پیش تھے، خاص طور پر سکھیا نے جیوتی کے کارن شیرا کو اکسا رکھا تھا، جھوٹی سچی باتیں اور کہانیاں سنا کر شیرا کے کان بھرتا رہتا تھا۔

اس وقت بھی املی کے جھاڑ تلے بیٹھا شیرا کے کانوں میں زہر بھر رہا تھا، ''اب ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا استاد، اگر یوں ہی بھیگی بلی بنے بیٹھے رہے تو یہ سرجیت گرو ایک ایک کر کے ساری چکنی چپٹی سندریوں پر ہاتھ پھیر دے گا، جگدیو سے اس نے اس لیے یاری گانٹھ رکھی ہے کہ کبھی کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو قانون سے بھی اپنا بچاؤ کر سکے۔''

''کیا تو نے سرجیت کو کسی لڑکی کے ساتھ آنکھ مٹکا کرتے دیکھا ہے یا جیوتی کے پرت۔انے تجھے دیوانہ کر رکھا ہے؟''

''بات میری جیوتی ہی کی نہیں...... تیری سپنوں کی راجکماری کا نتا کی بھی ہے۔'' یہ جو ایک نمبر کا کائیاں تھا دوسرا منتر پھونکا۔ ''سرجیت کو کیا تو نے کبھی دھیان سے نہیں دیکھا؟ کیسا ٹھکا ہوا گبرو جوان ہے، سالا پنڈتوں جیسی شکل بنا کر اوپر سے سادھو نظر آتا ہے، لیکن اندر سے ایک نمبر کا چالو لگتا ہے۔''

''اچھا......''

''اور نہیں تو کیا......'' سکھیا نے کینچلی بدل کر ایک اور پھنکار ماری۔ ''اگر دیس بھگت اور سچا پنڈت ہوتا تو کہیں مندر میں بیٹھ کر آنکھیں موندیں مالا کے دانوں پر رام رام بھی جپ سکتا تھا، جو رشی منی ہوتے ہیں وہ تو دنیا تیاگ دیتے ہیں، آبادی سے دور جا کر پورے گیان دھیان سے پربھو سے من لگا لیتے ہیں...... سندر چھوکریوں سے اندر کا اکھاڑا سجانے کے لیے پاٹھ شالا نہیں کھولتے۔'' سکھیا نے دانت پیس کر کہا۔ ''اوپر سے گرو نظر آتا ہے، لیکن اس کے من میں پاپ ہی پاپ بھرا ہے، جیوتی نے بھی اپنے ساتھ پڑھنے والی کسی چھوکری کے بارے میں بلا فضول زبان نہیں کھولی ہوگی، پھر نہ جانے کس کے ڈر سے بات گول کر گئی، میں پھر کسی سمے اسے کھوجنے کی کوشش کروں گا۔''

سکھیا نے سرجنی والی جو بات کہی تھی وہ اس کی اپنی من گھڑت تھی لیکن شیرا کے کان اسے سن کر ضرور کھڑے ہو گئے۔

''کیا کہا تھا جیوتی نے سروجنی کے بارے میں؟'' شیرا نے تیور بدل کر پوچھا۔

''کلونت کی کوئی بات تھی......'' سکھیا نے بات بتاتے ہوئے تلملا کر جواب دیا۔

''پر کہا کیا تھا اس نے؟'' شیرا نے جھلا کر سوال کیا۔

''پہلے میری ایک کانٹے کی بات دھیان سے سن لو استاد۔'' سکھیا نے ادھر ادھر تاڑ کر دبی زبان میں کہا۔ ''کلونت ایک تو صورت و شکل کی اچھی نہیں ہے، دوسرے موچی کی بیٹی ہے، اتنی سندر بھی نہیں کہ اسے من میں بسایا جائے، لیکن ہے تو جوان چھوکری، دو سمے کی بھوک مٹانے کے تو کام آسکتی ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب صاف ہے میرے یار..... سرجیت مجھے پرانا کھلاڑی نظر آتا ہے، جب ہی تو اس نے کلونت پر پہلے دانت تیز کرنے کی ٹھانی ہوگی..... کام بن گیا تو پھر دیے سے دیا جلنا شروع ہو جائے گا اور اگر کلونت نے اس کی بات نہ مانی اور اس کے خلاف بولنے کی کوشش بھی کی تو کون اس کی بات کا وشواس کرے گا، گرو کا لنگوٹیا جگدیو بھی یہ سوچے گا کہ جب مدھ سے بھرے ایک سے ایک بڑھیا پیالے چھلک رہے ہوں تو بھلا سرجیت دیسی ٹھرے کی بوتل پر کیوں ہاتھ ڈالے گا۔ سمجھ رہا ہے اس گرو کی چال؟''

''اوہ...... یہ تو بات ہے۔'' شیرا نے سر ہلا کر کہا۔ ''تو بڑی دور کی کوڑی لایا ہے سکھیا...... جیوتی کی بات اگر سچ ہے تو ماننا پڑے گا کہ سرجیت پرانا کھلاڑی ہے۔''

''اس کی سیدھی سادی اور بھولی بھالی جورو رکمنی دیوی بھی کچھ کم نہیں ہے استاد۔'' سکھیا نے لوہا گرم دیکھا تو بھٹی کی لو اور تیز کرنے کے کارن ایک نیا جھوٹ گڑھتے ہوئے دبی زبان میں بولا۔ ''آج کل اس کی بھی بستی میں سب سے زیادہ تاراچند کی لگائی نرملا کماری سے گاڑھی چھن رہی ہے۔''

''لیکن اس میں تجھے کیا برائی نظر آ گئی؟''

''تو نے بھی بھلی کہی......'' سکھیا نے پینترا بدل کر شیرا کو سمجھانے کی کوشش کیا۔ ''کیا تو نہیں جانتا کہ تاراچند لگن منڈپ سجانے کے آٹھ سال بعد بھی ابھی تک چڑیا کا ایک بچہ بھی نہیں پیدا کر سکا۔''

''جانتا ہوں...... یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں اس غریب کا کوئی دوش بھی نہیں ہے، ساری بستی جانتی ہے نرملا کماری جنم جنم کی بانجھ ہے۔''

''یہی تو کانٹے کی بات ہے استاد۔'' سکھیا بولا۔ ''نرملا کماری بانجھ ہونے کے کارن بچہ جنم نہیں دے سکتی، لیکن تاراچند تو ہٹا کٹا جوان اور موٹی آسامی ہے اور...... اور بستی کے لوگ تین فیتے والے کے ڈر سے یہ بھی نہیں پوچھتے کہ جب جگدیو کی اپنی گاڑی سرخ بتی دکھا کر کچھ دنوں کے لیے ٹھپ ہو جاتی ہے تو وہ اس سے نرملا کماری کی خیر خیریت پوچھنے کے بہانے سے اس کے گھر کیوں جاتا ہے، جب تاراچند اپنے کام دھندے پر گیا ہوتا ہے۔''

''یہ بات میں نے بھی ایک دو آدمیوں کی زبانی سنی ہے لیکن......''

''تو اس لیے وشواس نہیں کرے گا کہ اگر جگدیو ادھر ادھر منہ مارنے کا عادی ہوتا تو صرف

ایک ناری کے گھر پڑاؤ نہ ڈالتا۔'' سکھیا نے پھر نیا ہتھیار استعمال کیا۔'' یہی تو گر کی بات ہے استاد کہ کام بھی چلتا رہے اور مفت کی بدنامی بھی نہ ہو...... جگدیو کے لیے بستی کے باہر بھی کشتی لڑنے کے کئی ٹھکانے موجود ہیں۔''

''لیکن تو نے ابھی رکمنی اور نرملا کی گٹھ جوڑ کی بات کی تھی، اس کا کیا مطلب ہے؟'' شیرا نے پہلو بدل کر پوچھا تو سکھیا کے ہونٹوں پر چنڈالوں والی مسکان ابھر آئی۔

''تم خود بھولے ہو استاد، استاد اسی کارن سب کو اپنا جیسا سمجھتے ہو۔'' سکھیا نے سرسراتے لہجے میں کہا۔'' جب ادھر کا مال ادھر ہو تو پھر ادھر کا مال ادھر بھی ہو سکتا ہے، تارا چند بھی اس بگلا بھگت سرجیت سے کم سیانا نہیں ہے اور بھگوان نے رکمنی کو بھی تازہ چھاچھ کے انوسار روپ اور رنگ دونوں دے رکھا ہے۔ دو نیل کنول جیسی آنکھیں بھی دی ہیں، دیکھنے کے لیے...... اب ذرا کلونت کی بات پر دھیان دو، تو ساری بات تمہیں بھی دو اور دو چار ہی نظر آئے گی۔''

''تو...... تو تیرا مطلب ہے جگدیو کی طرح رکمنی بھی نیا جنکشن تاڑ رہی ہے۔''

''تم کیول تاڑنے کی بات کر رہے ہو استاد...... میرا من تو یہ گواہی دیتا ہے کہ اب تک رکمنی اور تارا چند کے بیچ بھی کوکو...... چھک چھک والا کھیل شروع ہو چکا ہوگا...... اگر سرجیت کانٹا گھما کر پٹری بدل رہا ہے تو پھر یہ ادھیکار تو رکمنی کو بھی پہنچتا ہے، پیالہ لبالب بھرا ہو تو ایک ہلکی سی ٹکر سے بھی چھلک اٹھتا ہے۔''

''اچھا...... تو یہ معاملہ چل رہا ہے اندر ہی اندر۔'' شیرا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔'' جب ہی جگدیو اور سرجیت گرو میں گاڑھی چھن رہی ہے۔''

''دوسروں کی چھوڑو، اپنی بات کرو استاد۔'' سکھیا نے کسی چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح بل کھا کر کہا۔'' ہمیں اس سرجیت جیسے گرو گھنٹال کے بارے میں کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہیے...... چڑیاں اگر کھیت چگ گئیں تو پچھتانے سے کچھ پراپت نہیں ہوگا۔''

سکھیا نے نرملا کماری اور جگدیو، تارا اور رکمنی کا چکر کچھ ایسا گھما پھرا کر بیان کیا کہ شیرا کی عقل گھوم گئی، جیوتی کے حوالے سے اس نے کلونت والی بات بھی اس طرح شک و شبہات کو گھونٹ کر آہستہ آہستہ بیان کی کہ شیرا کو کانتا کی عزت بھی خطرے میں نظر آنے لگی۔

جگدیو کے بارے میں شیرا کو اس بات کی بھنک پہلے بھی مل چکی تھی کہ وہ بستی کے باہر بھی اِدھر اُدھر کے علاقوں میں ضرورت اور پسند کے مطابق دانا چگتا رہتا تھا، اس کی اپنی لگائی جنم جنم کی

بیمار تھی، اس لیے وہ کھاتے کا حساب برابر کرنے کے کارن کریڈٹ، ڈیبٹ کرتا رہتا ہے، لیکن اپنی بستی میں اس نے کبھی کسی ہرنی پر دانت تیز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، تارا چند بھی اچھا آدمی تھا، لیکن یہ بات سکھیا نے بڑی چالاکی سے شیرا کی کھوپڑی میں بٹھا دی کہ دنیا کا ہر منش جب گھر کی ہانڈی کے پکے بھوجن کی ایک ہی بھانت کی خوشبو سونگھ سونگھ کر اکتا جاتا ہے تو کبھی کبھار سواد بدلنے کے لیے بازار کے کھانے سے بھی پیٹ بھر لیتا ہے، لیکن رکمنی......؟ اس کی تارا چند کی الٹ پلٹ والی بات شیرا کو پچ (ہضم) نہیں ہو سکی تھی، سرجیت کی بات اور تھی لیکن رکمنی کا رکھ رکھاؤ شیرا نے بھی دوسروں کی طرح دیکھا تھا۔

''کس وچار میں گم ہو گئے استاد؟'' سکھیا نے شیرا کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر دبی زبان میں پوچھا۔

''رکمنی کے بارے میں تو نے جو بات کہی ہے وہ......''

''لعنت بھیجو رکمنی پر۔'' سکھیا نے شیرا کی بات کا رخ تاڑتے ہوئے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ کسی دل جلے نے اس پر گند اچھالنے کی کے کارن جھوٹی سچی اڑا دی ہو، مجھے بھی وہ اچھے لچھن کی دکھائی دیتی ہے پر مجھے جو بھنک ملی وہ میں نے تمہارے کان میں ڈالی دی لیکن جیوتی کم از کم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی اور جگدیو والی بات بھی نرملا کے ساتھ غلط نہیں ہو سکتی۔'' سکھیا نے جھوٹی سوگند کھا کر کہا۔ ''میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے کئی بار تارا چند کے گھر سے نکلتے دیکھا ہے۔ تین فیتے والا پورے گاؤں میں اپنی پھٹ پھٹیا پر بیٹھ کر چکر لگاتا ہے لیکن تارا چند کے گھر خاص خاص موقع تاک کر پیدا ہی آتا جاتا ہے......کوئی نہ کوئی کارن تو ہوگا؟''

شیرا کو اب سب سے زیادہ اپنی کانتا کی فکر تھی، اس لئے اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سکھیا سے پوچھا۔ ''تو نے اس چالو گرو سرجیت کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو سوچا ہوگا؟''

''اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا استاد۔'' سکھیا نے بڑی دور اندیشی سے بل کھا کر کہا۔ ''ایک سے بھلے دو اور دو سے بھلے چار ہوتے ہیں، پرنتو میں اکیلے بھی اتنا مٹی کا مادھو نہیں ہوں کہ اس...... گرو کی کھاٹ نہ کھڑی کر سکوں...... اگر کسی دن اس بھاڑو نے اپنی جیوتی کی طرف میلی نظروں سے دیکھا تو اس کی آنتیں کھینچ کر کچرے کے ڈھیر پر ڈال دوں گا، پاویں، بعد میں سولی پر چڑھ جاؤں۔''

''ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا......'' شیرا نے چھاتی ٹھونک کر کہا۔ ''میں کیا مر گیا جو تو اکیلے

سولی چڑھنے کی بات کر رہا ہے"

"پھر کچھ سوچو استاد۔"

"اگر ہم کسی طرح سرجیت اور جگدیو کے درمیان پھوٹ کا بیج بو دیں تو پھر سانپ بھی خود ہی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔" شیرا نے کچھ سوچ بچار کے بعد کہا۔ "کیا خیال ہے تیرا......؟"

"اس کے لیے ہمیں لمبا چکر چلانا پڑے گا۔" سکھیا نے پھر نیا پانسا پھینکا۔ "ہوسکتا ہے کہ جگدیو نے بھی پاٹھ شالا کھڑی کرنے میں اپنے جیب سے جو رقم خرچ کی ہے وہ بھی کچھ سوچ کر کی ہے......سرجیت کے آنے سے پہلے تو اس نے ایسے کسی نیک کام کے بارے میں کبھی وچار نہیں کیا تھا۔"

"کیا مطلب ہے تیرا......؟" شیرا چونکا۔

"ہوسکتا ہے پوری طرح گٹھ جوڑ ہو جانے کے بعد جگدیو اور سرجیت نے مل بانٹ کر کھانے کا چکر چلایا ہو۔"

"ہوں......" شیرا کی موٹی عقل پھر گھوم گئی۔ "کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس سالے سرجیت کا کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے۔"

"میں اس پار یا اس پار کی بات کر رہا ہوں استاد۔" سکھیا نے پھر شیرا میں ہوا بھرنے کی کوشش کی۔ "حادثے کی بات اور ہوتی ہے، گاڑی کا ایک پرزہ ٹوٹ جائے تو اس کی جگہ بازار سے نیا خرید کر اسے دوبارہ چالو کیا جاسکتا ہے۔"

"پھر......؟" شیرا نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"گاڑی کے کچھ کل پرزے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک بار ٹوٹ جائیں تو پھر بدیس کی کسی منڈی سے بھی نہیں ملتے، گاڑی ایسی ٹھپ ہو جاتی ہے کہ رہے نام بھگوان کا......گاڑی بھی اوپر سے چم چم کرتی رہے، لیکن دھکا اسٹارٹ بھی نہ رہے۔"

"میں سمجھا نہیں......؟"

"گائے اور بیل دونوں اپنے کھونٹے پر اچھلتے ہیں۔" سکھیا کھسک کر شیرا کے کچھ اور قریب ہو گیا پھر اس نے کوئی ایسی بات شیرا کے کان میں پھونکی کہ اس کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔

"یہ کی ہے ناں تو نے کانٹے کی بات۔" اس نے سکھیا کو پیار سے دھپ لگا کر کہا۔ "گرما گرم

بھوجن سامنے دھرا ہو، بھوک سے کھانے والے کے من میں ہلچل مچی ہو پرنتو وہ دانت چلانے کے قابل ہی نہ ہو...... نہ بانس رہے نہ بنسری بجے اور...... مجے کی بات یہ ہے کہ سالا گرولاج کے بارے میں تین فیتے کے سامنے زبان بھی نہ کھول سکے گا۔''

''تو بس اشارہ کر استاد۔'' سکھیا اس کے پٹھے پر ہاتھ مار کر سرسراتے لہجے میں بولا۔'' میں تیری کانتا کے پتا جگن ناتھ ہی سے بال کترواتا ہوں، کل ہی وہاں سے اس کی نظروں میں دھول جھونک کر ایک استرا تڑی پار کر دوں گا...... کیا خیال ہے؟''

'' کچھ دن اور صبر کر لے...... میں ذرا کانتا کو بھی ٹٹول کر دیکھ لوں پھر اپنے سنگی ساتھیوں سے بھی میٹنگ کرنی ہوگی۔'' شیرا نے سنجیدگی سے کہا۔'' تو نے جو ترکیب سوچی ہے اس کے لیے پرشوتم کی سہائتا کی بھی ضرورت ہوگی...... اس کے ہاتھوں میں بڑی پھرتی ہے، پچھلی بار جب برابر والے گاؤں میں میلہ لگا تھا تو اس نے گاؤں کے سب سے بڑے چودھری کے منشی کی جیب اتنی صفائی سے کتری تھی کہ منشی کی پتا کی آتما کو بھی اس کی بھنک نہیں ملی، اسی ہاتھ کی صفائی کے کارن تو وہ عیش کر رہا ہے۔''

سکھیا نے جو زہر شیرا کے کانوں میں انڈیلا تھا وہ پوری طرح کام کر گیا...... دو روز بعد ہی اس نے کانتا کو اکیلے میں گھیر لیا۔

''مجھے تیرے ساتھ ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''وہ کیا......'' کانتا نے اٹھلا کر پوچھا۔ اس سے بھی پھولدار لہنگے اور جامنی رنگ کی تنگ چولی میں اس کا جوبن لشکارے مارتا نظر آ رہا تھا، گدرایا ہوا شریر کندن کے انوسار جھل مل جھل مل کر رہا تھا، بادامی آنکھوں میں کجرے کی باریک ڈور سونے پر سہاگا لگ رہی تھی۔

''سو واری دیکھ چکا ہوں میری رانی...... پر آج تو نے ایسا روپ نکالا ہے کہ من للچا رہا ہے۔''

''تو نے کسی ضروری بات کے کارن مجھے روکا تھا۔'' کانتا نے شیرا کی بہکتی نظروں سے چھلکنے والی مستی دیکھ کر کانٹا بدلنے کی کوشش کی۔'' جلدی بول کیا کہنا ہے، مجھے بھی ماں نے ایک جروری کام سے بھیجا ہے۔''

''ایک بات کہوں...... مانے گی؟'' شیرا مدھم لہجے میں بولا۔

''ماننے کی ہوئی تو......'' وہ شرارتی انداز میں ہونٹوں پر مسکان سجا کر بولی تو شیرا کی چھاتی پر سانپ لوٹ کر رہ گیا۔ وہ پھر کانتا کے بل کھاتے شریر کے بھید بھاؤ میں الجھ گیا...... سب ہی بستی

کے لوگ جانتے تھے کہ کانتا کو جگن ناتھ کتنا چاہتا تھا۔

گاؤں کی تازہ ہوا بھی کانتا پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھی جس نے اس کے شریر کو کندن بنا دیا تھا، وہ پوری بستی کی سب سے شوخ اور چنچل لڑکی تھی جو ہرنی کی طرح کیلیں بھرتی تھی۔ صاف اور تازہ آب و ہوا اور خالص دودھ، دہی اور مکھن نے بھی اس کے شریر کو ایسے سندر ڈھانچے میں ڈھال دیا تھا کہ دیکھنے والے دل تھام کر رہ جاتے، وہ کسی سرکش گھوڑی کی طرح منہ زور بھی تھی، بستی کے سارے گبرو جوان اسے دور دور سے للچاتی نظروں سے دیکھتے تھے، سب کے من میں ایک ہی سپنا کلبلاتا تھا کہ کانتا اور اس کی جوڑی بن جائے لیکن جب شیرا اور کانتا کی سگائی ہوگئی تو پھر شیرا کے ڈر سے سب ہی نے کانتا کو چھپ چھپ کر دیکھنا بھی بند کر دیا۔

''اچھا ایسا کر...... تو یہیں کھڑے کھڑے وہ بات سوچ لے، جو تجھے مجھ سے کرنی ہے، میں اتنی دیر میں ماں کا کام نبٹا کر آتی ہوں۔'' کانتا نے کترا کر آگے جانا چاہا تو شیرا پھر اس کے راستے میں آ گیا۔

''ایسی بھی کیا جلدی......'' اس نے کانتا کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔'' میں دیکھ رہا ہوں کہ جب سے میری تیری سگائی ہوئی ہے تو مجھ سے کترا کر گزرنے لگی ہے، پہلے تو بڑا چہکتی تھی۔''

''تیری کھوپڑی میں تو بھس بھر گیا ہے۔'' کانتا نے کہا پھر شیرا کو چھیڑنے کی خاطر دیدے نچا کر بولی۔'' کیا اتنی موٹی بات بھی تیری کھوپڑی میں نہیں آتی کہ آگ اور پٹرول کا ساتھ اچھا نہیں ہوتا...... ایک چنگاری بھی آگ بھڑکا دیتی ہے۔''

''قربان جاؤں میری بلبل...... اب تو تجھے بڑی باتیں کرنی آ گئی ہیں۔'' شیرا نے اس کے سیب جیسے گدرائے گالوں کو للچاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔'' یہ آگ اور پٹرول والی بات تجھے کس نے بتائی ہے؟''

''مورکھ......'' کانتا نے اٹھلا کر جواب دیا۔'' اگر سمجھدار نہ ہوتی...... بچی ہوتی تو میری تیری سگائی بھی ابھی نہ ہوتی۔''

''اچھا...... چل چھوڑ ان باتوں کو۔'' شیرا نے اپنے مطلب کی بات چھیڑی۔'' یہ کلونت اور تیرے سرجیت گرو کے بیچ کیا بات اڑ رہی ہے؟''

''کیسی بات؟'' کانتا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں نے سنا ہے کہ وہ گرو گھنٹال کلونت پر جال ڈالنے کی گھات لگائے بیٹھا ہے۔''

''کسی دل جلے نے بے پر کی اڑائی ہوگی ورنہ...... سر جیت گرو کو اس کالی کلوٹی پر ڈورا ڈالنے کی کیا پڑی ہے؟''

''میں بھی مانتا ہوں کہ کلونت اوپر سے دیکھنے میں کالی جامن لگتی ہے، لیکن اندر سے تو کھٹ میٹھی اور رسیلی ہوگی۔''

''چھی چھی......'' کانتا نے برا سا منہ بنایا پھر بولی۔

''میں سمجھ گئی، کسی ایسے من جلے نے کلونت پر گند اچھالنے کی کوشش کی ہے جس کی دال نہ گلی ہوگی۔''

''تیری اپنی کیا رائے ہے سر جیت کے بارے میں؟''

''اچھا خاص گبرو جوان ہے۔'' کانتا نے اسے چھیڑنے کے کارن کہا۔'' پاٹھ شالا جانے والی ساری لڑکیاں اسے پسند کرتی ہیں۔''

''تو بھی......؟''

''ہاں...... کیوں؟ کیا میں تجھے لڑکی نظر نہیں آتی؟''

''مذاق میں بات ٹالنے کی کوشش کر رہی ہے یا دل سے کہہ رہی ہے۔'' شیرا نے اسے تیز نظروں سے دیکھا تو کانتا نے کولہے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''کیا مطلب ہے تیرا...... کھل کر بات کر۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ تو پاٹھ شالا جانا چھوڑ دے تو؟''

''مگر کیوں؟'' کانتا نے حیرت سے پوچھا۔'' لاجو، سروجنی، پچھمی، رام کلی، جیوتی اور کلونت کے علاوہ اور بھی لڑکیاں تو وہاں جاتی ہیں پڑھنے کے کارن پھر، تو مجھے کیوں منع کر رہا ہے؟''

''اس لیے کہ اب میری تیری سگائی ہو چکی ہے۔'' شیرا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔'' دوسری چھوکریاں کیوں پڑھنے جاتی ہیں اور سر جیت گرو انہیں گیتا کا کون سا پاٹھ یاد کرا رہا ہے، مجھے ان سے کوئی سمبندھ نہیں۔''

''سمجھ گئی۔'' کانتا نے شیرا کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔'' سگائی کے کارن تو ابھی سے مجھ پر مرضی گانٹھنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن ایک بات تو میری بھی کان کھول کر سن لے، میں جانور نہیں ہوں جسے کھونٹے سے باندھ رکھا جاتا ہے اس لیے......''

''گرمی نہ کھا میری رانی......'' شیرا ایک دم ہی دم ہلانے لگا۔'' میرا وہ مطلب نہیں ہے جو تو

سمجھ رہی ہے۔''

''اس بستی میں تو رہتا ہے تو میں بھی رہتی ہوں۔'' کانتا نے بل کھا کر جواب دیا۔'' جیسے تیرے سنگی ساتھی ہیں، اسی پرکار میری بھی کچھ سکھیاں ہیں، مجھے یہ بھی خبر ہے کہ آج کل سکھیا کا پلّا تیرا دم چھلاّ بنا ہوا ہے، یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ اپنی گندی کھوپڑی میں جیوتی کو بسائے ہوئے ہے، پر جیوتی اسے کبھی گھاس بھی نہیں ڈالے گی......''

''چل...... غصہ تھوک دے۔'' شیرا کچھ اور نرم پڑ گیا۔'' آج اکیلے میں ملی ہے تو پیار کے دو چار میٹھے بول ہی بول دے۔''

''تھوکوں گی تو میں اس کے منہ پر جو تجھے الٹی سیدھی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔'' کانتا نے چمک کر کہا۔'' اس کا پتا دن بھر لوگوں کے جوتے گانٹھتا رہتا ہے اور وہ لڑکیوں سے پیچ لڑانے کی گندی سوچ لیے دن بھر کٹی ہوئی پتنگ کے انوساران کے پیچھے دم ہلاتا رہتا ہے، اسی نے تیری بدھی میں گروسر جیت کے خلاف بھی زہر بھرا ہوگا، جس دن مجھے موقع مل گیا اس...... کی دم پر ایسا پاؤں رکھوں گی کہ ساری بستی میں چیں چیں کرتا پھرے گا...... جا کر کہہ دینا کہ اپنے اس لنگوٹیا سے اور ...... اب اگر میں نے تجھے اس چمار کی اولاد سے سانٹھ گانٹھ کرتے دیکھا تو پھر سگائی کا جو بندھن تھا، وہ کچے دھاگے کے انوسار ٹوٹ بھی سکتا ہے۔''

''پھر شیرا اسے روکتا ہی رہ گیا پرنتو وہ چوٹ کھائی ناگن کی طرح لہراتی بل کھاتی چلی گئی۔

✿✿✿

سکھیا پرشوتم کو پوری طرح بھر کر ساتھ لایا تھا، پرشوتم رام کلی کو اپنے جال میں پھنسانے کے سپنے دیکھ رہا تھا، رام کلی بھی پاٹھ شالا جاتی تھی اس لیے جب سکھیا نے اس کے کان بھرے تو وہ پٹری سے اتر کر گروسر جیت کو ناکارہ بنانے پر فٹافٹ تیار ہو گیا، دونوں خوش خوش شیرا کے پاس گئے تو شیرا کسی اور ہی دھیان میں گم تھا، اس نے طے کر لیا تھا کہ گروسر جیت کا پاٹھیا گول کیے بغیر چین کی نیند نہیں سوئے گا لیکن کانتا نے سگائی کے بندھن ٹوٹنے والی بات کہہ کر اسے چونکا دیا تھا، اس کے من میں جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ بھڑک کر شعلہ بن گئی لیکن وہ کانتا سے ہاتھ نہیں دھو سکتا تھا، اس نے اپنے پروگرام میں بدلتے حالات کے پیش نظر تھوڑی سی تبدیلی کر لی تھی، یہی سوچ رکھا تھا کہ ایک بار کانتا اس کے ساتھ لگن منڈپ کا پھیرا لگا کر اس کے گھر آ جائے، ایک بار وہ کسی قصائی کی طرح بکری کو پوری طرح دبوچ کر اس کے گلے پر چھری پھیر کر اپنی پیاس بجھا لے، پھر گروسر جیت سے

بھی نمٹ لے گا، لگن ہو جانے کے بعد کانتا بھی اس سے بندھن توڑنے کی دھمکی نہیں دے سکے گی۔

اس وقت وہ ان ہی وچاروں میں گم تھا جب سکھیا پرشوتم کو لیے اس کے سامنے آ گیا۔

''میں پرشوتم کو ساری کتھا سنا کر تمہارے پاس لایا ہوں استاد۔'' اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''پرشوتم گلے گلے تک ہمارا کام کرنے کو تیار ہے۔ گیانی دھیانی پرشوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ کل کرے سو آج، آج کرے سو اب۔''

''نہیں......'' شیرا نے سنبھل کر سنجیدگی سے کہا۔ ''ابھی جلدی ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے کانتا سے بات کی تھی، اس کا بھی کہنا ہے کہ جلدی کرنے سے کام خراب ہو جائے گا۔''

''وہ کیوں استاد؟'' سکھیا نے کسمسا کر سوال کیا تو شیرا بھنا کر بولا۔

''کہہ جو دیا کہ ابھی نہیں تو بال کی کھال نکالنے کی بات کیوں کر رہا ہے؟''

''کانتا نے کچھ تو کہا ہو گا؟'' پرشوتم نے شیرا کا موڈ خراب دیکھ کر اس کے پاؤں دباتے ہوئے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

''ہاں، ہے کوئی بات ہے، پرنتو کرنا وہی ہے جو ہم نے سوچ رکھا ہے۔'' شیرا نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔

''تم فکر ہی مت کرو استاد، میں استرے کی دھار ہمیشہ تیز رکھتا ہوں، جب بھی تم اشارہ کرو گے میں سارا کھیل جڑ سے کاٹ کر ہمیشہ کے لیے۔''

''میری بات دھیان سے سن سکھیا۔'' شیرا نے پرشوتم کی بات کاٹ کر سکھیا سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''اب تو کچھ سمے مجھ سے دور ہی رہنا، جب تک میں کہوں میرے پاس آنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔''

''کیا مجھ سے کوئی بھول......''

''بحث مت کر۔'' شیرا نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''جتنا کہہ رہا ہوں بس اس کا دھیان رکھ۔''

سکھیا نے شیرا کا موڈ خراب دیکھا تو بھیگی بلی بن گیا، پرشوتم نے بھی اِدھر اُدھر کی بات چھیڑ دی، جب وہ جانے لگے، تو شیرا نے ایک بار پھر سکھیا کو گھور کر کہا۔

''ایک بات دھیان سے سن لے، جیوتی کے لہنگے میں چمگادڑ بن کر بسیرا کرنے کا دھیان من

سے نکال دے، نہیں تو تیری بھی خیر نہیں ہوگی۔''

جیوتی کے بارے میں شیرا کی بات سن کر سکھیا کسمسا کر رہ گیا، دونوں باہر نکلے تو پرشوتم نے دبی زبان میں پوچھا۔

''بات کیا ہے سکھیا؟ آج استاد، ہتھے سے اُکھڑا اُکھڑا نظر آرہا تھا۔''

''میں بھی اس کا' کارن نہیں سمجھ سکا۔'' سکھیا نے زبردستی مسکرا کر کہا۔'' استاد اور گرگٹ دونوں کی عادت ایک جیسی ہوتی ہے، رنگ بدلتے رہنا۔''

''مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔'' پرشوتم سر ہلا کر بولا۔'' کوئی نہ کوئی بات تو ہوگی۔''

''تو چنتا مت کر، میں ایک دوروز میں استاد کو پھر رام کرلوں گا۔''

سکھیا نے پرشوتم کو ٹال دیا لیکن وہ تاڑ چکا تھا کہ شیرا نے کانتا سے ملنے کے بعد ہی کینچلی بدلی ہے، جیوتی کے سلسلے میں جو بات شیرا نے کہی تھی وہ بھی سکھیا کو بری لگی تھی، وہ خون کے گھونٹ پی کر اس وقت خاموش ہی رہا لیکن اس کا من گواہی دے رہا تھا کہ سب کچھ کانتا کا کیا دھرا ہوگا، لیکن سکھیا نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں، بھس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھنا اسے بھی آتا تھا، شیرا کے بغیر بھی گرو سرجیت کی کھاٹ کھڑی کرنے کے سوگر اسے آتے تھے، چنانچہ دوسرے دن ہی اس نے کھوپڑی میں ایک ''ماسٹر پلان'' بنا کر اس پر عمل بھی شروع کر دیا، ایک ہفتے کے اندر بھس میں لگی چنگاری نے کام دکھایا تو پاٹھ شالا کے دروتّج (دروازے) پر بھی علی گڑھ والا تالا جھولتا نظر آنے لگا، بستی کے سارے لوگ بھی حیران تھے کہ گرو سرجیت جسے وہ بھگوان کا اوتار سمجھتے تھے اس نے ایسا کیوں کیا؟

جگدیو نے بھی سرجیت سے بہت کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن سرجیت نے ہر بات کے جواب میں چپ سادھے رکھی تو جگدیو بھی بھنا گیا، پولیس والوں کا انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''بستی میں اِدھر اُدھر جو کانا پھوسی ہورہی ہے وہ بھی میں سن چکا ہوں، پر ابھی تک یہ کھوج نہیں لگا سکا وہ کون حرام کا جنا ہے جس نے تمہارے اوپر گندا اچھالنے کی کوشش کی ہے؟''

''جگدیو......'' سرجیت نے پہلی بار اپنے یار اور محسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''ایک پرارتھنا ہے......مانو گے؟''

''سرجیت......تو کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے؟'' اس بار بھی جگدیو نے گرو کو گہری

نظروں سے دیکھا۔" ایک بار زبان تو کھول کر دیکھ۔ جس مائی کے لال نے تیرے نام پر کالک لگانے کی کوشش کی ہے، اگر میں اسے اس کی ماں کی کوکھ میں واپس نہ کردوں تو نام بدل دینا۔"

"جس جگہ سے منش کا دانہ پانی اٹھ جائے پھر...... اسے وہاں سے دور ہو جانا چاہیے، اسی میں سب کی بھلائی ہے۔"

دونوں ایک برگد کے گھنے درخت تلے بیٹھے باتیں کر رہے تھے، دور دور تک کوئی نہیں تھا، پھر بھی جگدیو نے ادھر ادھر نظر گھما کر بڑی مدھم آواز میں پوچھا۔

"سرجیت، میں نے تجھے یار بولا ہے تو پھر یاروں سے کیا پردہ...... اگر تیرے پیر کہیں رپٹ گئے ہیں تو مجھے بتا دے، میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

جواب میں سرجیت نے جگدیو کو بڑی حیرت سے دیکھا۔" جو جھاڑ منش کو چھایا دے اس کے سائے تلے بیٹھ کر پاپ کی کوئی بات بھی کرنا مہا پاپ ہے، میں نے جیون میں کبھی جھوٹ نہیں بولا پھر تیرے ساتھ کیوں بولوں گا، بھگوان ساکشی (گواہ) ہے کہ میں کسی کے بارے میں کوئی گندا وچار بھی نہیں رکھتا، تم نے تو مجھے سہارا دیا، سر چھپانے کی جگہ دی، بستی والوں نے مان دیا پھر...... میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر تو یہاں سے بوریا بستر سمیٹنے کی بات کیوں کر رہا ہے؟"

"پرکھوں کا کہنا ہے کہ جس جگہ سے منش کا وشواس اٹھ جائے، اس جگہ کو جتنی ترنت چھوڑ دیا جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔"

"اپنے یار کی بنتی بھی سویکار نہیں کرے گا؟" جگدیو نے بڑے جذباتی انداز میں سوال کیا۔

"میں نے اور رکمنی نے مل جل کر اپنا بوریا بستر لپیٹ لیا ہے تو...... اب جانے ہی دو۔" سرجیت کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

"میرے کہنے سے دس بارہ دن اور رک جا گرو...... اس کے بعد...... جیسی تیری مرضی......"

جگدیو اپنی بات پوری کر کے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، پھر اس نے پلٹ کر پوری قوت سے سرجیت کو اپنے سینے کی گہرائیوں میں سمیٹ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور آنکھوں سے بہتے نیر (آنسو) دامن سے خشک کرتا، تیزی سے گھوما اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چلا گیا، سرجیت اسے دور تک دیکھتا رہا پھر جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ بھی سر جھکائے اداس اداس سا گھر واپس آگیا۔

❁❁❁

پولیس کی گشتی پارٹی کا مہینے دو مہینے میں ایک بار بستی کا چکر لگانا کوئی نئی بات نہیں تھی، اسی بہانے پولیس کی ٹیم کاغذات کی خانہ پری بھی کر لیتی اور جگدیو کی بیٹھک میں تھوڑا بہت ہلا گلا بھی ہو جاتا تھا، بستی والوں پر تین فیتے والے جگدیو کی دھاک بھی بندھی رہتی۔

اس رات بھی پولیس پارٹی جگدیو کے ساتھ راؤنڈ پر تھی، سب ہنستے بولتے پاٹھ شالا کے قریب والے پارک کے پاس سے گزر رہے تھے، کہ اتفاق سے جگدیو کی نظران دو انسانی سایوں پر پڑی جو برگد کے درخت کی آڑ میں چھپنے کی غرض سے زمین سے اٹھے تھے۔

''کون ہے......؟'' جگدیو نے دبنگ آواز میں للکارا۔ ''خبردار...... بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔''

پھر جگدیو جب لپکتا ہوا درخت کے قریب گیا تو گروسر جیت کو وہاں سہما کھڑا دیکھ کر اسے اچنبھا بھی ہوا جو اس وقت صرف دھوتی پہنے ہوئے تھا، ابھی وہ سر جیت سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک پولیس والے کی آواز اس کے کانوں میں سیسے کی طرح اترتی چلی گئی۔

''باؤ جگدیو...... یہاں تو چیت پٹ کی کہانی کا سین پاٹ چل رہا تھا، ادھر آ کر دیکھو، گھاس پر ایک مسلی ہوئی چادر، ایک مسکی ہوئی اوڑھنی کے علاوہ ایک ٹوٹی ہوئی چوڑی بھی پڑی ہے۔''

جگدیو نے پولیس والے کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر جو کچھ روشنی میں دیکھا وہ اندھیرے کی کہانی دہراتا نظر آ رہا تھا، اس نے پلٹ کر گروسر جیت کی طرف دیکھا تو وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا، جگدیو اسے ہاتھ تھام کر ایک طرف گھسیٹ کر لے گیا۔

''سچ اگل دے سر جیت...... وہ کون تھی جو نو دو گیارہ ہو گئی؟''

گروسر جیت نے کوئی جواب نہیں دیا، دم سادھے کھڑا رہا۔

''بھائی جگدیو، یہ تمہارا متر (دوست) تو چھپا رستم نکلا'' ایک پولیس والے نے قریب آ کر کاٹ دار لہجے میں کہا۔ ''اکیلے ہی اکیلے موج مستی کر رہا تھا، مجھے ذرا دیر ہو گئی ورنہ ٹارچ جلا کر ہم بھی اس کے جوبن کو دیکھ کر نظریں بھی سینک لیتے جو ہم سب کو دھوکا دے کر چھو منتر ہو گئی۔''

''ٹھیک ہے...... زیادہ گرمی نہ دکھا...... میں اسے پوری طرح کھنگالے بنا نہیں چھوڑوں گا۔'' جگدیو نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا، گروسر جیت کو کھینچ کر اور دور لے گیا۔ خالص پولیس والے رعب داب سے پوچھا۔

''میرے پاس سمے کم ہے سر جیت۔ سچ سچ بتا، کون تھی تیرے ساتھ؟''

گروسر جیت نے نظریں اٹھا کر جگدیو کے تیور دیکھے پھر نظریں جھکا لیں۔

"کھل جا گرو...... جلدی اگل دے کہ تو کب سے گندا ناٹک رچا رہا ہے، کس کس کی عزت برباد کر چکا ہے۔" جگدیو کو پولیس والوں کے ساتھ ساتھ اپنی بستی کا دھیان آیا، تو اس کے تیور بھی بدل گئے۔ "تو نے اگر سچ نہیں اگلا تو میرے ایک اشارے پر پولیس والے تجھے مار مار کر تیرا بھرکس نکال دیں گے...... رات کی تاریکی میں ہم معاملہ گول بھی کر سکتے ہیں، بستی کے لوگوں کو خبر ہو گئی، یا ایک بار ایف آئی آر کٹ گئی تو پھر سزا بھی لمبی ہو گی...... سارا کھایا پیا دوسرے راستے سے نکل جائے گا، سن رہا ہے تو...... میں کیا بک رہا ہوں۔"

جگدیو نے بہیتری کوشش کی لیکن سر جیت نے زبان نہیں کھولی تو اسے حراست میں لے لیا گیا...... صبح بستی کے لوگوں میں گروسر جیت کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، جگدیو کے ذریعے انہیں اصل بات معلوم ہوئی تو سب ہی دانتوں تلے انگلیاں دے کر رہ گئے، کسی کو وشواس نہیں آرہا تھا کہ گروسر جیت جسے وہ دیوتا سمجھ رہے تھے اپنے اصل روپ میں راکشس سے بھی زیادہ نیچ ثابت ہو گا۔

اسی دن جگدیو کی طرف سے پوری بستی میں ڈگی پٹوا دی گئی کہ اگر کسی کو سر جیت کے خلاف کوئی شکایت ہے یا گواہی دینی ہے تو وہ پہلی فرصت میں تھانے جا کر اپنا نام درج کرا دے، لیکن بستی کے لوگوں نے تھانے جانا مناسب نہیں سمجھا، تھانہ کچہری سے سب ہی ڈرتے تھے۔

عدالت میں پیشی شروع ہوئی تو سرکاری وکیل مزے لے لے کر گروسر جیت پر گند اچھالتا رہا، کئی پیشیاں گزر گئیں، لیکن سر جیت نے اپنی صفائی میں ایک شبد بھی زبان سے نہیں نکالا، چپ نظریں جھکائے سب کی سنتا رہا، سرکاری وکیل نے جرح کرتے ہوئے پینترے بدل بدل کر اس کی مٹی پلید کرنے کی کوشش کی مگر سر جیت نے چپ سادھے رکھی، عدالت نے کسی گواہ کے پیش نہ ہونے کے باوجود پولیس کی جانب سے پیش کیے جانے والے ثبوت پر غور کیا پھر شبہ کی گنجائش کا فائدہ دیتے ہوئے گروسر جیت کو چھ ماہ قید کی سزا سنا دی، جگدیو کا سینہ عدالت کا فیصلہ سن کر اور چوڑا ہو گیا۔

❁❁❁

گروسر جیت کی رہائی میں چند دن باقی رہ گئے تھے، اس کی سزا نے بستی کے بہت سے کنواروں کی مشکل حل کر دی، جگن ناتھ نے بھی پنڈت سے مل کر نیا مہورت نکلوایا اور کانتا اور شیرا کی شادی کر دی۔ "سر جیت کے ساتھ اس رات کون لڑکی تھی، جو اٹھتی جوانی کی پیاس بجھانے کے

کارن منہ کالا کر رہی تھی؟'' اس سوال نے بستی کے بڑوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں، سب نے اپنی جوان لڑکیوں کی چٹ منگنی پٹ بیاہ کی تیاری شروع کر دی، اسی ریلے میں سکھیا کی قسمت بھی جاگ اٹھی، جیوتی کے ساتھ بات پکی ہونے کی خوشی میں وہ بھی پھولا نہیں سما رہا تھا اور کچھ من چلوں کی لاٹری بھی نکل آئی تھی۔

اس روز جگدیو گھر سے باہر پیپل کے درخت کے چبوترے پر بیٹھا مونچھیں کترنے کے سلسلے میں بار بار آئینے میں اپنی شکل دیکھ رہا تھا جب بستی کا سرپنچ آ گیا۔

''آؤ اوم پرکاش جی......'' جگدیو نے اس کا سواگت کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟''

''سنا ہے کہ گرو سرجیت کی رہائی میں اب گنتی کے دن باقی رہ گئے ہیں؟''

''خیریت تو ہے؟'' جگدیو نے چونک کر سوال کیا۔ ''یہ تمہیں آج اچانک اس دشٹ کی یاد کیسے آ گئی؟''

''میں اس کے پچھلے گن گانے نہیں آیا لیکن ایک بات ضرور کہوں گا۔'' بوڑھے سرپنچ نے مدھم آواز میں کہا۔ ''جانور بھی کچھ دنوں ایک باڑے میں ساتھ بندھیں تو وہ بھی آپس میں گھل مل جاتے ہیں، ہم تو پھر سوچ وچار کرنے والے سیانے لوگ ہیں۔''

''مطلب......؟'' جگدیو نے کسمسا کر پوچھا۔

''سرجیت جیسا بھی تھا، اس کی سزا بھی اسی انوسار ملی، اس کے کالے کرتوت کی کہانی گھر گھر گونج رہی ہے پرنتو اس کا ایک احسان بھی ہے جسے ہمیں بھولنا نہیں چاہیے۔''

''وہ کیا......؟'' جگدیو کی پیشانی پر شکنیں ابھرنے لگیں۔

''اس نے چپ سادھ کر کسی پریوار کو بدنامی کا داغ لگنے سے ضرور بچا لیا۔'' اوم پرکاش نے کہا۔ ''کسی چھوری کا نام لے دیتا تو اس کے گھر والے بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔''

''تم چنتا نہ کرو......'' جگدیو نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں دو روز پہلے اس نیچ جات سے حوالات جا کر ملا تھا، میں نے اس کمینے سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جس روز بھی سلاخوں سے باہر قدم دھرے، اس کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنے ٹبر کے ساتھ بوریا بستر لپیٹ کر اس بستی سے نکل جائے ورنہ میں اس کے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔''

اوم پرکاش سر ہلا کر خاموش ہو رہا تو جگدیو نے پولیس کی زبان میں ایک موٹی اور گندی گالی

بکتے ہوئے کہا۔ ''میں خود اس کے ساتھ اسٹیشن جاؤں گا، ایسی کھری کھری سناؤں گا کہ پھر کبھی اس بستی کا رخ کرنے کا خیال بھی اس کے من میں نہیں آئے گا۔''

''جیسی تمہاری مرضی......'' اوم پرکاش نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''برے کام کا انجام بھی ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ رب راکھا۔''

''راب راکھا۔'' جگدیو نے خشک لہجے میں جواب دیا پھر دوبارہ مونچھیں کترنے میں جت گیا۔

❁❁❁

گرو سرجیت تانگے میں رکمنی، شیاما اور موتی کے ساتھ بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا، جگدیو اپنی موٹر سائیکل پر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، تانگے والے نے بھی اسی کے کہنے پر سرجیت کو اسٹیشن تک لے جانے کی حامی بھری تھی ورنہ پہلے اس نے بھی بڑے روکھے انداز میں اسے دھتکارا تھا۔

اسٹیشن کے راستے میں کئی بار سرجیت نے نظریں اٹھا کر جگدیو کی طرف دیکھا لیکن ہر بار جگدیو نے نفرت سے نگاہیں پھیر لیں، اسٹیشن پہنچ کر سرجیت نے تانگے والے کو بھاڑا دینے کی کوشش کی تو اس نے بھی بڑے رُوکھے اور جلے کٹے انداز میں من کی بھڑاس نکال ڈالی۔

''میں سارا دن اپنا اور گھوڑے کا دانہ پانی تلاش کرنے کے کارن محنت مجدوری ضرور کرتا ہوں لیکن حرام کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتا۔''

گرو سرجیت ایک بار پھر دل مسوس کر رہ گیا، قلی کے ذریعے سامان اٹھوا کر پلیٹ فارم پر گیا تو گاڑی تیار کھڑی تھی قلی نے سرجیت کے پوچھنے پر یہی بتایا کہ گاڑی جانے میں سات آٹھ منٹ باقی ہیں، سرجیت بیوی بچوں کو ڈبے میں بٹھا کر باہر آیا تو جگدیو سامنے ہی نلکے کے قریب سینہ تانے کھڑا تھا، سرجیت اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو جگدیو نے پھر حقارت سے نظریں پھیر لیں۔

سرجیت نے خاموشی سے نلکے کے پاس جا کر خالی بوتل بھری پھر ٹرین کی طرف جاتے جاتے رک گیا، پلٹ کر جگدیو کے قریب جا کر بڑی حسرت سے کہا۔

''اب تو میں سدا سدا کے لیے تمہاری بستی سے باہر جا رہا ہوں، کیا ایک جاتے ہوئے دوست کو آخری بار گلے لگا کر جدا بھی نہیں کرو گے؟''

''چل...... دفع ہو جا......'' جگدیو ٹھوس آواز میں بولا۔ ''اپنا گندا شریر لے کر میرے قریب آنے کی بھول بھی نہ کرنا۔''

سرجیت تڑپ کر رہ گیا، ہمت کر کے بولا۔ ''جگدیو، میں نے ایک بار کہا تھا کہ جس درخت نہ چھایا بھی کسی منش کو......''

''بند کر اپنا بھاشن'' جگدیو بپھر گیا'' اگر تو اتنا ہی کھرا ہوتا تو میرے بار بار پوچھنے پر اس کلنکنی کا نام ضرور بتا دیتا جس کے ساتھ تو پاپ کا ناٹک رچا رہا تھا۔''

گاڑی نے دوسری سیٹی دی تو پلیٹ فارم پر کھڑے مسافر اپنے اپنے ڈبے میں سوار ہونے لگے۔

''تو جو من چاہے کہہ ڈال میرے یار......لیکن میں جاتے جاتے یہ اوش کہوں گا کہ تو نے اپنی بستی میں مجھے جو سر چھپانے کا ٹھکانا دیا تھا اس کا ابکار میں سارا جیون نہیں بھولوں گا۔''

''اپنا ابکار بھی اپنے ساتھ لے جا۔'' جگدیو نے اسے نفرت سے گھورا۔ ''نیچ ذات'' کیول ابکار کی بات کر رہا ہے، لیکن اب بھی اس کلنکنی کا نام لیتے ہوئے......''

''یہی تو کٹھن گھڑی آن پڑی تھی مجھ پہ کہ میں اس کا نام نہیں لے سکتا تھا۔'' سرجیت نے تڑپ کر کہا۔ ''نام لے دیتا تو وہ لاج کی ماری شرم سے مر جاتی۔''

گاڑی تیسری سیٹی دینے کے بعد رینگنے لگی تھی، سرجیت نے پیچھے کھسکتے ہوئے گردن جھکا کر کہا۔

''وہ......وہ کلنکنی نہیں تھی میرے یار......تیری بھرجائی......میری رکمنی تھی......میں پولیس والوں کے سامنے اس کا نام نہیں لے سکتا تھا۔''

سرجیت پلٹ کر دوڑتا ہوا اپنے کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گیا اور جگدیو......اس کے سارے تن بدن میں ببول کے زہریلے کانٹے سے چبھنے لگے، وہ پھٹی پھٹی نظروں سے ٹرین کو ٹکٹکی باندھے گھورتا رہا، جو ہر پل اس سے دور ہوتی جا رہی تھی، بڑی دیر تک وہ اندر ہی اندر سلگتا رہا پھر بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

''گرو سرجیت......میرے یار......مجھے شما کر دینا، میں نے تجھے پوری بستی کے سامنے ننگا کر کے چت کرنے کی کوشش کی تھی اور تو......تو اکیلے میں جاتے جاتے مجھے پٹ کر کے میری پچھاڑی پر تھوک گیا، مم، میں......ہی کم عقل تھا جو تیری تھاہ کو نہیں پہنچ سکا، جاتے جاتے کیسا گہرا گھاؤ دے گیا میرے یار......!!''

جگدیو نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا پھر منہ چھپا کر بے اختیار ہچکیاں لے لے کر رونے لگا......!!

✿✿✿